ماہ پارہ

سحر خان

All rights are reserved by the author , you can't copy or steal any of

the scenes written in this novel

If you do so, serious action will be taken

NOVEL HUT

JazakAllah

انتساب

میں ماہ پارہ کو اللہ کے نام کرتی ہوں۔ جس نے مجھے لکھنے کی صلاحیت بخشی۔

NOVEL HUT

پیش الفاظ

بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

سب سے پہلے، میں جتنا بھی شکر ادا کروں، کم ہے۔ اس ربِّ کریم کا، جس نے مجھے لکھنے کی صلاحیت عطا کی۔ میری یہ تحریر اور آنے والی تمام تحریریں اسی اللہ کے نام ہیں، جس نے مجھے اس قابل سمجھا اور مجھے قلم اٹھانے کی توفیق دی۔

'ماہ پارہ' میری پہلی تحریر ہے، اور اسے مکمل کرنے میں مجھے پورے پانچ مہینے لگے۔ شاید آپ سوچیں کہ صرف تین سو صفحات پر اتنا وقت کیوں لگا؟ اس کا جواب بہت سادہ ہے۔ اردو میرے لیے ہمیشہ ایک مشکل زبان رہی۔ نہ صرف پڑھنے اور لکھنے میں، بلکہ بولنے میں بھی۔ میں نے آج تک خود سے اردو میں ایک صفحہ بھی نہیں لکھا تھا ! اس زبان سے میں ہمیشہ دور بھاگتی رہی، مگر

کس نے سوچا تھا کہ ایک دن وہی لڑکی جو اردو سے گھبراتی تھی، اپنی پہلی کتاب شائع کرے گی؟

جب میں نے لکھاریوں کی تحریریں پڑھی تو میں نے سوچا۔ "کوشش کرنے میں کیا جا رہا ہے؟" میرے ذہن میں کئی کہانیاں ابھرنے لگیں، لیکن ان سب میں سے میں نے "ماہ پارہ" لکھنے کا فیصلہ کیا۔ لکھتے ہوئے مجھے نہیں معلوم تھا کہ میری پہلی تحریر قارئین کو اتنی پسند آئے گی۔ میں نے اپنی زندگی میں کبھی نہیں سوچا تھا کہ ایک دن میں کتاب لکھوں گی، لوگ میری کتاب کو اپنے ہاتھ میں پکڑیں گے، اور یہی نہیں بلکہ لوگوں کو میری لکھی ہوئی کہانی بہت پسند آئے گی۔

آخر میں، میں اتنا کہنا چاہوں گی کہ اپنی کمزوری کو اپنی طاقت بنائیں۔ جسے آپ ناممکن سمجھتے ہیں، وہ آپ کو کامیابی کی طرف لے جا سکتا ہے۔

میں اپنے قارئین کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتی ہوں کہ انہوں نے میری تحریر کو نہ صرف پڑھا بلکہ اسے سراہا بھی۔

سحر خان

حصہ اول

،اگر تم دل گرفتہ ہو کہ تم کو ہار جانا ہے

تو پھر تم ہار جاؤ گے۔

،اگر خاطر شکستہ ہو کہ تم کچھ کر نہیں سکتے

یقیناً کر نہ پاؤ گے۔

،یقین سے عاری ہو کر منزلوں کی سمت چلنے سے

کبھی منزل نہیں ملتی۔

کبھی کنکر کے جتنے حوصلے والوں سے بھاری سِل نہیں ہلتی۔

NOVEL HUT

،زمانے میں ہمیشہ کامیابی اُن کے حصے میں ہی آتی ہے

،جو اول دن سے اپنے ساتھ اک عزم مصمم لے کے چلتے ہیں

کہ جن کے دل میں عزم و حوصلہ ایک ساتھ پلتے ہیں۔

اگر تم چاہتے ہو کامیاب و کامران ہونا

تو بس رخت سفر میں

تم یقین و عزم کی مشعل جلا رکھنا۔

سفر دشوار تر ہو تب بھی ہمت، حوصلہ رکھنا۔

سفر آغاز جب کرنا تو بس اتنا سمجھ لینا

جہاں میں کامیابی کی یقین والوں سے یاری ہے

اگر تم بھی یقین رکھو تو پھر منزل تمہاری ہے۔

* * * * * *

تاریخ تھی دس جولائی،

سال تھا انیس سو اسی کا،

اور وقت تھا دوپہر کے تین بجے۔

جولائی کا گرم ترین مہینہ تھا۔ سورج کی تپش جسم کو آگ لگانے کے قابل تھی۔ سورج کی تپش سے آسمان کی طرف نظریں اٹھا کر دیکھا بھی نہیں جا سکتا تھا۔ اس چلچلاتی دھوپ میں گرمی کو معتدل کرنے کے لیے ہوا کا کوئی نام و نشان نہیں تھا۔

یہ گاؤں کے چھوٹے گھروں میں سے ایک گھر کا منظر تھا۔ ایک کھلا اور مٹی کے دیواروں والا گھر، جہاں خالی صحن میں رکھی چارپائی پر ایک لڑکی اوندھے منہ لیٹی ہوئی تھی۔ عمر میں پندرہ سولہ سال کی لگ رہی تھی۔ اس وقت اتنی گرمی میں باہر بیٹھنا بھی کسی عذاب سے کم نہ تھا۔ ایک تو ہوا نہیں چل رہی تھی اور نہ ہی ان کے پاس کچھ ایسا تھا جس سے انہیں ٹھنڈی ہوا مل سکے۔

ایک کتاب اس کے عین سامنے رکھی ہوئی تھی، جس پر وہ جھکی ہوئی تھی۔

وہ اس کتاب کو بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں چمک تھی۔

خوشی کی چمک۔ شاید وہ کتاب درس کی کتاب نہیں تھی۔ اس کتاب میں کچھ تو ایسا تھا جو وہ اتنی دلچسپی سے پڑھ رہی تھی۔

اس نے بالوں کی چوٹی بنائی ہوئی تھی، جس سے نکلتی لٹیں کتاب کو چھو رہی تھیں۔ اس کے دونوں پاؤں آسمان کی طرف تھے اور اس کا دوپٹہ چارپائی سے نیچے لٹک رہا تھا۔ یقیناً اس وقت اس کے ابا اور بھائی موجود نہیں تھے، ورنہ وہ بغیر دوپٹہ کے اس طرح لیٹ جاتی تو ہنگامہ برپا ہو جاتا اور وہ اس غلطی پر سارا دن باتیں سنتی رہتی۔

اس کی بڑی بہن کچن سے باہر آرہی تھی۔ اس کے ہاتھ میں ایک ٹرے تھی۔ باورچی خانہ گھر کے باہر صحن میں بنایا گیا تھا۔ دوپہر کا وقت تھا۔ اس کے ابا اور بھائی کھانا کھانے کے لیے گھر آتے تھے۔ وہ چارپائی کے قریب آئی۔ اس نے ایک نظر اسے سکون سے لیٹا دیکھا اور بہت غصے میں دو زانوں ہو کر بیٹھی۔ اس نے ٹرے کو اپنی گود میں رکھا۔ اس ٹرے میں سوکھے چاول تھے۔

اب وہ چاول صاف کر رہی تھی اور وقتاً فوقتاً اپنے دوپٹے سے اپنے چہرے سے پسینہ پونچھ رہی تھی۔

تقریباً وہ آدھے چاول صاف کر چکی تھی تب اسے احساس ہوا کہ وہ کتنی دیر سے یہاں بیٹھی ہوئی ہے اور اس لڑکی نے اسے ایک نظر بھی نہیں دیکھا اور اس سے یہ بھی نہیں پوچھا کہ کیا کر رہی ہے یا اسے کسی مدد کی ضرورت تو نہیں ہے۔ وہ ٹرے فرش پر رکھ کر اس کی طرف مڑی۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

وہ مسکرا رہی ہے؟

کتاب کو پڑھتے ہوئے کون مسکراتا ہے؟

وہ صرف مسکرا نہیں رہی تھی، اس کے چہرے پر شرمیلی مسکراہٹ تھی جسے وہ چھپا نہیں سکتی تھی۔ مروا نے سر جھٹکا اور چاولوں کی ٹرے واپس گود میں رکھ کر انہیں صاف کرنے لگی۔

"ہائے!" وہ اٹھ بیٹھی۔ "یہ تو ختم ہوگئی۔" اس نے کتاب زور سے بند کرتے ہوئے اداسی سے کہا۔ "کاش کہانی اور لمبی ہوتی۔"

"یہ تم کیا پڑھ رہی تھی؟"وہ پوچھے بغیر نہ رہ سکی۔

وہ چاول کے دانوں کو اچھی طرح صاف کرنے میں مگن تھی۔ پچھلی بار بھی کنکر نکلا تھا جس پر اسے ڈانٹ بھی پڑی تھی۔

"ہیں؟ دیکھ نہیں رہی تھیں؟ میں تو کتاب پڑھ رہی تھی!" وہ دل ہی دل میں خود کو کوسنے لگی۔ کم ازکم وہ اس کے سامنے ایسا ردعمل ظاہر نہ کرتی۔

"وہ تو مجھے بھی دکھ رہی ہے۔ پر کونسی کتاب؟"

"ہائے باجی! کتاب کتاب ہوتی ہے۔ درس کی کتاب ہے اور کونسی کتاب ہوگی؟"

مروا نے ٹرے گود سے ہٹا کر ایک طرف رکھ دی اور فوراً ہاتھ بڑھا کر اس سے کتاب چھین لی۔ اس سے پہلے کہ وہ کوئی شور مچاتی، مروا کی نظر کتاب پر پڑ

چکی تھی۔ اس نے عنوان پڑھا، یہ ایک رومانوی ناول تھا۔ مروا کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں، اور بے اختیار اس نے اپنے لبوں پر ہاتھ رکھ لیا۔

"ہائے میں مرجاواں !" وہ ابھی تک حیرت کے عالم سے باہر نہیں آئی تھی۔

"یہ تم کیا پڑھ رہی تھی؟" اس نے ماہ پارہ کو گھور کر پوچھا۔

ماہ پارہ نے فوراً کتاب اس کے ہاتھ سے لے لی اور محبت سے اسے سینے سے لگا لیا۔

"آپی ! یہ آپ نہیں سمجھیں گی۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا اور اپنی ایک لٹ کو کان کے پیچھے اڑسا۔ "اس میں ایک شہزادہ ہوتا ہے۔" اس کی آنکھیں خواب ناک ہوگئیں۔ "ہائے آپی ! آپ کو پتا ہے، وہ اس شہزادی سے کتنی محبت کرتا تھا؟" وہ ایسے خوش ہو رہی تھی جیسے وہ خود ہی اس کہانی کی شہزادی ہو۔

مروا نے غصے سے اسے دیکھا اور ایک ہلکی سی چپت اس کے ہاتھ پر رسید کر دی۔ "تمہیں شرم نہیں آتی اتنا بیہودہ ناول پڑھتے ہوئے؟ تم تو درس کی کتابیں پڑھا کرتی تھی!"

ماہ پارہ نے خفگی سے اس کی طرف دیکھا۔ "اس میں شرم کی کیا بات ہے؟ سب پڑھتے ہیں!" اس نے منہ بنایا۔ "اور میں اب بھی درس کی کتابیں پڑھتی ہوں، بس یہ کل مجھے ہریرہ نے پڑھنے کے لیے دیا تھا۔"

"اگر اماں ابا کو پتا چلا تو تجھے اسی شہزادے کے ساتھ رخصت کر دیں گے!" وہ ٹرے اٹھا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

ماہ پارہ کے چہرے پر ایک لمحے کو چمک آئی۔ "کیا واقعی؟" اس نے معصومیت سے پوچھا، جیسے یہ بات سن کر خوش ہوگئی ہو۔

مروا نے بے بسی سے اپنا ماتھا پیٹا اور نفی میں سر ہلاتے ہوئے کچن کی طرف بڑھ گئی۔

"تیرا کچھ نہیں ہو سکتا، ماہ پارہ۔" اس نے چاول پیالے میں انڈیلتے ہوئے کہا۔ "یہ عشق معشوقی کی کتابیں چھوڑ اور آ، میرے ساتھ کھانے میں مدد کر۔ ابھی ابا آتے ہی ہوں گے۔" وہ اب چاول بھگونے کے لیے پانی ڈال رہی تھی۔

ماہ پارہ نے اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے چپل پہنی اور کچن میں اس کے پیچھے آگئی۔

"آپی ! سوچیں، اگر ہماری زندگی میں بھی کوئی شہزادہ آجائے تو؟" اس کی آنکھوں میں خواب بستے تھے۔ "اور ہم سے بالکل اسی طرح محبت کرے جیسے ان کتابوں میں لکھا ہوتا ہے !" وہ پرجوش ہو کر بولی، کتاب اب بھی اس کے ہاتھ میں تھی۔

مروا نے طنزیہ ہنسی کے ساتھ سر جھٹکا۔ "یہ صرف کہانیاں ہوتی ہیں، ماہ پارہ۔ یہ سب کچھ صرف کتابوں میں ہوتا ہے۔ حقیقت میں ایسا کچھ نہیں ہوتا۔ اس خواب سے باہر آجاؤ۔"

ماہ پارہ نے خفگی سے لب بھینچ لیے اور کتاب کو سینے سے لگا لیا۔

"اگر آپ کچھ اچھا نہیں کہہ سکتیں، تو کم از کم برا بھی مت کہیں!" اس نے روٹھے لہجے میں کہا، پھر ایک دم جوش سے بولی۔ "آپ دیکھنا، میں ایک دن بہت بڑی ڈاکٹر بنوں گی! بالکل اس لڑکی کی طرح!" اس نے کتاب میں موجود ہیروئن کی مثال دی اور فخر سے مسکرا دی۔

وہ پیاز کاٹتے ہوئے رک گئی۔ ''ڈاکٹر بننے کے لیے پڑھنا پڑتا ہے، اور پڑھنے کے لیے اسکول جانا ضروری ہوتا ہے۔ لیکن تمہیں یہاں اسکول بھیجنے والا کون ہے؟ اور اگر بھیج بھی دیا جائے، تو لڑکیوں کے لیے اسکول کہاں ہے؟'' مروا نے حقیقت کی تلخی سے اسے یاد دلایا کہ ان کے گاؤں میں لڑکیوں کی تعلیم کا کوئی بندوبست نہیں تھا۔

ماہ پارہ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "باجی، آپ کو یاد ہے ہریرہ کے ساتھ والے گھر کی ہمدہ؟" مروا نے سر ہلا دیا۔

"ہریرہ بتا رہی تھی کہ شہر کے ایک لڑکے نے اس کے لیے رشتہ بھیجا تھا، اور وہ اسے اپنے ساتھ شہر لے گیا۔" وہ رکی، مروا کے چہرے پر کوئی ردِ عمل نہ دیکھ کر اس نے دوبارہ بات جاری رکھی۔

"ہریرہ کہہ رہی تھی کہ ہمدہ اب وہاں شہزادیوں جیسی زندگی گزار رہی ہے۔ اسے بھی میری طرح پڑھنے کا شوق تھا، اور اس کے شوہر نے اسے پڑھنے کی اجازت بھی دے دی ہے۔ میں بھی کسی ایسے شخص سے شادی کروں گی جو مجھے شہر لے جائے تاکہ میں اپنی تعلیم مکمل کر سکوں، کیونکہ گاؤں میں تو لڑکیوں کے لیے اسکول ہے ہی نہیں۔" ابتدا میں اس کے لہجے میں جوش تھا، لیکن آخری جملہ اداسی میں ڈھل گیا۔

NOVEL HUT

مروا نے چولہا جلاتے ہوئے کہا۔ "ہریرہ نے تم سے جھوٹ بولا ہے۔" ماہ پارہ حیرانی سے اسے دیکھنے لگی۔ "ہمدہ کو وہاں شہزادی نہیں، بلکہ ملازمہ بنا کر رکھا گیا ہے۔ وہ آدمی پہلے سے شادی شدہ تھا، اس کی ایک بیوی پہلے سے موجود ہے۔" مروا نے سچائی بے رحمی سے بیان کی۔

ماہ پارہ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

" اور اس کی پہلی بیوی سے اولاد نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ صرف ایک وارث چاہتا تھا، اور جب شہر میں اسے کوئی لڑکی شادی کے لیے نہ ملی، تو اس نے گاؤں کی ایک معصوم لڑکی کو چن لیا۔ یہ سب ہمدہ کے والدین بھی جانتے تھے، اور انہوں نے خوشی خوشی اپنی بیٹی کی قسمت کا سودا کر لیا۔" مروا کی آواز میں تلخی واضح تھی۔

ماہ پارہ کی نظریں جھک گئیں، اس کے خواب جیسے کرچی کرچی ہو گئے تھے۔

مروا نے اس کے معصوم چہرے پر بکھرے مایوسی کے سائے دیکھے تو ایک ٹھنڈی آہ بھر کر رہ گئی۔ وہ جانتی تھی کہ ماہ پارہ ابھی بہت نادان ہے، وہ خوابوں کی دنیا میں رہتی ہے، لیکن حقیقت اس خواب سے بہت مختلف تھی۔

"ماہ پارہ، زندگی کہانیوں کی طرح نہیں ہوتی۔ یہ کہانیاں بس وقت گزارنے کے لیے لکھی جاتی ہیں، حقیقت میں ایسا کچھ نہیں ہوتا۔" وہ نرمی سے بولی اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ "پتا نہیں ہریرہ نے تم سے جھوٹ کیوں کہا، لیکن

میں جو کہہ رہی ہوں، وہ سچ ہے۔ اگر یقین نہیں آتا تو گاؤں میں کسی سے بھی پوچھ لو۔ خود سوچو، کوئی شہر کا لڑکا یہاں آکر کسی گاؤں کی لڑکی سے شادی کیوں کرے گا؟"

ماہ پارہ نے نم آنکھوں سے اسے دیکھا۔ ''تو کیا ہمارے لیے کوئی شہزادہ نہیں آئے گا؟ کیا ہماری ساری زندگی کھانا پکانے، اماں کی طرح شوہر کے طعنے سننے، یا پھر ظلم سہنے میں گزر جائے گی؟''

اس کے لہجے میں ایسی اداسی تھی کہ مروا کو ایک پل کے لیے چپ لگ گئی۔ وہ جانتی تھی کہ وہ جو سوال کر رہی تھی، وہ محض خوابوں کی کرچیاں سمیٹنے کی کوشش نہیں بلکہ ایک ایسی تلخ حقیقت تھی جس کا سامنا ہر گاؤں کی لڑکی کو کرنا پڑتا تھا۔

مروا نے اپنی بہن کی طرف دیکھا، جس کے چہرے پر اداسی کے گہرے سائے تھے، جیسے کسی نے اسے حسین خواب سے کھینچ کر بے رحم حقیقت میں لا کھڑا کیا ہو۔ مروا سمجھدار تھی، حقیقت کی تلخیوں سے واقف، جبکہ ماہ پارہ

نادان تھی، خوابوں کی دنیا میں رہنے والی۔ مروا جانتی تھی کہ زندگی کیسے گزارنی ہے، کب، کہاں اور کس طرح خود کو حالات کے مطابق ڈھالنا ہے، مگر ماہ پارہ ابھی اس دنیا کے سخت اصولوں سے انجان تھی۔

مروا اسے جھوٹے خواب نہیں دکھانا چاہتی تھی۔ ان کے پاس نہ دولت تھی، نہ غیر معمولی حسن، جو کسی شہزادے کو ان کی طرف متوجہ کرتا۔ ایک گاؤں کی عام سی لڑکی کے لیے شہزادہ کہاں سے آتا؟ کوئی مرد کسی لڑکی کو آگے بڑھنے کا موقع کیوں دے گا؟

وہ بے ساختہ بولی۔ "کیا تم پاگل ہو؟ تمہیں اب بھی لگتا ہے کہ کوئی اجنبی آئے گا اور تمہارے خواب پورے کرے گا؟ شہر کی حسین لڑکیوں کو شہزادے نہیں ملتے، تو پھر ہم جیسی گاؤں کی عام لڑکیوں کے لیے کوئی کیوں آئے گا؟"

وہ خاموشی سے وہاں سے نکلی اور اپنے کمرے میں چلی گئی۔ یہ چھوٹا سا، سادہ سا کمرہ، جہاں صرف ضرورت کی چند چیزیں موجود تھیں۔ مروا اور ماہ پارہ کا مشترکہ ٹھکانہ۔ ایک طرف ان کا بستر بچھا تھا، دوسری طرف دیوار پر ایک

چھوٹا سا آئینہ لٹک رہا تھا، اتنا چھوٹا کہ اس میں پورا چہرہ بھی بمشکل نظر آتا۔ آئینے کے اوپر ایک کاجل دھرے رکھا تھا۔ بستر کے قریب دو پوٹلیاں اور ایک پرانا صندوق پڑا تھا، جس میں غالباً ان کے کپڑے رکھے تھے۔

ماہ پارہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی آئینے کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ اس نے اپنا عکس دیکھا اور بے اختیار اپنا ہاتھ گال پر رکھ لیا۔ انگلیوں کی پوروں سے چہرے کو چھوا اور آہستہ سے دائیں بائیں گھمایا، جیسے خود کو پرکھ رہی ہو۔

اس کی رنگت گندمی تھی، چہرہ صاف مگر زیادہ حسین نہیں تھا۔ اس کے بال ریشمی مگر درمیانے تھے، دبلی پتلی سی تھی، اور قد بھی مناسب ہی تھا۔ مگر اس کی سب سے نمایاں اور خوبصورت چیز اس کی آنکھیں تھیں۔ سنہری رنگ کی، گہری، کچھ کہتی ہوئی، اور ان پر سیاہ، گھنی لمبی پلکوں کا پہرہ۔ خاص طور پر جب دھوپ ان پر پڑتی تو وہ اور بھی روشن لگتی تھیں۔

وہ پھیکی سی مسکراہٹ ہونٹوں پر لے آئی۔ جیسے واقعی کوئی شہزادہ نہیں آئے گا۔

ایک گہری سانس لے کر وہ پلٹی، صحن میں آکر چارپائی سے اپنا دوپٹہ اٹھایا اور سلیقے سے سر پر اوڑھ لیا۔ پھر ہلکے سے دائیں جانب کھینچ کر چہرے کا کچھ حصہ ڈھک لیا۔

"آپی، میں ہریرہ کے گھر یہ کتاب واپس کرنے جا رہی ہوں۔" اونچی آواز میں کہہ کر وہ دروازے کی طرف بڑھ گئی، اور اگلے ہی لمحے گلی میں قدم رکھ دیا۔

مروا نے اسے جاتے ہوئے دیکھا مگر کچھ نہ کہا۔ وہ جانتی تھی کہ ماہ پارہ اس وقت کسی بحث کے موڈ میں نہیں تھی۔

وہ گھر سے باہر نکلی تو دھوپ کی تمازت اس کے چہرے پر پڑی، مگر اس کے دوپٹے نے اسے دھوپ کی شدت سے بچا لیا۔ وہ گلی کے کچے راستے پر چلتی ہوئی ہریرہ کے گھر کی طرف بڑھنے لگی۔ راستے میں چند عورتیں چولہے کے پاس بیٹھی گپ شپ کر رہی تھیں، کچھ بچے ننگے پاؤں ادھر ادھر بھاگ رہے تھے، اور چند بوڑھی عورتیں گھروں کے باہر چارپائیوں پر بیٹھی آپس میں باتیں کر رہی تھیں۔

******

اگلی صبح بھی گاؤں کے باقی دنوں کی طرح تھی۔ ایک جیسی، بے رنگ اور یکسانیت سے بھری ہوئی۔ یہاں ہر دن ایک دوسرے کی نقل معلوم ہوتا تھا۔ صبح سویرے اٹھنا، دن بھر شدید گرمی میں محنت کرنا، چند روپے کمانا، پھر شام کو گھر لوٹنا، وہی سادہ سا کھانا کھانا اور اگلے دن کے لیے خود کو تیار کر لینا۔

اس وقت صبح کے چھ بج رہے تھے۔ گھر کے سب افراد جاگ چکے تھے، سوائے ماہ پارہ کے، جو ابھی تک نیند میں تھی۔ خادم علی چارپائی پر بیٹھے ناشتے کا انتظار کر رہے تھے۔ ان کا بیٹا، کرامت علی، رات دیر سے آیا تھا، اسی لیے وہ ابھی تک سو رہا تھا۔ کرامت علی، جو ماہ پارہ اور مروا کا بڑا بھائی تھا، اور اپنے بوڑھے باپ کا اکلوتا سہارا سمجھا جاتا تھا۔

" "ناشتہ بنانے میں آخر کتنا وقت لگے گا؟" خادم علی نے کچن کی طرف نظر ڈال کر جھنجھلائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

نور افزا چائے گلاس میں انڈیل رہی تھیں۔ جلدی سے پراٹھے کی پلیٹ اور چائے کا کپ ٹرے میں رکھ کر وہ ٹرے اٹھا لائیں۔ "بس، ابھی لے آئی۔"

"شکر ہے! ورنہ لگا تھا کہ ناشتہ دوپہر کے کھانے کے وقت نصیب ہوگا۔" وہ طنزیہ لہجے میں بولے۔

نور افزا نے ٹرے ان کے سامنے رکھ دی اور پیچھے ہٹ کر دوپٹے سے ہاتھ پونچھنے لگیں۔

"وہ... چائے بنانے میں وقت لگ گیا تھا۔"

"اب یہیں کھڑی ہو کر میرا منہ دیکھتی رہو گی یا کوئی کام بھی کرو گی؟"

"جی... جاتی ہوں۔" وہ گھبرا کر بولیں اور فوراً پلٹ گئیں۔

اسی وقت مروا صحن میں داخل ہوئی۔ اس کے ہاتھ میں جھاڑو تھی۔ اس نے جھاڑو دیوار کے ساتھ ٹکا کر دوپٹہ دائیں کندھے سے گھما کر بائیں طرف باندھا اور دوبارہ جھاڑو پکڑ کر صفائی میں لگ گئی۔ وہ جان بوجھ کر چارپائی کے قریب نہیں گئی تھی، بس باقی جگہ صاف کر رہی تھی۔

خادم علی نے ایک نوالہ پراٹھے کا توڑا اور جیسے ہی اسے چبایا، ان کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ پراٹھا حد سے زیادہ نمکین اور شاید کچا بھی تھا۔ انہوں نے فوراً نوالہ تھوک دیا اور غصے میں پوری ٹرے الٹ دی۔ چائے کا کپ زمین پر گرتے ہی ٹوٹ گیا، اور پراٹھے کی پلیٹ دھڑام سے نیچے جا پڑی۔

نور افزا گھبرا کر آگے بڑھیں، مگر مروا جانتی تھی کہ آگے کیا ہونے والا ہے۔ اس نے ہونٹوں کو دانتوں میں دبا لیا اور بس خاموشی سے دیکھتی رہی۔ اسے معلوم تھا کہ اسے بیچ میں بولنے یا روکنے کی اجازت نہیں تھی۔

خادم علی نے ایک جھٹکے سے نور افزا کے چہرے پر زوردار تھپڑ رسید کیا اور ان کے بال مٹھی میں جکڑ کر انہیں اپنی طرف گھسیٹ لیا۔

"میں اس لیے دن رات محنت کرتا ہوں کہ ایک وقت کی روٹی بھی ٹھیک سے نصیب نہ ہو؟" ان کی آواز اتنی بلند تھی کہ گھر کے باہر تک سنی جا سکتی تھی۔ کھلا گھر تھا، آواز تو باہر جانی ہی تھی۔

کرامت کو سوئے بمشکل دو گھنٹے ہوئے تھے۔ اس کا ارادہ تھا کہ آج دیر سے کام پر جائے گا، مگر صبح سویرے ہونے والے شور نے اس کی نیند توڑ دی۔ وہ مزید سونا نہیں چاہتا تھا، اس لیے اٹھنا ہی بہتر سمجھا۔ وہ بستر سے اٹھا، چہرے پر ہاتھ پھیرا اور ایک گہری سانس لی۔

"پورا دن فارغ بیٹھی رہتی ہو، لیکن مجال ہے کہ ڈھنگ کا کھانا بنا لو! جاہل عورت!" خادم علی نے نور افزا کے بال چھوڑے اور غصے میں لمبے لمبے قدم بھرتے ہوئے باہر نکل گئے۔

نور افزا کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں اور جلد ہی ان کے گال بھیگ گئے۔ انہوں نے دوپٹہ چہرے پر رکھا اور سسکیاں لینے لگیں۔ اسی لمحے کرامت کمرے سے باہر آیا۔ ماں کی نم آنکھیں دیکھ کر وہ فوراً ان کے قریب پہنچا اور نرمی سے ان کے آنسو پونچھنے لگا۔

"ماں، آپ صبح جلدی اٹھ کر ابا کے لیے ناشتہ بنا دیا کریں۔ آپ جانتی ہیں نا، وہ ذرا سی بات پر ناراض ہو جاتے ہیں، پھر بھی آپ آخری وقت پر ناشتہ دیتی ہیں۔" کرامت نے محبت بھرے لہجے میں کہا۔

نور افزا نے افسردگی سے بیٹے کی طرف دیکھا۔ "میں بھی انسان ہوں، کبھی غلطی ہو جاتی ہے... ماہ پارہ تو ہاتھ تک نہیں لگاتی، اور ایک مروا ہے، وہ بھی کب تک سب کچھ سنبھالے گی؟" یہ سن کر مروا کی آنکھیں بھی نم ہو گئیں۔

نور افزا نے ایک لمحے کے لیے رک کر گہری سانس لی اور خادم علی کی نقل اتارتے ہوئے کہا۔ "پورا دن فارغ بیٹھی رہتی ہو!" کرامت چاہ کر بھی مسکرانے سے باز نہ رہ سکا، مگر نور افزا نے اس کی مسکراہٹ نہیں دیکھی، ورنہ ضرور خفا ہو جاتیں۔

کرامت نے ان کے کندھے پر بازو رکھ کر نرمی سے کہا۔ "چلیں، چھوڑیں ان باتوں کو۔ ویسے بھی ابا رات تک گھر نہیں آئیں گے۔ آئیں، ہم

ناشتہ کرتے ہیں۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا اور ماں کے گالوں کو چھیڑا، جس پر نور افزا نے پیار سے اس کے کندھے پر ہلکا سا تھپڑ مارا۔

"اوئے، نہ کر! اماں شرما جائیں گی۔" مروا نے آنسو پونچھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

"شرم نہیں آتی ماں کو تنگ کرتے ہوئے؟" نور افزا خفگی سے بولیں۔

"اچھا نا اماں، بھوک لگ رہی ہے۔" کرامت نے پیٹ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "جلدی سے ناشتہ بنا دیں، پھر سیدھا کام پر جاؤں گا۔" وہ بڑبڑاتا ہوا ماہ پارہ کو جگانے چلا گیا۔

******

NOVEL HUT

نیلا آسمان اب گہری سیاہی میں ڈھل چکا تھا۔ ستارے ٹمٹما رہے تھے اور گاؤں کے مدھم روشنی والے مکانوں نے ایک پر سکون ماحول پیدا کر دیا تھا۔ خادم علی کرامت کے ساتھ گھر واپس آ چکے تھے۔ اس وقت وہ چارپائی پر بیٹھے

ہوئے تھے، جبکہ کرامت اور ماہ پارہ نیچے دسترخوان بچھا کر بیٹھے تھے۔ صحن میں مٹی کے تیل کا واحد چراغ جل رہا تھا، جو مدھم روشنی پھیلا رہا تھا۔

خادم علی کھانے کا انتظار کرتے کرتے اکتا گئے۔ "اور کتنا وقت لگے گا؟" انہوں نے بلند آواز میں پوچھا۔

"بس لا رہی ہوں۔" نور افزا نے پلیٹ میں روٹی رکھ کر مروا کو تھما دی۔

"جاؤ، پہلے انہیں روٹی دو۔" مروا جانے ہی والی تھی کہ نور افزا نے اسے روک لیا۔ "یہ سالن تم نے ابا کو دے کر آنا ہے نا؟"

"اماں، آپ جانتی ہیں کہ مجھ سے جلد بازی میں کام نہیں ہوتا!" اس نے جھنجھلا کر کہا۔

NOVEL HUT

نور افزا نے دو چیزیں ٹرے میں رکھیں، اور مروا انہیں لے کر فوراً خادم علی کے پاس چلی گئی۔ اس نے خاموشی سے ٹرے ان کے سامنے رکھ دی۔

"آؤ، یہاں ماہ پارہ کے پاس بیٹھو، مجھے تم دونوں سے کچھ بات کرنی ہے۔" خادم علی نے پلیٹ اپنی طرف کھینچتے ہوئے کہا اور مروا کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"جی ابا، کیا کہنا ہے آپ نے؟" مروا نے گھبرا کر پوچھا۔ حالانکہ اسے گھبرانے کی ضرورت نہیں تھی، لیکن پھر بھی اس کے دل میں ایک انجانا خوف تھا کہ نہ جانے ابا کیا کہیں گے۔

"کل صبح سویرے سردار کی بیوی کو دو لڑکیوں کی ضرورت ہے۔" خادم علی نوالہ منہ میں ڈال کر چبانے لگے اور ساتھ ہی اپنی بات مکمل کرنے کی کوشش کی۔ "کل ان کا بیٹا پورے آٹھ سال بعد واپس آرہا ہے، اور اس بار گھر کے کام کچھ زیادہ ہیں، اس لیے انہیں دو مزید لڑکیوں کی ضرورت ہے۔ کل پورا خاندان ان کے گھر ہوگا۔"

انہوں نے دو انگلیوں سے روٹی اٹھا کر غور سے پلٹ کر دیکھا۔ نہ تو جلی ہوئی تھی اور نہ ہی کچی، چنانچہ وہ مطمئن ہو کر دوبارہ کھانے میں مصروف ہو گئے۔

کرامت یہ سن کر خوش ہوا کہ اس کا بچپن کا دوست واپس آرہا ہے، لیکن کچھ سوچ کر اس کے چہرے پر اداسی چھا گئی۔

"صبح سویرے کا مطلب؟" ماہ پارہ نے حیرت سے پوچھا۔

مروا نے فوراً اسے کہنی ماری، جیسے کہنا چاہ رہی ہو۔ "چپ رہو!"

"ہمارے یہاں تو چھ بجے کو کہتے ہیں، تیرے یہاں کا پتا نہیں۔" کرامت مسکرایا، اور مروا بھی ہنس دی، مگر فوراً کھانسی کا بہانہ بنا کر اپنی ہنسی دبا لی۔

نور افزا نے روٹیاں تینوں کے سامنے رکھ دیں اور خود مزید روٹیاں پکانے کے لیے اٹھ گئیں۔

"مجھے ایک اور روٹی دے دو۔" خادم علی نے پیچھے سے آواز دی۔

"ابا، یہ لیں، میں انتظار کر لوں گی۔" مروا نے فوراً انہیں اپنی روٹی پیش کر دی۔

"ابا! صبح چھ بجے مجھ سے نہیں اٹھا جائے گا۔" اس نے منہ بسورتے ہوئے کہا۔ وہ ابھی تک اس صدمے سے باہر نہیں نکلی تھی۔ "میں آٹھ بجے چلی....."

"ہرگز نہیں، چھ کا مطلب ہے چھ بجے۔" خادم علی نے سختی سے اس کی بات کاٹ دی۔ "اور وہ بہرحال اس کام کی ادائیگی کریں گے۔"

"جہاں پیسے کی بات آ جائے، وہاں پتا نہیں ابا ہم سے کیا کیا کروائیں۔" ماہ پارہ نے بہت دھیمی آواز میں بڑبڑائی۔

اب اس کا کچھ بھی کھانے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔ اس کے موڈ کا بیڑا غرق ہو چکا تھا۔ کرامت نے اسے چپ چاپ کھانے کو کہا، مگر اس نے ناراضگی سے منہ پھیر لیا۔

نور افزا نے آخری روٹی پلیٹ میں رکھی اور ان کے ساتھ بیٹھ گئیں۔

"تجھے پتا ہے، امینہ بی بی نے ہمارے لیے کتنا کچھ کیا ہے۔" انہوں نے نوالہ بنا کر ماہ پارہ کی طرف بڑھایا۔ "اب جب کہ ان کے لیے کچھ کرنے کی ہماری باری آئی ہے، تو ہم کیوں پیچھے ہٹیں؟"

"پر اماں...."

"اپنے باپ سے بحث کرے گی؟" انہوں نے اس کی بات کاٹ کر بہت مدھم مگر سنجیدہ آواز میں کہا۔

"اللہ پوچھے ان سردار کے بیٹے سے، خود تو مزے سے آرہے ہیں اور ہمیں صبح سویرے اٹھنا پڑے گا۔" ماہ پارہ نے صرف دل میں سوچا۔ اسے معلوم تھا کہ اس جملے کو زبان پر لانے کی غلطی بھی نہیں کرنی چاہیے۔

******

سورج کی کرنیں ہر طرف روشنی بکھیر رہی تھیں۔ آج کی صبح ماہ پارہ کے لیے کسی عذاب سے کم نہ تھی۔

صبح چھ بجے ماہ پارہ اٹھ جائے، وہ بھی ایک ہی آواز میں؟ ناممکن!

"ماہ پارہ! اٹھ، میں کہتی ہوں، فوراً اٹھ جا!" نور افزا نے اسے جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔

"اماں، بس دس منٹ اور..." وہ نیند میں بڑبڑائی۔

"چل، فوراً اٹھ جا۔ بڑے لوگوں کو انتظار کروانا اچھی بات نہیں ہوتی۔" نور افزا نے اس کا ہاتھ پکڑ کر زبردستی بٹھا دیا۔

NOVEL HUT

"اماں، کیا مصیبت ہے !" اس نے آنکھیں مسلتے ہوئے کہا۔ "میری آنکھیں نہیں کھل رہیں۔" وہ اب بھی آنکھیں بند کیے لیٹی رہی۔

خادم علی کو اس کی بچگانہ حرکتوں پر غصہ آگیا۔ انہوں نے ہاتھ میں پکڑا ہوا پانی کا گلاس اس کے چہرے پر انڈیل دیا۔ پانی زیادہ نہیں تھا، مگر اتنا ضرور تھا کہ اس کا چہرہ بھیگ گیا۔

"اب کھل گئیں آنکھیں؟" انہوں نے سخت لہجے میں پوچھا۔

یہ حملہ غیر متوقع تھا۔ وہ ایک دم ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ اب نہ صرف اس کی آنکھیں پوری طرح کھل چکی تھیں بلکہ دماغ بھی پوری طرح جاگ چکا تھا۔ اس کے چہرے سے صاف لگ رہا تھا کہ وہ کسی بھی لمحے رو دے گی۔ آنکھیں نم ہوتے ہی خادم علی نے ہاتھ اٹھا کر اسے 'نہ' میں اشارہ کر دیا۔

"یہ آنسو بعد کے لیے بچا کر رکھ۔ ابھی جلدی تیار ہو جا !" وہ یہ کہہ کر رکے بغیر باہر نکل گئے۔

"پڑ گئی ٹھنڈک؟ اب جا کر تیار ہو جلدی!" بس ماں کی بات سننے کی کمی تھی۔ ان کے الفاظ سن کر ماہ پارہ کا غصہ اور بڑھ گیا۔ وہ پیر پٹختے ہوئے واش روم کی طرف بڑھ گئی۔

واش روم میں نل کھول کر اس نے چہرے پر پانی کے چھینٹے مارے تاکہ نیند کا خمار اتر جائے۔ وہ جانتی تھی کہ اگر ایسا نہ کیا تو وہ وہیں کھڑی کھڑی دوبارہ سو جائے گی۔

"سردار کا بیٹا نہ ہوا، کوئی شہزادہ ہوگیا!" اس نے بڑبڑاتے ہوئے چہرہ تولیے سے خشک کیا۔

پھر وہ صندوق میں جھک کر اپنے لیے اچھے کپڑے تلاش کرنے لگی۔ دو تین جوڑے نکال کر دیکھنے کے بعد اس نے جھنجھلا کر اپنی ماں کو آواز دی۔ "اماں، مجھے کپڑے نہیں مل رہے!"

"وہیں کہیں ہوں گے، غور سے دیکھ!" نور افزا نے اونچی آواز میں جواب دیا اور پھر مروا کی طرف دیکھا۔ "جا، دیکھ وہ کیا مانگ رہی ہے۔"

"اب کیا مصیبت آگئی؟" مروا نے بیزاری سے ہاتھ کمر پر رکھ کر پوچھا۔

"آپی، کوئی بھی کپڑا پہننے کے قابل نہیں ہے!" ماہ پارہ نے دو جوڑے اٹھا کر دکھائے۔ "دیکھیں، یہ اِدھر سے پھٹا ہوا ہے، اور یہ..."

"یہ تو بالکل ٹھیک ہے!" مروا نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"پہلے میری بات تو سن لیں! میں اسے کئی بار پہن چکی ہوں۔" ماہ پارہ نے وہ کپڑے دوبارہ صندوق میں رکھ دیے۔

"ہیں؟ تمہیں وہاں دیکھ کون رہا ہے؟" مروا نے حیرت سے پوچھا۔

"آپی، انسان خود کے لیے اچھا دکھتا ہے، دوسروں کے لیے نہیں!" وہ جیسے برا مان گئی تھی۔ پھر معصومیت سے بولی۔ "آپی، آپ اپنے کپڑوں میں سے ایک دے دیں ناں؟"

مروا اس کی معصومیت پر ہنس پڑی اور اپنے کپڑوں میں سے ایک جوڑا نکال کر دے دیا۔

"یہ لو، جلدی سے تیار ہو جاؤ! تمہاری وجہ سے پہلے ہی کافی دیر ہو چکی ہے۔"

"ایک تو صبح سویرے جگا دیا، اور اب الٹا مجھ پر ہی غصہ کر رہی ہیں!" وہ بڑبڑاتی ہوئی کپڑے بدلنے چلی گئی۔

******

وہ دونوں ایک بڑی اور شاندار حویلی کے باہر کھڑی تھیں۔ گردن اٹھائے وہ حیرت سے اس عمارت کو دیکھ رہی تھیں۔ ان کی آنکھیں پھیلی ہوئی تھیں اور منہ کھلا کا کھلا رہ گیا تھا۔ اتنا خوبصورت گھر انہوں نے زندگی میں پہلی بار دیکھا تھا۔ وہ ابھی اس حویلی کا بغور جائزہ لے ہی رہی تھیں کہ اچانک ایک رکھوالا ان کے قریب آیا۔

NOVEL HUT

"کیا تم دونوں خادم علی کے گھر سے آئی ہو؟" آدمی نے قدرے رعب دار لہجے میں پوچھا۔

"جی، ہم وہیں سے آئے ہیں۔" مروا نے حویلی سے نظریں ہٹا کر جواب دیا۔

ان دونوں کو اندر جانے کی اجازت مل گئی۔ جیسے ہی وہ حویلی میں داخل ہوئیں، ماہ پارہ نے خود کو ایک نئی دنیا میں محسوس کیا۔ دائیں طرف ایک وسیع و عریض لان تھا، جہاں دو تین مالی مصروفِ عمل تھے۔ بائیں جانب ایک خوبصورت جھولا رکھا تھا، جس میں دو یا تین لوگ آرام سے بیٹھ سکتے تھے۔ ماہ پارہ کا دل بے اختیار چاہا کہ وہ اس جھولے پر جا بیٹھے، مگر فوراً سر جھٹک دیا۔

"ماہ پارہ، تم یہاں کام کے لیے آئی ہو!" اس نے خود کو یاد دلایا۔

وہ دونوں اندرونی حصے کی طرف بڑھنے لگیں۔ سفید سنگِ مرمر کی چمکتی فرش پر قدم رکھتے ہی وہ حویلی کی خوبصورتی میں کھو گئی۔ اس کی نظریں ہر چیز کا طواف کر رہی تھیں۔ بے اختیار اس کے لبوں پر ہاتھ آگیا۔ ایسا شاندار گھر اس نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

اندر داخل ہوتے ہی ایک وسیع و عریض لاؤنج نظر آیا، جہاں انتہائی نفیس اور آرام دہ صوفے رکھے تھے۔ صوفوں کے درمیان ایک گول میز تھی، جس پر ہر طرح کے لوازمات سجے ہوئے تھے۔ دائیں طرف جدید طرز کا کچن تھا، اور

NOVEL HUT

سامنے سیڑھیاں اوپر جا رہی تھیں۔ لاؤنج کے وسط میں ایک بہت بڑا اور خوبصورت فانوس نصب تھا، جو اس کی خوبصورتی میں چار چاند لگا رہا تھا۔

ماہ پارہ نے ارد گرد نظر دوڑائی تو اندازہ ہوا کہ یہاں تین چار نہیں بلکہ کئی کمرے تھے۔ مختلف جگہوں پر قیمتی اور نفیس گلدان رکھے ہوئے تھے۔ اچانک اس نے اوپر نظر ڈالی، تو دیکھا کہ ایک لڑکا، جو اس کی عمر کا لگ رہا تھا، شرارتی مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھ رہا تھا۔ ماہ پارہ فوراً نظریں جھکا کر آگے بڑھ گئی۔

اسی لمحے امینہ ایک ملازم کو کچھ سامان لانے کا کہہ رہی تھیں۔ ان پر نظر پڑتے ہی وہ ان کی جانب بڑھیں اور مسکرا کر بولیں۔ "مجھے معلوم تھا کہ تم دونوں ضرور آؤ گی!"

ماہ پارہ نے انہیں سر تا پیر دیکھا۔ اس کا منہ تو پہلے ہی حیرت سے کھلا تھا، مگر اب بالکل بند ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ امینہ مہنگے کپڑوں اور قیمتی زیورات

میں ملبوس تھیں۔ ان کی شخصیت میں ایک خاص رعب اور وقار تھا، مگر ساتھ ہی ایک شفقت بھری مسکراہٹ بھی تھی۔

"نور افزا کی بیٹیاں ہیں، فرمانبردار تو ہوں گی!" اینہ نے پیار بھرے لہجے میں کہا۔

"السلام علیکم!" مروا نے مؤدب انداز میں سلام کیا۔ اس کی آواز پر ماہ پارہ بھی چونکی اور جلدی سے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام! آؤ، میں تم دونوں کو کام سمجھا دوں۔ اگر کسی چیز کی ضرورت ہو یا بھوک لگے تو مجھے ضرور بتانا۔ تم دونوں نے صبح سویرے آنے کی زحمت کی، یہ میرے لیے بہت بڑی بات ہے۔" وہ ان کے ساتھ قدم بہ قدم چل رہی تھیں۔

دونوں بہنیں حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں۔ ان کے لیے یہ بہت عجیب بات تھی کہ اتنی بڑی حویلی کی مالکن ان سے اتنی محبت اور احترام سے پیش آ رہی تھیں۔

NOVEL HUT

اینہ نے انہیں کام سمجھایا اور خود دوسرے کاموں میں مصروف ہو گئیں۔ ماہ پارہ کو کچن کا کوئی خاص کام نہیں آتا تھا، اس لیے اسے صفائی کی ذمہ داری دی گئی جبکہ مروا کو کھانے پکانے کی نگرانی سونپی گئی۔

ماہ پارہ اس وقت سردار کے پوتے کے کمرے میں تھی۔ کمرہ زیادہ گندا نہیں تھا کیونکہ وہ صفائی پسند تھا، اس لیے اسے روزانہ کے بجائے ہر دوسرے دن صاف کیا جاتا تھا۔ بس معمولی سی صفائی درکار تھی۔

وہ منہ کھولے کمرے کو حیرت سے دیکھ رہی تھی۔ یہ کمرہ جتنا بڑا تھا، اتنا ہی شاندار بھی تھا۔ حویلی کی خوبصورتی اپنی جگہ، مگر یہ کمرہ تو کسی اور ہی دنیا کا لگ رہا تھا۔ وسط میں دیوار کے ساتھ ایک بڑا سا بیڈ تھا، جس کے دونوں طرف سلیقے سے میزیں رکھی تھیں۔ سامنے کی دیوار کے ساتھ دو سنگل صوفے رکھے تھے، جن کے بیچ میں ایک چھوٹی میز بھی تھی۔ اسی دیوار کے ساتھ الماری جڑی ہوئی تھی۔ بیڈ کے دائیں جانب ایک مطالعہ خانہ تھا، جو ایک دروازے کے ذریعے اس کمرے سے متصل تھا۔

NOVEL HUT

ماہ پارہ صفائی کے کپڑے سے میز صاف کر رہی تھی۔ اس کی پشت دروازے کی طرف تھی، اس لیے وہ یہ نہ دیکھ سکی کہ سیف دبے پاؤں کمرے میں داخل ہو چکا تھا۔ وہ کچھ دیر خاموشی سے اسے دیکھتا رہا، پھر شرارت سوجھی تو بیڈ کے قریب رکھی میز سے ایک قیمتی مگر چھوٹا گلدان اٹھایا اور دروازے کی طرف بڑھا۔

اگلے ہی لمحے، کمرے میں گلدان کے فرش پر گرنے اور ٹوٹنے کی آواز گونجی۔ ماہ پارہ کرنٹ کھا کر پیچھے مڑی، تو دروازے کے قریب بکھرے کانچ کے ٹکڑے دیکھ کر اس کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیل گئیں۔ نور افزا اور خادم علی کا خوف اس کے دل میں سرایت کر گیا۔ اگر انہوں نے اس گلدان کے پیسے مانگ لیے تو؟ وہ جانتی تھی کہ یہ گلدان بہت قیمتی ہوگا، اور اگر وہ دونوں بہنیں مہینوں بھی یہاں کام کریں، تب بھی اس کی قیمت ادا کرنا مشکل ہوگا۔

اس نے گھبرا کر ایک قدم آگے بڑھایا اور ٹوٹے ہوئے گلدان کے پاس جا کر بیٹھ گئی۔

"میں اسے صاف کر کے کوڑے دان میں پھینک دوں گی، کسی کو پتہ نہیں چلے گا..." اس نے دل میں سوچا۔ وہ کانچ کے ٹکڑوں کو بہت احتیاط سے سمیٹنے لگی۔ "ویسے بھی میں نے اسے توڑا نہیں..." اس کی آنکھوں میں نمی اتر آئی تھی۔

عین اسی لمحے، سیف اینہ کا ہاتھ پکڑ کر کمرے میں لے آیا۔

"ممی، یہ دیکھیں!" وہ بڑے ڈرامائی انداز میں بولا۔ "اس لڑکی نے بھائی کے کمرے کا گلدان توڑ دیا۔ یہ وہی گلدان ہے جو بھائی کو بہت پسند تھا!"

ماہ پارہ فوراً کھڑی ہو گئی۔ "قسم سے، میں نے نہیں توڑا!" وہ گھبرا کر بولی، مگر اس کے لفظ اٹک رہے تھے۔ "یہ تو... وہ میں..."

"دیکھیں نا ممی، یہ اٹک بھی رہی ہے! میں نے خود دیکھا، اسی نے گلدان توڑا ہے!" سیف نے جھوٹے اعتماد کے ساتھ کہا، جیسے سچ مچ کا گواہ ہو۔

اینہ نے ایک نظر گلدان کے ٹکڑوں پر ڈالی، پھر سیف کی طرف دیکھا اور سخت لہجے میں بولیں۔ "سیف!" سیف خاموش ہو گیا۔ "کچھ نہیں ہوتا، غلطی

سے ٹوٹ گیا ہوگا، صفائی میں ایسا ہو جاتا ہے۔" انہوں نے بے پروائی سے کہا اور واپس مڑنے لگیں۔

"لیکن میں نے واقعی نہیں توڑا..." ماہ پارہ کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو چکی تھیں۔ "میں تو بس صفائی کر رہی تھی، اچانک کچھ گرنے کی آواز آئی، میں نے دیکھا کہ وہاں کوئی نہیں تھا اور..."

"کیا میں نے تم سے کچھ کہا؟ پھر جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے؟" اینہ کا لہجہ سخت ہو گیا۔ "اور سیف، آئندہ ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں کے لیے مجھے پریشان مت کرنا۔ میرے پاس فضول چیزوں پر وقت ضائع کرنے کا وقت نہیں ہے!"

ماہ پارہ کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ چند لمحے پہلے جو اینہ نرم اور شفیق لگ رہی تھیں، اب ان کا لہجہ بالکل بدلا ہوا تھا۔ وہ وہاں سے جا چکی تھیں، مگر سیف وہیں کھڑا شرارتی مسکراہٹ کے ساتھ ماہ پارہ کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے ابرو اٹھا کر جیسے کہا ہو... 'کیسا لگا؟'

NOVEL HUT

ماہ پارہ نے بے بسی سے آنسو پونچھے اور اس کی طرف دیکھا۔ "تم نے یہ کیا ہے، ہے نا؟"

سیف نے بے نیازی سے کندھے اُچکائے۔ "ہاں تو؟"

"تم بہت برے ہو، جھوٹے ہو اور..."

"اور بہت پیارا بھی!" سیف نے اس کی بات کاٹ کر شرارت سے کہا۔

ماہ پارہ کو مزید رونا آنے لگا۔

سیف سینے پر ہاتھ باندھ کر بولا۔ "کیا تم لڑکیاں ہر وقت روتی ہی رہتی ہو؟ تمہارے پاس کوئی اور کام نہیں؟"

ماہ پارہ نے ندامت سے سر جھکا لیا۔ آنسو تواتر سے اس کی پلکوں سے ٹپک رہے تھے، مگر وہ خاموشی سے پلٹی اور اپنے کام میں لگ گئی۔

* * * * * *

نیلے آسمان کو سیاہ رات اپنی لپیٹ میں لے رہی تھی۔ پوری حویلی روشنی میں نہائی ہوئی تھی۔ ہر طرف جگمگاتے قمقمے ماحول کو ایک پُراسرار سی خوبصورتی بخش رہے تھے۔

گھر کے تمام افراد اس وقت لاؤنج میں موجود تھے۔ ہر کوئی بے صبری سے جہانگیر کا انتظار کر رہا تھا، مگر سب سے زیادہ امان اللہ بے قرار نظر آ رہے تھے۔ ان کی آنکھیں بار بار دروازے کی طرف اٹھتیں، جیسے کسی لمحے جہانگیر اندر داخل ہوگا۔

جہانگیر کی پھوپھو کی بیٹی بھی وہیں تھی، اور وہ بھی بے تابی سے اس کا انتظار کر رہی تھی۔ تین سال قبل اس کی ماں کا انتقال ہو چکا تھا۔ اس کے ڈیڈ نے دوسری شادی نہیں کی، بلکہ اپنی پوری توجہ اپنی اکلوتی بیٹی پر مرکوز رکھی تھی۔

ماہ پارہ اور مروا کا کام مکمل ہو چکا تھا۔ اینہ نے انہیں رکنے کو کہا، مگر انہیں مزید وہاں رکنے کی اجازت نہیں تھی، اس لیے وہ دونوں گھر کی طرف روانہ ہو گئیں۔

رات کا سناٹا گلیوں میں پھیل چکا تھا۔ مروا کو اچانک ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی ان کا پیچھا کر رہا ہو۔ اس نے بے چینی سے پیچھے مڑ کر دیکھا، مگر وہاں کوئی نہیں تھا۔

"کیا ہوا؟" ماہ پارہ نے حیرت سے پوچھا۔

"کچھ نہیں..." مروا نے نرمی سے کہا، مگر اس کے دل میں عجیب سی بے چینی تھی۔

وہ دونوں دھیرے دھیرے چلتی جا رہی تھیں، مگر مروا کو بار بار ایسا لگتا جیسے کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دے رہی ہو۔

"ماہ پارہ، ہمیں جلدی چلنا چاہیے۔" مروا نے دبے لہجے میں کہا۔

ماہ پارہ نے اس کی بات سنی، مگر کچھ کہنے سے پہلے ہی اچانک سامنے سے تین سائے نمودار ہوئے۔ دونوں کے قدم وہیں رک گئے۔ پیچھے مڑ کر دیکھا، تو وہاں بھی دو سائے مزید آ چکے تھے۔

"دو اتنی حسین لڑکیاں اکیلی کہاں جا رہی ہیں؟" ان میں سے ایک بگڑے ہوئے لہجے میں بولا۔

مروا فوراً ماہ پارہ کے آگے ہو گئی۔ اس کے قدم خود بخود پیچھے ہٹے۔

"دور.... دور رہو ہم سے!" مروا کی آواز خوف سے لرز رہی تھی۔

"ارے، کون کمبخت دور رہے گا؟ موقع بھی ہے، دستور بھی ہے، اور قسمت بھی ہمارے ساتھ ہے!" دوسرے لڑکے نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

"دیکھو، ہمیں جانے دو..." مروا نے ہمت کرتے ہوئے کہا۔ "ہم کسی سے کچھ نہیں کہیں گے، بس ہمیں جانے دو!"

"تم چاہے بتاؤ یا نہ بتاؤ، ہمیں اس کی کوئی پروا نہیں!" تیسرے نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

ان میں سے ایک لڑکا ماہ پارہ کی طرف بڑھا۔

"آپی..." ماہ پارہ کی گھٹی گھٹی آواز نکلی، اس کے دل کی دھڑکن جیسے حلق میں آ گئی تھی۔

"یہاں تم لوگوں کو بچانے والا کوئی نہیں ہے!"

ابھی اس کا جملہ پورا بھی نہ ہوا تھا کہ اچانک ایک جیپ پوری رفتار سے بریک لگاتے ہوئے رکی۔ ٹائروں کی آواز گلی کے سنّاٹے کو چیر گئی۔

تینوں غنڈوں نے چونک کر پیچھے دیکھا۔ جیپ کی ہیڈلائٹس کی تیز روشنی سیدھی ان کی آنکھوں پر پڑ رہی تھی۔

"یہاں کیا ہو رہا ہے؟" بھاری، رعب دار آواز نے گلی کے سکوت کو چیر ڈالا۔

مروانے کپکپاتے ہوئے جواب دیا۔ "یہ...یہ لڑکے ہمارا پیچھا کر رہے تھے!"

قدآور شخص جیپ سے چھلانگ لگا کر نیچے اترا۔ اس کی گہری، سخت نظریں لڑکوں پر جمی تھیں، اور اس کی آنکھوں میں خطرناک سرخی اتر چکی تھی۔

NOVEL HUT

"کیا اس گاؤں میں اب بھی یہ سب ہوتا ہے؟" اس کے لہجے میں ضبط شدہ غصہ تھا۔

"تم کون ہوتے ہو سوال کرنے والے؟" ایک لڑکا اکڑ کر بولا۔ "یہ ہمارا گاؤں ہے، جو چاہیں کریں گے! تمہیں کیا مسئلہ ہے؟"

"مسئلہ بتاتا ہوں تمہیں..." وہ دانت پیستے ہوئے آگے بڑھا اور ایک جھٹکے سے اس لڑکے کا کالر پکڑ لیا۔

اگلے لمحے، ایک زوردار گھونسا اس کی جبڑے پر پڑا۔ لڑکا درد سے کراہ کر پیچھے ہٹا، مگر تب تک دوسرا گھونسا آ چکا تھا۔ دوسرے دو لڑکوں نے مداخلت کی کوشش کی، مگر جیپ میں بیٹھے اس شخص کے آدمیوں نے انہیں قابو میں کر لیا۔

ماہ پارہ اور مروا خوف سے کانپ رہی تھیں۔ یہ سب کچھ وہ پہلی بار دیکھ رہی تھیں۔

اس شخص کی آنکھوں میں وحشت تھی، اور اس کا غصہ کسی طوفان سے کم نہیں تھا۔ وہ لڑکے کو گریبان سے پکڑ کر دیوار سے جا ٹکرایا۔

"تم جیسے لوگوں کی وجہ سے آج بھی آزاد ملک میں لڑکیاں خود کو محفوظ محسوس نہیں کر سکتیں!" اس کی آواز غم، غصے، اور بے بسی سے لرز رہی تھی۔ وہ لڑکے کو مکے برساتا رہا، جب تک کہ اس کا چہرہ لہولہان نہ ہو گیا۔

وہ لڑکے کو گریبان سے پکڑ کر پوری قوت سے اٹھا کر دیوار سے دے مارا، اس کا سر بری طرح دیوار سے ٹکرا گیا۔ وہ مسلسل انہیں مارتا رہا، مگر اس کا غصہ پھر بھی کم نہ ہوا۔ آخر کار، جب وہ تھک گیا تو تیز سانسیں لیتے ہوئے اس نے لڑکے کے بال پکڑ کر اس کی ناک پر ایک زوردار مکا رسید کیا۔

یہ صرف ان کے ناپاک ارادے کی سزا تھی، اگر وہ حقیقت میں کوئی غلط حرکت کر بیٹھتے، تو وہ شخص نہ جانے ان کے ساتھ کیا کرتا!

"ہمیں... ہمیں جانے دو... توبہ ہے جو کبھی... کسی عورت کی طرف نظر بھی اٹھا کر دیکھا!"

"اگر پہلے یہ سوچ لیا ہوتا، تو یہ نوبت نہ آتی!" اس نے مٹھیاں بھینچ لیں۔ اس کا غصہ اندر ہی اندر بھڑکتی آگ کی مانند دہک رہا تھا۔ "آئندہ اگر تم لوگوں کو

کسی بھی عورت کے آس پاس بھی دیکھا، تو انجام اس سے بھی برا ہوگا، سمجھے؟" وہ زور سے دھاڑا۔ "ہمارا ملک آزاد ہے، مگر عورتیں آج بھی غیر محفوظ ہیں، تو یہ کیسی آزادی ہے؟" اس کی آواز بلند تھی اور ماتھے کی رگیں تن گئی تھیں۔ ایک آخری زوردار لات مار کر وہ پیچھے ہٹ گیا۔

پانچوں لڑکے فوراً وہاں سے بھاگ نکلے۔ انہیں یہی بہتر لگا، حالانکہ ان کے جسم کا ہر حصہ تکلیف میں تھا۔

وہ شخص اب ان دونوں لڑکیوں کے قریب آیا، جو خوف زدہ ہو کر ایک دوسرے سے چمٹی کھڑی تھیں۔

"آئیے، میں آپ دونوں کو گھر چھوڑ دوں۔" اس نے نہایت نرمی سے کہا۔

"آپ....؟" مروا نے ہچکچاتے ہوئے پوچھا۔

"میں؟" وہ ذرا سا مسکرایا اور ایک سرسری نگاہ ان پر ڈالی۔ "میں جہانگیر داؤد علوی ہوں۔" یہ کہتے ہوئے اس نے کلائی پر بندھی گھڑی پر وقت دیکھا۔

وہ سیاہ جینز اور سفید شرٹ میں ملبوس تھا۔ اس کی شرٹ کی آستینیں کہنی تک چڑھی ہوئی تھیں۔ دراز قد، کسرتی بازو، صاف رنگت، اور ماتھے پر بکھرے گھنے بھورے بال... وہ اس لمحے کسی ریاست کے شہزادے سے کم نہیں لگ رہا تھا۔ اگر ماہ پارہ ہوش میں ہوتی تو شاید اسے واقعی کوئی شہزادہ سمجھ بیٹھتی، مگر وہ خوفزدہ چہرے کے ساتھ مروا کے پیچھے چھپی ہوئی تھی۔

"آپ وہی سردار کے پوتے ہیں، جو..."

"جی، میں وہی ہوں۔" جہانگیر نے مروا کے سوال کو سمجھتے ہی اس کی بات کاٹ دی۔

"ہمیں معاف کر دیں، ہماری وجہ سے آپ کا دن خراب ہوگیا۔" مروا شرمندہ سی نظر آئی۔

"بالکل نہیں، تم لوگوں کی وجہ سے کچھ نہیں ہوا۔ اگر میرا دن خراب ہوا ہے تو ان..." وہ کچھ غلط کہنے ہی والا تھا مگر رک گیا۔ "خیر، یہ سب چھوڑو۔ میں یہاں سے اس وقت تک نہیں جاؤں گا جب تک تم دونوں کو صحیح سلامت

گھر نہ پہنچا دوں، اور نہ ہی تمہیں اکیلے جانے دوں گا۔" اس کا لہجہ جو پہلے نرم تھا، اب دوبارہ سختی اختیار کر چکا تھا۔

دونوں کی خاموشی دیکھ کر وہ دوبارہ گویا ہوا۔ "تمہارا گھر کہاں ہے؟"

مروا نے ہچکچاتے ہوئے جواب دیا۔ "مجھے راستوں کا ٹھیک سے علم نہیں، لیکن ہم خادم علی کے گھر سے ہیں۔"

"کیا تم لوگ خادم علی کو جانتے ہو؟" جہانگیر نے اپنے آدمیوں سے پوچھا۔

ایک آدمی نے اثبات میں سر ہلایا تو جہانگیر نے انہیں جیپ میں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"چلو، بہت دیر ہو گئی، ابا ناراض ہو جائیں گے۔" مروا نے ماہ پارہ کا بازو تھام کر اسے جیپ میں بیٹھنے کا کہا۔

ماہ پارہ نے خاموشی سے سر ہلایا اور جیپ میں بیٹھ گئی۔ جہانگیر کی جیپ میں موجود دو آدمی دوسری جیپ میں جا کر بیٹھ گئے۔ اس نے گہری سانس لی اور

ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔ آگے گارڈز کی جیپ جا رہی تھی، اور اس کی جیپ اس کے پیچھے تھی۔

راستہ خاموشی سے کٹ رہا تھا۔ ماہ پارہ نے مروا کے کندھے پر سر رکھ کر آنکھیں بند کرلی تھیں، جبکہ مروا کے ذہن میں یہی سوچ گردش کر رہی تھی کہ گھر پہنچ کر کیا کہے گی، اتنی دیر تک باہر رہنے کا کیا بہانہ بنائے گی۔ دوسری طرف، جہانگیر نے اسٹیئرنگ وہیل کو مضبوطی سے تھام رکھا تھا۔ اسے بھی احساس تھا کہ اس کے گھر میں سب اس کا انتظار کر رہے ہوں گے، اور وہ خود بھی جلد از جلد گھر پہنچنا چاہتا تھا۔

"رات کے اس وقت تم دونوں باہر کیا کر رہی تھیں؟" اچانک جہانگیر کی گہری آواز گونجی۔

ماہ پارہ جیسے کرنٹ کھا کر سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ سوال سمجھ کر وہ بولنے ہی والی تھی کہ مروا نے اس کا ہاتھ مضبوطی سے تھام کر سخت نظروں سے اسے خاموش رہنے کا اشارہ دیا۔

"ہم ایک ضروری کام سے نکلے تھے۔ واپسی پر شام ہو گئی، پھر راستہ بھٹک گئے۔" مروا نے جلدی سے جواب دیا۔

ماہ پارہ نے بے اختیار اس کی طرف دیکھا، جیسے کہنا چاہتی ہو کہ سچ ہی کہہ دو، مگر اس کا ہاتھ بدستور مروا کی گرفت میں تھا۔ مروا نہیں چاہتی تھی کہ سچ بول کر مزید کوئی مسئلہ کھڑا ہو۔

"اور تم دونوں کو لینے گھر سے کوئی نہیں آیا؟" جہانگیر نے مزید پوچھا۔

"ہمیں.... " ماہ پارہ پھر کچھ کہنے ہی والی تھی کہ مروا نے تیزی سے جواب دیا۔

"نہیں... میرا مطلب ہے، انہیں معلوم ہی نہیں تھا کہ ہم کہاں ہیں۔"

مروا دل ہی دل میں سوچنے لگی کہ اتنے جھوٹ بولنے سے بہتر تھا کہ سچ بتا دیتی، مگر اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ نہ جانے جہانگیر اور کتنے سوال کرے گا۔

جہانگیر نے سر ہلایا اور دوبارہ خاموشی چھا گئی۔ مروا نے سکون کا سانس لیا، مگر اگلے ہی لمحے ایک نئی پریشانی نے اسے گھیر لیا۔ اگر جہانگیر نے ان کے ابا

سے بات کرنے کی ضد کی یا گھر میں اس واقعے کا ذکر چھیڑ دیا، تو وہ دونوں مشکل میں پڑ جائیں گی۔ جیسے جیسے گاڑی گھر کے قریب پہنچ رہی تھی، مروا کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ چاہ کر بھی جہانگیر کو روک نہیں سکتی تھی۔

جہانگیر نے گھر کے قریب آ کر گاڑی روکی اور ان دونوں کو دیکھ کر نیچے اترنے کا اشارہ کیا۔ وہ دونوں خاموشی سے اتر گئیں۔ لیکن جیسے ہی وہ نیچے اتریں، جہانگیر نے بغیر کسی توقف کے گاڑی پوری رفتار سے آگے بڑھا دی۔

مروا نے حیرت سے اسے جاتے دیکھا۔ وہ یوں غائب ہو گیا جیسے کبھی آیا ہی نہ ہو، جیسے یہ سب کوئی خواب تھا۔ سب سے حیران کن بات یہ تھی کہ اس نے یہ دیکھنے کا انتظار بھی نہیں کیا کہ وہ دونوں گھر کے اندر داخل ہوئیں یا نہیں۔

"آپی!" ماہ پارہ نے غصے سے پکارا۔ "اب ہم گھر کے اندر چلیں؟" اس کا لہجہ سخت تھا، شاید وہ تھکن سے چُور تھی یا پھر غصے میں تھی۔

"ہاں، تو میری شکل کیا دیکھ رہی ہو، چلو اندر۔ اور خبردار، اگر ابا کو کچھ بھی بتایا تو!" مروا نے انگلی اٹھا کر تنبیہ کی۔

"کچھ بھی نہیں، مطلب کچھ بھی نہیں ! اور بس یہی کہنا کہ ان کے روکنے کے اصرار پر ہمیں دیر ہو گئی۔"

"میں کچھ نہیں کہوں گی۔ آپ جھوٹ بولیں، آپ جانیں۔ اگر بعد میں انہیں پتہ چل گیا تو؟" ماہ پارہ نے ہاتھ اٹھا کر صاف انکار کر دیا۔

مروا نے اسے گھورا اور پھر کندھے سے دھکیلتے ہوئے گھر کے اندر داخل ہو گئی۔ ماہ پارہ نے پیر پٹختے ہوئے اس کا ساتھ دیا۔

گھر کے اندر خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ خادم علی اور نور افزا گہری نیند سو رہے تھے، مگر کرامت جاگ رہا تھا۔ وہ صحن میں چارپائی پر بیٹھا، گھٹنوں پر کہنیاں جمائے اور ہتھیلیاں باہم پھنسائے، گہری سوچ میں گم تھا۔ اس کے چہرے سے صاف جھلک رہا تھا کہ وہ پریشان تھا۔ گاؤں میں لڑکیوں کا اتنی دیر گھر سے باہر رہنا اچھا نہیں سمجھا جاتا تھا، اور کرامت یہ بات اچھی طرح جانتا تھا۔

خادم علی سو گئے تھے کیونکہ کرامت نے انہیں یقین دلایا تھا کہ وہ خود جا کر لڑکیوں کو لے آئے گا۔ وہ گیا بھی تھا، لیکن وہاں پہنچنے پر معلوم ہوا کہ وہ دونوں تو حویلی سے جا چکی ہیں۔

جیسے ہی اس نے ماہ پارہ اور مروا کو گھر میں داخل ہوتے دیکھا، وہ فوراً کھڑا ہو گیا اور فکر مندی سے پوچھا۔ "کہاں رہ گئی تھیں تم دونوں؟"

"بھائی، انھوں نے ہمیں روک لیا تھا، کہا کہ بعد میں چلی جانا، تو ہم رک گئے۔" مروا نے جلدی سے وضاحت دی۔

"اور واپس کیسے آئیں؟ میں تم لوگوں کو لینے گیا تھا، لیکن وہاں کے لوگوں نے کہا کہ تم دونوں وہاں نہیں ہو۔" کرامت کی آواز میں حیرت اور نرمی کا امتزاج تھا۔

"انہوں نے ہمیں گارڈز کے ساتھ بھیجا تھا، لیکن راستے میں جیپ خراب ہو گئی، جس کی وجہ سے دیر ہو گئی۔" مروا نے نرمی سے جواب دیا۔

کرامت نے اثبات میں سر ہلایا، گویا بات اس کی سمجھ میں آگئی ہو۔ پھر بولا۔ "کافی رات ہو چکی ہے، اب تم دونوں سونے جاؤ۔ ابا صبح سویرے جگا دیں گے۔"

"جی بھائی، واقعی بہت دیر ہو گئی ہے، اب ہمیں سونا چاہیے۔" ماہ پارہ نے جمائی لیتے ہوئے کہا تو مروا اور کرامت دونوں ہنس پڑے۔

******

جہانگیر داؤد علوی کی جیپ ایک عالیشان حویلی کے قریب آکر رکی۔ گیٹ پر کھڑے گارڈز نے مستعدی سے دروازہ کھولا، اور وہ تیزی سے گاڑی اندر لے آیا۔ گیٹ اس کے داخل ہوتے ہی فوراً بند کر دیا گیا۔

اس نے ایک گہری سانس لی اور حویلی کی طرف دیکھا۔ ایک لمحے کے لیے ماضی کا کوئی منظر اس کی آنکھوں کے سامنے آیا، مگر اس نے فوراً سر جھٹک کر خود کو حال میں واپس کھینچ لیا۔ وہ تھکا ہوا لگ رہا تھا۔ جیپ سے اتر کر وہ دل ہی دل میں دعا کر رہا تھا کہ گھر میں کوئی مہمان نہ ہو۔ جیسے ہی اس نے گاڑی کی

NOVEL HUT

چابی اپنے آدمیوں کی طرف اچھالی، وہ اندر جانے کے لیے گیٹ پر پہنچا ہی تھا کہ اچانک ایک چھوٹی سی بچی اس سے آکر لپٹ گئی۔

جہانگیر ایک پل کے لیے حیران رہ گیا۔ لیکن اگلے ہی لمحے، وہ سمجھ گیا کہ یہ کون ہو سکتی ہے۔ اس نے نرمی سے اسے خود سے الگ کیا اور گھٹنوں کے بل بیٹھ کر اس کا معصوم چہرہ اپنے قریب کیا۔

"تم نے مجھے کیسے پہچانا؟" وہ اس کے نرم گالوں کو کھینچتے ہوئے مسکرایا۔

"آپ جہانگیر بھائی ہیں نا؟" بچی کی چمکتی آنکھوں میں معصومیت تھی۔

جہانگیر نے شوخی سے سر ہلایا۔ "نہیں، میں جہانگیر کا دوست ہوں اور تمہیں یہ بتانے آیا ہوں کہ جہانگیر نہیں آرہا۔"

بس یہ کہنا تھا کہ بچی کے چہرے پر مایوسی چھا گئی۔ اس کی بڑی بڑی آنکھیں نم ہوئیں، اور اگلے ہی لمحے وہ زور زور سے رونے لگی۔

NOVEL HUT

جہانگیر بوکھلا گیا۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ وہ اس طرح رو دے گی۔ کچھ دیر پہلے کی گئی شرارت اب اسے بری لگ رہی تھی۔ اس نے اس کے ساتھ مذاق کیوں کیا؟ اسے اپنے آپ پر غصہ آنے لگا۔

"رنزہ، رنزہ! دیکھو میری طرف، میں ہی ہوں جہانگیر! میں تو بس مذاق کر رہا تھا!" وہ جلدی سے اس کے آنسو پونچھنے لگا۔

رنزہ نے ناراضگی سے اس کا ہاتھ جھٹک دیا اور خود ہی اپنے آنسو پونچھنے لگی۔ "آپ جھوٹ بول رہے ہیں نا، بس مجھے چپ کرانے کے لیے؟"

"ہرگز نہیں! میں واقعی تمہیں تنگ کر رہا تھا۔" اب کے بار جہانگیر کے چہرے پر دوبارہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

NOVEL HUT

رنزہ نے اسے غور سے دیکھا۔ "اچھا تو پھر میرے ساتھ اندر چلیں، میں دیکھتی ہوں اگر دادا نے آپ کو پہچان لیا تو اس کا مطلب ہے کہ آپ جہانگیر بھائی ہیں، ورنہ مجھے آپ پر بالکل بھروسہ نہیں!"

جہانگیر نے بے ساختہ قہقہہ لگایا۔ وہ کہہ رہی تھی کہ اگر دادا نے اسے پہچان لیا تو کیا ہوگا؟ دادو اسے کبھی نہیں بھول سکتے، چاہے وہ کبھی لوٹ کر نہ بھی آتا۔

رنزہ اب اس کا ہاتھ تھامے اسے باقی سب سے ملوانے لے جا رہی تھی۔ جیسے ہی وہ حویلی کے اندر داخل ہوا، سب سے پہلے امان اللہ کی نظر اس پر پڑی۔ ان کے دل میں سکون کی ایک لہر دوڑ گئی۔

ان کی آنکھوں میں خوشی کی چمک تھی۔ "میرا پوتا، میرا شہزادہ، میرے جگر کا ٹکڑا!" وہ بانہیں پھیلاتے ہوئے اس کی طرف بڑھے، اور جہانگیر سر جھکائے مسکرا دیا۔

NOVEL HUT

اینہ کی آنکھیں بھیگ چکی تھیں، مگر وہ مسکراتے ہوئے دیکھ رہی تھیں۔ اتنے سالوں کی جدائی کے بعد، آج وہ اسے اپنی نظروں کے سامنے دیکھ رہی تھیں۔ انہوں نے دل میں فیصلہ کر لیا کہ اب کچھ بھی ہو جائے، وہ جہانگیر کو دوبارہ جانے نہیں دیں گی۔

امان اللہ نے اسے زور سے گلے لگایا اور دیر تک یونہی لپٹائے رکھا۔

"السلام علیکم، دادا جان! کیسے ہیں آپ؟" جہانگیر بمشکل ان سے الگ ہو کر بولا۔

"وعلیکم السلام، میرا شہزادہ!" امان اللہ نے اس کے چہرے پر ہاتھ پھیرا۔

"میری چھوڑو، تم اپنی سناؤ۔ یہ کیا حال بنا رکھا ہے اپنا؟ اتنے کمزور ہو گئے ہو، چہرہ دیکھو، بالکل مرجھایا ہوا لگ رہا ہے! اور یہ کیا، وہاں کوئی ورزش نہیں کرتے تھے؟"

جہانگیر ہنس دیا۔ وہ کہیں سے بھی کمزور نہیں لگ رہا تھا، مگر دادا کی نظروں میں شاید وہ اب بھی وہی دبلا پتلا معصوم بچہ تھا، جو برسوں پہلے اس حویلی سے رخصت ہوا تھا۔ پہلے اور اب کے جہانگیر میں بہت فرق آچکا تھا۔ اس کی کھانے پینے کی عادات، بولنے کا انداز، لباس، اور یہاں تک کہ رہن سہن کے آداب بھی بدل چکے تھے۔

"اب آگیا ہے نا، تو ہم اسے پھر وہی پرانا جہانگیر بنا دیں گے۔" اینہ نے مسکراتے ہوئے اس کے گال پر نرمی سے ہاتھ رکھا۔

جہانگیر نے انہیں سلام کیا اور ان سے گلے ملنے کے بعد باری باری سب گھر والوں سے ملا۔ رنزا، جو اب مکمل یقین کر چکی تھی کہ یہ واقعی اس کا جہانگیر بھائی ہے، دوبارہ اس کے پاس چلی آئی، جس پر سب مسکرا دیے۔

اب مہمان جا چکے تھے، اور جہانگیر کو اس بات کی بے حد خوشی تھی کہ حویلی میں اب کوئی اجنبی موجود نہیں۔ اسے ہمیشہ مہمانوں کے ساتھ بیٹھنا ناپسند تھا۔ وہ رسمی گفتگو، فضول سوالات اور زبردستی کی مہمان نوازی سے ہمیشہ بچنے کی کوشش کرتا۔ خاص طور پر، گاؤں کے ان لوگوں کی باریکی سے جانچتی نظریں اور ان کی روایتی سوچ اسے کبھی بھی پسند نہیں آئی تھی۔ یہی لوگ تھے جن کی وجہ سے وہ برسوں پہلے اپنے خاندان سے دور ہو گیا تھا۔ اب اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ اپنے معاملات میں ہی رہے گا، کسی کی باتوں میں نہیں آئے گا، کیونکہ گاؤں والے کبھی نہیں بدلیں گے۔

جہانگیر صوفے پر سیف اور رنزا کے درمیان بیٹھا تھا، اور حسن، جو عمر میں اس سے چار پانچ سال چھوٹا تھا، رنزا کے پاس بیٹھا تھا۔

جہانگیر آج برسوں بعد سچ میں خوش تھا۔ اپنے گھر، اپنے پیاروں کو یوں اکٹھا دیکھ کر اس کے دل میں سکون اتر آیا تھا۔ وہ ایک لمحے کے لیے سب کچھ بھول گیا، وہ سالوں کی جدائی، وہ تلخ یادیں، وہ دکھ جو اسے یہاں سے دور لے گئے تھے۔ مگر خوشی کے اس ہجوم میں اچانک اس کا دھیان ایک کمی کی طرف گیا۔ اس کا باپ وہاں موجود نہیں تھا۔

ایک پل کے لیے اس کا دل بجھ سا گیا، مگر وہ اپنے جذبات کو ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔

امینہ نے اس کے چہرے پر مایوسی محسوس کر لی، اس لیے نرمی سے کہا۔

"تمہارے بابا کسی ضروری کام سے شہر گئے ہوئے ہیں۔"

جہانگیر کے چہرے پر ہلکی سی تلخی ابھری۔ "کیا انہیں معلوم نہیں تھا کہ میں آج آ رہا ہوں؟" اس کے لہجے میں شکوہ تھا، شاید نادانستہ، مگر تھا ضرور۔

"جہانگیر، پرانی باتیں بھول جاؤ۔ تمہارے بابا کو واقعی بہت ضروری کام تھا، میں نے ہی انہیں بھیجا تھا۔ وہ کل صبح تک آجائیں گے۔" امان اللہ نے فوراً بات سنبھالی۔

یہ ایک جھوٹ تھا، لیکن وہ جانتے تھے کہ یہ جھوٹ اس لمحے جہانگیر کے دل کو سکون دے سکتا ہے، اس لیے کہہ دیا۔ جہانگیر نے آہستہ سے سر ہلایا، جیسے جان بوجھ کر خود کو قائل کر رہا ہو۔

کافی دیر تک سب بیٹھے باتیں کرتے رہے، پرانی یادیں تازہ ہوئیں، قہقہے گونجے، اور لمحہ لمحہ جہانگیر کو محسوس ہونے لگا کہ وہ واقعی اپنے گھر لوٹ آیا ہے۔

آخر کار، امان اللہ اٹھے اور اپنے کمرے کی طرف چلے گئے۔ ایمنہ نے بھی کھڑے ہوتے ہوئے نرمی سے کہا۔

"جہانگیر، اب تم بھی جا کر آرام کرو، سفر کی تھکن ہے۔ رنزا اور سیف، تم دونوں بھی چلو۔"

جہانگیر نے اثبات میں سر ہلایا اور سیڑھیاں چڑھ کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ دروازہ بند کرتے ہی اس نے لمبی سانس لی اور بستر پر گر سا پڑا۔ کپڑے بدلے بغیر وہ سیدھا لیٹ گیا، آنکھیں بند کیں، مگر نیند کوسوں دور تھی۔

* * * * * *

ایک ہفتہ بعد

دن کے وقت کا سماں تھا۔ نور افزا اور خادم علی کسی کے نکاح میں شریک ہونے گئے تھے۔ کرامت کام پر تھا، اور گھر میں صرف ماہ پارہ اور مروا موجود تھیں۔

نور افزا نے جانے سے پہلے مروا کو سارے کام سمجھا دیے تھے، اور وہ انہی میں مصروف تھی۔ مگر ماہ پارہ کا دھیان کسی اور طرف تھا۔ آج وہ ہریرہ سے ایک اور کتاب لے کر آئی تھی، اور صحن میں ایک دیوار سے ٹیک لگائے اسے پڑھنے میں مگن تھی۔

وہ ایک دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھی ہوئی تھی۔ ہمیشہ کی طرح اس کے بال چوٹی میں بندھے ہوئے تھے، مگر آج اس کی پیشانی پر ایک ہلکی سی شکن تھی۔ وہ کتاب پڑھ رہی تھی، لیکن اس کے چہرے سے صاف ظاہر تھا کہ وہ پوری طرح اسے سمجھنے سے قاصر ہے۔

"اس میں تو کچھ سمجھ ہی نہیں آ رہا۔" اس نے بے زاری سے کتاب بند کر دی اور گہری سانس لی۔

اس بار اس نے سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا، مگر تیز دھوپ آنکھوں میں چبھنے لگی، تو فوراً نظریں پھیر لیں اور سامنے دیوار کو تکنے لگی۔

"پتا نہیں یہ لوگ اتنی موٹی موٹی کتابیں کیسے پڑھ لیتے ہیں۔ مجھ سے تو ایک لفظ بھی سمجھ نہیں آ رہا۔" وہ مایوسی سے بڑبڑائی۔

مروا، جو قریب ہی کام میں مصروف تھی، اس کے لہجے میں مایوسی محسوس کر چکی تھی۔

"کیا ہوا ماہ پارہ؟ تم کچھ پریشان لگ رہی ہو۔" اس نے رک کر پوچھا۔

ماہ پارہ نے ہونٹ سکیڑے اور کندھے اچکا دیے۔ "کچھ نہیں، بس۔۔۔"

ابھی وہ اپنی بات مکمل بھی نہ کر پائی تھی کہ باہر سے شور کی آواز آئی۔ وہ فوراً کھڑی ہوئی اور کتاب قریب رکھی چارپائی پر پھینک دی۔ مروا نے اسے چونک کر دیکھا، مگر پھر کچھ سمجھے بغیر وہ بھی تیزی سے دروازے کی طرف بڑھی۔ ماہ پارہ اس کے پیچھے پیچھے دوڑتی ہوئی آئی۔

جیسے ہی دونوں نے گیٹ پار کیا، باہر کا منظر دیکھ کر ان کے دل دہل گئے۔ سامنے ایک کفن میں لپٹا وجود رکھا تھا، جس کے گرد بہت سے لوگ جمع تھے۔ کچھ قریبی گھروں کی عورتیں بھی وہاں موجود تھیں۔

ایک بوڑھی عورت، جو شاید اس کفن پوش لڑکی کی ماں تھیں، زمین پر بیٹھی بین کر رہی تھیں۔ اس کے بین اتنے دلخراش تھے کہ وہاں کھڑی کئی عورتوں کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے تھے۔ ایک ماں کے لیے اس سے بڑا صدمہ کیا ہوگا کہ وہ اپنی جوان بیٹی کو سفید کفن میں لپٹا دیکھے۔

ماہ پارہ کی آنکھوں میں الجھن تھی۔ "آپی، یہ عورت اتنا رو کیوں رہی ہے؟ ان کو کوئی خاموش کیوں نہیں کر رہا؟" وہ معصومیت سے بولی۔

مروا نے ایک لمحے کو ماہ پارہ کی طرف دیکھا، پھر گہری سانس لی۔

"ماہ پارہ، اس وقت ان کا رونا ہی بہتر ہے۔" اس کی آواز میں ایک افسردہ گہراپن تھا۔

ماہ پارہ مزید الجھ گئی۔ "مگر آپی..." وہ کچھ کہنا چاہتی تھی، مگر الفاظ نہ ملے۔

مروا نے آہستہ سے سر نفی میں ہلایا اور ہجوم کی طرف دیکھنے لگی، جہاں بوڑھی ماں کی ہچکیاں ابھی تک سنائی دے رہی تھیں۔ ہوا میں ایک عجیب سی سوگواریت تھی۔ جیسے کوئی دکھ سارے ماحول میں پھیل گیا ہو۔

"شروع سے یہی ہوتا آیا ہے، میں اور تم کچھ نہیں بدل سکتیں۔ چلو، گھر کے اندر چلتے ہیں، ابا نے دیکھ لیا نا تو ہماری خیر نہیں۔" مروا نے سنجیدگی سے کہا اور ماہ پارہ کا ہاتھ تھامنے لگی، مگر ماہ پارہ کی نظریں سامنے بین کرتی عورت پر جمی رہیں۔

"کیا میں صرف پانچ منٹ کے لیے ان کے پاس جا سکتی ہوں؟" وہ التجا کے انداز میں بولی۔

مروا نے اس کے چہرے پر نظر ڈالی، پھر آہستہ سے مسکرا کر اجازت دے دی۔ "جاؤ، مگر جلدی آنا۔"

ماہ پارہ ایک دم دوڑتی ہوئی اس عورت کے پاس پہنچی۔ اس کے سر پر دوپٹہ تھا، ایک ہاتھ سے دوپٹہ سنبھالا اور گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی۔ دوسرے ہاتھ سے اس عورت کے لرزتے کندھے پر نرمی سے ہاتھ رکھا۔ عورت نے نم آنکھوں سے ماہ پارہ کی طرف دیکھا۔ ان کی آنکھیں سوجی ہوئی اور چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔

انہوں نے بے ساختہ ماہ پارہ کا ہاتھ تھام لیا اور پھر سے سسکیاں بھرنے لگیں۔

NOVEL HUT

"آنٹی، روئیں نہیں۔" ماہ پارہ نے نرمی سے کہا۔ "موت برحق ہے۔ اس طرح رونے سے کچھ نہیں بدلے گا، بس آپ کی طبیعت خراب ہو جائے گی۔ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔"

وہ عورت خاموشی سے اسے دیکھنے لگی۔

"ہم سب اسی دنیا میں آئے ہی واپس اللہ کی طرف لوٹنے کے لیے ہیں۔ مجھے معلوم ہے، وہ آپ کے دل کے بہت قریب تھیں، لیکن اس طرح رونے سے وہ واپس نہیں آئیں گی۔ اس سے بہتر ہے کہ آپ ان کے لیے دعا کریں، ان کے حق میں نیک اعمال کریں۔ یہی چیز ان کے کام آئے گی۔ رونے سے کسی کو فرق نہیں پڑے گا، بس آپ کی صحت خراب ہو جائے گی۔ آپ میری بات سمجھ رہی ہیں نا؟" ماہ پارہ ایک ہی سانس میں سب کچھ کہہ گئی۔

وہاں کھڑی خواتین خاموشی سے اس کی باتیں سن رہی تھیں۔ وہ حیران تھیں کہ ایک چھوٹی سی لڑکی اتنی بڑی اور دانشمندانہ باتیں کر رہی تھی، جو شاید کوئی اور کہنے کی زحمت بھی نہ کرتا۔

رونا ضروری تھا، اس سے دل کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے۔ لیکن رونے والوں کو تسلی دینے کے بجائے، خود بھی ان کے ساتھ رونے بیٹھ جانا... یہ ٹھیک نہیں تھا۔

عورت کی ہچکیاں دھیمی پڑنے لگیں۔ "وہ... میری بیٹی تھی۔" ان کے لب کانپے۔ آنسو پھر بہنے لگے، لیکن آواز میں پہلے جیسی شدت نہ رہی۔

ماہ پارہ نے ان کا ہاتھ تھام کر آہستہ سے دبایا۔ "آنٹی، مرنے والوں کے ساتھ مرا نہیں جاتا۔ اس طرح خود کو تکلیف دینا، زور زور سے بین کرنا، یہ سب اللہ کو پسند نہیں۔" ماہ پارہ کے لہجے میں گہرا سکون تھا، جیسے وہ اپنے الفاظ کے ذریعے ان کے دکھ کو بانٹنا چاہتی ہو۔ "ہم سب کو ایک نہ ایک دن اللہ کی طرف لوٹنا ہے۔ یہ دنیا ہمیشہ کے لیے نہیں، یہ تو بس آزمائش ہے۔ اللہ ہمارے صبر کا امتحان لیتا ہے، وہ دیکھتا ہے کہ ہم اس تکلیف پر کیا کرتے ہیں... شکر یا شکوہ؟"

عورت خاموشی سے اس کی باتیں سنتی رہیں۔ ان کی آنکھوں میں آنسو تو اب بھی تھے، مگر ان میں پہلے جیسی شدت نہیں تھی۔ شاید انہیں واقعی کسی کے ایسے الفاظ کی ضرورت تھی جو ان کے دل کو سکون دے سکے۔

انہوں نے ٹھنڈی آہ بھری اور سر جھکا لیا۔

ماہ پارہ نے نرمی سے پوچھا۔ "آنٹی، انہیں کیا ہوا تھا؟"

عورت نے دھیرے سے جواب دیا۔ "گردے خراب ہو گئے تھے۔ ڈاکٹر نے کہا تھا کہ فوراً علاج کروانا ضروری ہے، لیکن یہاں کے ڈاکٹر زیادہ قابل نہیں تھے۔ شہر میں علاج ممکن تھا، مگر اس کا شوہر... وہ بضد تھا کہ وہ پیسے خرچ نہیں کرے گا۔ کہتا تھا جو ہونا ہے، یہیں ہو جائے۔" ان کی آواز کانپ رہی تھی۔ "وہ کہتا تھا، اگر بچی تو بچی، ورنہ اگر مر رہی ہے تو مر جائے۔"

خاموشی میں عورت کی سسکیاں گونج رہی تھیں۔ آنسو اب بھی ان کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے۔

ماہ پارہ کا دل دکھ سے بھر گیا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ کوئی شوہر اپنی بیوی کے ساتھ اتنا ظالمانہ سلوک کر سکتا ہے۔

"لیکن آنٹی۔" اچانک اسے کچھ یاد آیا۔ "یہاں ایک مرد ڈاکٹر ہے، جو بہت قابل ہے اور شاید غریب مریضوں کا مفت یا آدھے پیسوں میں علاج بھی کرتا ہے۔"

"وہ مرد ہے، مرد! ہمارے یہاں مرد ڈاکٹر کے پاس جانا منع ہے!" عورت کی آواز میں درد تھا، بے بسی تھی، اور ساتھ ہی ایک صدیوں پرانی روایت کی زنجیر بھی، جس نے ان کی بیٹی کی جان لے لی تھی۔ "یہاں ایک شوہر یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ اپنی بیوی کا علاج مرد ڈاکٹر کے پاس کرے۔ اگر وہ اسے طلاق دے دیتا، تو میری بیٹی ایسے ہی مر جاتی... کم از کم عزت سلامت رہی!"

انہوں نے بے بسی سے آسمان کی طرف دیکھا، جیسے شکوہ کرنا چاہتی ہوں، مگر الفاظ ساتھ نہیں دے رہے تھے۔ ماہ پارہ خاموشی سے کھڑی رہی۔ وہ جانتی

تھی کہ اس کے پاس کہنے کو کچھ نہیں، کوئی دلیل نہیں، جو اس صدیوں پرانی سوچ کو بدل سکے۔

یہ عورت اپنی بیٹی کے لیے سب کچھ کر سکتی تھیں، اپنی جمع پونجی بھی لگا دیتیں، لیکن... یہ سوچ، یہ پابندیاں... یہ توڑنا اس کے بس میں نہ تھا۔ ماہ پارہ نے ایک آخری نظر ان پر ڈالی، پھر گہری سانس لی اور بوجھل قدموں کے ساتھ واپس اپنے گھر کی طرف چل دی۔ لیکن آج .... آج اس نے ایک فیصلہ کر لیا تھا۔ یہ فیصلہ تو وہ بہت پہلے کر چکی تھی، مگر آج کے بعد وہ اس خواب کو حقیقت بنانے کے لیے کچھ بھی کرنے کو تیار تھی۔

گھر پہنچتے ہی مروا نے اسے دیکھ کر مصنوعی خفگی ظاہر کی۔ "ماہ پارہ، تم نے پانچ منٹ کہا تھا، اور تم پورے پندرہ منٹ بعد آرہی ہو!"

ماہ پارہ جیسے کسی اور ہی دنیا میں تھی، مگر مروا کی آواز نے اسے واپس کھینچ لیا۔

"آپی، میں بس انہیں سمجھا رہی تھی کہ اس طرح رونا ٹھیک نہیں۔ میں نے ان سے اور بھی بہت کچھ کہا... وہ میری باتیں سن کر کچھ دیر کے لیے سنبھل گئیں۔ انہیں میرے ساتھ بات کر کے اچھا لگا... لیکن پھر بھی، ماں ہیں نا۔"

مروا نے حیرانی سے اسے دیکھا، پھر ہنسی دبا کر بولی۔ "تم نے ایسا بھی کیا کہا کہ وہ رونا چھوڑ کر تمہاری باتیں سننے لگیں؟"

ماہ پارہ کو لگا جیسے وہ اسے کم عمر سمجھ رہی ہے۔ "اب میں اتنی بھی بچی نہیں کہ ایسے حالات کو نہ سمجھ سکوں!" اس نے ناراضی سے کہا۔

مروا مسکرائی، پھر سر نفی میں ہلا کر دوبارہ اپنے کام میں لگ گئی۔ ماہ پارہ نے ادھر اُدھر دیکھا، پھر خاموشی سے وہ موٹی کتاب اٹھا لی جو وہ کل ہریرہ سے لے کر آئی تھی۔

******

آسمان پر گہرا نیلا رنگ چھا چکا تھا۔ گاؤں میں ایک بار پھر خاموشی پھیل گئی تھی۔ ہر طرف اندھیرا تھا۔ خادم علی اور نور افزا گاؤں کی گلی سے گزرتے

NOVEL HUT

ہوئے گھر لوٹ رہے تھے۔ راستے میں وہ یہ سوچنے لگے کہ آج گاؤں میں کچھ زیادہ ہی سکون ہے۔

گھر پہنچ کر انہوں نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ چند لمحوں بعد مروا نے دروازہ کھولا، سلام کیا اور تیزی سے کچن کی طرف بھاگ کر دو گلاس پانی نکالا۔ وہ پانی ٹرے میں رکھ کر ان کے پاس آئی اور خاموشی سے ان کی طرف بڑھا دیا۔ نور افزا اور خادم علی نے پانی پیا، جبکہ مروا کرامت کے لیے روٹی بنانے میں مصروف ہو گئی کیونکہ وہ دونوں پہلے ہی کھانا کھا چکے تھے۔

ماہ پارہ کمرے سے نکلی، ان دونوں کو سلام کیا اور پھر کچن میں مروا کے پاس جا کھڑی ہوئی، جہاں وہ ہنسی خوشی باتیں کر رہی تھی۔

نور افزا نے توقف کے بعد دھیمے لہجے میں کہا۔ "آپ نے اس بارے میں کیا سوچا؟"

خادم علی نے پانی کا گلاس لبوں سے لگایا اور بے پرواہی سے بولے۔ "سوچنا کیا ہے؟ میں تو اسی وقت حامی بھرنے کو تیار تھا۔" ان کی نظریں ماہ پارہ پر جا ٹکیں، جو معصومیت سے کچن میں کھڑی مسکرا رہی تھی۔

"پھر بھی، اگر ہم ایک بار اس سے پوچھ لیتے تو بہتر ہوتا۔" نور افزا نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

خادم علی نے فوراً تیز لہجے میں ان کی بات کاٹ دی۔ "تیرا دماغ خراب ہو گیا ہے؟ اب یہ دن آگیا ہے کہ ہم ان سے پوچھ کر ان کے بارے میں کوئی فیصلہ کریں؟"

نور افزا سہم گئیں، مگر پھر بھی ہمت کر کے بولیں۔ "وہ عمر میں بہت بڑا ہے، اس لیے میں نے سوچا کہ اگر ماہ پارہ کو کوئی پریشانی ہوئی تو؟ اور کرامت کا کیا کریں گے؟ اسے کیا جواب دیں گے؟"

خادم علی نے بے پروائی سے ہاتھ جھاڑا۔ "سب کا بندوبست کر لیا ہے میں نے، تم بس نکاح کی تیاری شروع کر دو۔"

نور افزا کی نظریں بے بسی سے ماہ پارہ کی طرف اٹھیں، جو اب بھی بے خبر ہنسی خوشی باتوں میں مگن تھی، بے خبر کہ اس کی قسمت کا فیصلہ ہو چکا ہے۔

* * * * * *

رات کے اس پہر حویلی روشنیوں میں نہائی ہوئی تھی۔ سفید اور زرد روشنیوں نے اس کی خوبصورتی کو دوچند کر دیا تھا۔ لاؤنج کے بیچوں بیچ چھت پر آویزاں بڑا فانوس اپنی چمک سے ماحول کو اور بھی دلکش بنا رہا تھا۔

جہانگیر صوفے پر شاہانہ انداز میں براجمان تھا۔ وہ بلیک جینز اور بلیک شرٹ میں ملبوس تھا، جس کی آستینیں کہنیوں تک چڑھائی ہوئی تھیں۔ اس کے گھنے بھورے بال بے ترتیب مگر دلکش انداز میں ماتھے پر بکھرے ہوئے تھے۔ ایک ہاتھ میں کتاب تھی، جبکہ دوسرے ہاتھ میں نظر کا چشمہ، جسے وہ لاپرواہی سے اپنے ہونٹوں سے لگائے بیٹھا تھا۔ اس کی گہری سیاہ آنکھیں کتاب کے الفاظ میں گم تھیں۔

NOVEL HUT

تبھی دور سے ایک خوبصورت لڑکی مسکراتے ہوئے اس کی طرف آتی نظر آئی۔

"ہائے، جہانگیر!" زائشہ نے شوخی سے ہاتھ ہلاتے ہوئے کہا۔

جہانگیر نے ناگواری سے ابرو چڑھائی۔ وہ کتاب پڑھتے ہوئے کسی سے بات کرنا پسند نہیں کرتا تھا، اور زائشہ کو یہ بات بخوبی معلوم تھی، مگر شاید وہ جان بوجھ کر اسے چڑانے کے لیے یہی وقت چنتی تھی۔

جہانگیر نے گہری سانس لی، کتاب میز پر رکھی اور چشمہ اس کے اوپر رکھ دیا۔

"السلام علیکم، زائشہ۔ تم یہاں اس وقت؟" اس کا لہجہ سرد تھا۔

زائشہ نے طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔ "اوہ! تو مطلب یہ کہ تم باہر رہنے کے باوجود اپنا مذہب نہیں بھولے؟ میں نے سوچا تھا کہ تم انگریزوں کی طرح رہنے لگے ہو، اسی لیے میں نے تمہیں ویسے ہی مخاطب کیا۔"

جہانگیر کے چہرے پر ناگواری نمایاں ہوئی۔ "تمہیں غلط لگا، زائشہ۔" اس نے دانت پیستے ہوئے کہا۔ "میں وہاں تھا، لیکن اپنے مذہب، اپنے خاندان اور اپنے گاؤں والوں کو کبھی نہیں بھولا تھا۔" وہ جیب میں ہاتھ ڈالے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔

زائشہ نے لب بھینچ لیے، پھر ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ "وہی گاؤں والے، جنہوں نے...."

"وہ محض ایک غلط فہمی کا شکار ہوئے تھے۔ وہ معاملہ کب کا سلجھ چکا ہے، زائشہ۔ تم شاید بھولنے لگی ہو۔" جہانگیر نے خود پر قابو رکھتے ہوئے جواب دیا۔

مگر زائشہ نے ہار نہیں مانی۔ وہ جانتی تھی کہ کون سی باتیں جہانگیر کے غصے کو ہوا دے سکتی ہیں، اور وہ جان بوجھ کر انہی باتوں کو چھیڑ رہی تھی۔

"جہانگیر، میں تمہارے بارے میں کچھ نہیں بھولتی۔ خاص طور پر وہ باتیں جو ہمارے بچپن میں طے ہو چکی تھیں۔"

وہ ایک قدم قریب آئی، مگر جہانگیر دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔ وہ مزید اپنے آپ کو قصوروار محسوس نہیں کر سکتا تھا۔ کافی عرصے سے وہ اکیلا تھا، مگر اب وہ اکیلا نہیں رہنا چاہتا تھا۔

"جہانگیر یار تم....."

"زائشہ، اگر کوئی ضروری بات ہے تو بتاؤ، ورنہ میرے پاس فضول باتوں کے لیے وقت نہیں ہے۔" اس نے سخت لہجے میں کہا۔

زائشہ نے آنکھیں گھمائیں۔ "میں تو بس تم سے ملنے آئی تھی۔"

جہانگیر نے بے لچک انداز میں کہا۔ "مل لیا؟ اب جا سکتی ہو۔ میں وہ پرانا جہانگیر نہیں ہوں جو لوگوں پر بے وجہ وقت ضائع کرتا تھا۔ میرا وقت بہت قیمتی ہے۔ اس بار میں یہاں کچھ بڑا کرنے آیا ہوں، اور اس کے لیے مجھے بیکار لوگوں سے دور رہنا ہے۔"

یہ کہہ کر وہ لمبے لمبے قدم اٹھاتا وہاں سے نکل گیا، اور اس کی باتوں نے زائشہ کے چہرے پر پل بھر میں سرخی دوڑا دی۔ اس نے غصے سے مٹھیاں بھینچ

لیں، مگر پھر گہری سانس لے کر خود کو پرسکون کیا۔ اپنی بند مٹھیاں کھولیں اور سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ شاید اس وقت وہ اینہ سے ملنے جا رہی تھی۔

******

رات کا تاریک آسمان اب ہلکے نیلے رنگ میں ڈھل رہا تھا۔ گاؤں کے لوگ اپنی فصلوں اور مویشیوں کی دیکھ بھال کے لیے نکل چکے تھے۔ خادم علی نے آج کام پر نہ جانے کا فیصلہ کیا تھا۔ اس وقت وہ چارپائی پر بیٹھے ناشتہ کر رہے تھے۔ خلافِ معمول، آج وہ خاصے خوشگوار مزاج میں دکھائی دے رہے تھے، جبکہ ماہ پارہ حسبِ معمول ابھی تک نیند کے مزے لے رہی تھی۔

"میں نے ایک فیصلہ کیا ہے۔" خادم علی نے گفتگو کا آغاز کیا۔

کرامت نے فوراً سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔ "کیسا فیصلہ؟"

"ماہ پارہ کے لیے ایک رشتہ آیا ہے۔" خادم علی نے نوالہ توڑتے ہوئے کہا۔

"جو کہ مجھے اور تیری ماں کو خاصا پسند آیا۔ میں نے سوچا، تم لوگوں کو بھی بتا

دوں۔ ویسے تو حتمی فیصلہ میرا ہی ہوگا، لیکن مناسب سمجھا کہ تم لوگوں کو آگاہ کر دوں۔"

کرامت کے چہرے پر ناگواری کے آثار ابھرے۔ "اور یہ رشتہ ضرور ہریرہ کی ماں کی طرف سے آیا ہوگا۔" وہ تلخی سے بولا۔

"غصہ کرنے کی ضرورت نہیں۔" خادم علی نے تحمل سے جواب دیا۔ "لڑکا اچھا ہے، اس کے گھر والوں کو بھی جانتا ہوں۔ پھر بھی، ماہ پارہ سے پوچھ لیں گے۔ تو فکر نہ کر۔" ان کا لہجہ ایسا تھا جیسے وہ کرامت کو پہلے ہی قائل کرنے کی تیاری کر چکے ہوں۔

کرامت نے گہری سانس لی، پھر بے یقینی سے کہا۔ "ابا، وہ ابھی بہت چھوٹی ہے۔ اس کی عمر کا تو خیال کریں۔ اور لڑکا؟ وہ کتنا بڑا ہے؟"

وہ جانتا تھا کہ گاؤں میں اکثر لڑکیوں کی شادیاں ان سے کہیں بڑے مردوں سے کر دی جاتی ہیں، اور اسے خدشہ تھا کہ یہی معاملہ ماہ پارہ کے ساتھ بھی نہ ہو۔

"زیادہ نہیں، بائیس یا تئیس سال کا ہوگا۔" خادم علی نے سرسری انداز میں کہا، پھر ایک اور چالاک چال کھیلی۔ "ویسے بھی، اس نے کہا ہے کہ اگر ماہ پارہ پڑھنا چاہتی ہے تو وہ اسے روکنے والا نہیں۔ بلکہ وہ اسے شہر بھی لے جائے گا اور ایک اچھی زندگی بھی دے گا۔" یہ کہہ کر وہ ناشتہ کرنے لگے، جیسے یہ بات کوئی بڑی بات نہ ہو۔

کرامت نے ایک لمحے کے لیے خاموشی اختیار کی، جیسے کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا ہو۔ پھر اچانک، کسی فیصلے پر پہنچ کر، وہ خاموشی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"ٹھیک ہے۔ جیسا آپ کو بہتر لگے، بس ایک بار ماہ پارہ سے ضرور پوچھیے گا۔" کرامت نے التجائی انداز میں کہا اور وہاں سے چلا گیا۔

نور افزا نے گہری سانس لی اور مروا کو مخاطب کیا۔ "مروا، جا کر ماہ پارہ کو جگا دے اور کہہ دے کہ مجھے اس سے ضروری بات کرنی ہے۔" مروا فوراً ماہ پارہ کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

NOVEL HUT

ماہ پارہ جاگ تو گئی تھی، لیکن اماں کو اس سے کیا ضروری بات کرنی ہے، اس خیال نے اس کے دل میں بےچینی پیدا کر دی تھی۔ وہ جلدی سے منہ دھو کر، بال باندھ کر ناشتہ کرنے بیٹھ گئی۔

اس نے ابھی چند نوالے ہی لیے تھے کہ نور افزا آ کر اس کے پاس بیٹھ گئیں۔ ان کے چہرے پر سنجیدگی جھلک رہی تھی۔

"ماہ پارہ، مجھے تجھ سے ایک بہت ضروری بات کرنی ہے۔" نور افزا نے نرمی سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

ماہ پارہ نے حیرت سے ماں کی طرف دیکھا۔ "اماں، آپ مجھ سے اجازت کیوں مانگ رہی ہیں؟"

نور افزا نے دھیرے سے سر نفی میں ہلایا۔ "اجازت نہیں مانگ رہی، بس بتا رہی کہ میں نے اور تمہارے ابا نے ایک فیصلہ کیا ہے۔"

"کیسا فیصلہ؟" ماہ پارہ کی بھنویں سکڑ گئیں۔

"تمہاری شادی کا۔" نور افزا نے دھیرے سے کہا۔ "دیکھ ماہ پارہ، لڑکا بہت اچھا ہے، خود کماتا ہے، اپنے باپ کے پیسوں پر نہیں چلتا۔ وہ شہر کا رہائشی ہے، اور اگر تُو وہاں جا کر پڑھنا چاہتی ہے تو وہ منع نہیں کرے گا۔"

ماہ پارہ کے چہرے پر الجھن نمایاں ہو گئی۔ "لیکن اماں، میں...."

نور افزا نے اس کی بات نرمی سے کاٹ دی۔ "بس ایک بار سوچ کر تو دیکھ، تُو اپنے سارے خواب پورے کر سکے گی، شہر جا کر پڑھ سکے گی۔"

"بھائی کیا کہتے ہیں؟ آپ نے ان سے بات کی؟"

"ہاں، وہ مان گیا۔ تُو بھی مان جا، بیٹا۔" نور افزا نے محبت سے اس کا ہاتھ تھپتھپایا۔ "لڑکیوں کی یہی عمر ہوتی ہے شادی کی۔"

"تو اس حساب سے پہلے آپی کی شادی ہونی چاہیے، وہ مجھ سے کہیں بڑی ہیں۔"

نور افزا نے پیشانی پر ہاتھ مارا اور اٹھ کھڑی ہوئیں۔ "پاگل لڑکی! رشتہ تیرے لیے آیا ہے نا، وہ بھی تیرے پسند کا۔"

ماہ پارہ نے ایک لمحے کے لیے سوچا، پھر ہلکی آواز میں بولی۔ "کہہ تو آپ ٹھیک رہی ہیں، لیکن.... ٹھیک ہے اماں، جیسے آپ کو اور ابا کو مناسب لگے۔"

وہ منع کرنا چاہتی تھی، لیکن اپنے خواب کے آگے اپنی خوشی کو ترجیح نہیں دے سکتی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ یہ رشتہ اس کی زندگی بدل سکتا ہے، اور وہ اس موقع کو کھونا نہیں چاہتی تھی۔

نور افزا نے شفقت سے اس کے گال پر ہاتھ رکھا اور مسکرا دیں۔ ماہ پارہ نے بھی ہلکی سی مسکراہٹ لوٹا دی، مگر ان کے جانے کے بعد وہ گہری سانس لے کر رہ گئی۔

وہ اس رشتے سے خوش نہیں تھی، مگر جو پیشکش اس نکاح کے ذریعے اسے مل رہے تھے، وہ انہیں سوچ کر مطمئن تھی۔ آخرکار وہ اپنے خواب کے بہت قریب پہنچ رہی تھی۔ بہت قریب....

* * * * *

نکاح سے ایک رات پہلے۔

کرامت آج حویلی جا رہا تھا۔ جہانگیر سے اس کی گہری دوستی تھی۔ وہ ہمیشہ سے اسے اپنا بڑا بھائی مانتا آیا تھا، اور جہانگیر نے بھی کبھی اسے ایک ملازم کی حیثیت سے نہیں دیکھا۔ اس کے لیے کرامت ہمیشہ بھائیوں جیسا ہی تھا۔

آج کرامت ایک اہم بات کے لیے آیا تھا، اور اسے یقین تھا کہ جہانگیر اس کی بات ضرور سنے گا۔

وہ حویلی کے باہر کھڑا تھا، جب گارڈز نے اندر جا کر جہانگیر کو اس کے آنے کی اطلاع دی۔ جیسے ہی جہانگیر نے کرامت کا نام سنا، اس نے فوراً اسے اندر بلانے کا حکم دیا، مگر کرامت نے اندر آنے سے انکار کر دیا۔ گارڈز نے جب یہ بات جہانگیر کو بتائی تو وہ بے ساختہ مسکرا دیا۔ آج بھی وہ خود کو ایک ملازم ہی سمجھ رہا تھا، حالانکہ اسے معلوم تھا کہ یہ بات اسے پسند نہیں۔ پھر بھی وہ اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتا تھا۔

کرامت کو دیکھ کر جہانگیر کے چہرے پر خوشی پھیل گئی۔ وہ تیزی سے آگے بڑھا اور اسے گلے لگا لیا۔

"تمہیں میرے آنے کی خبر کب سے ملی ہوئی ہے، اور تم آج مجھ سے ملنے آئے ہو؟" جہانگیر نے خفگی سے کہا۔

کرامت نے نظریں چرائیں۔ "چھوٹے سردار، مجھے کیا پتا تھا کہ میں آپ کو یاد رہوں گا۔"

"میں اپنے قریبی لوگوں کو کبھی نہیں بھولتا، کرامت۔ جیسے میں نے حسن اور سیف کو یاد رکھا، ویسے ہی تمہیں بھی یاد رکھا۔" جہانگیر نے اس کے کندھے پر بازو رکھا اور دونوں گلی میں چہل قدمی کرنے لگے۔

کافی دیر پرانی یادوں کو تازہ کرنے کے بعد، وہ دوبارہ حویلی کی طرف بڑھے۔ کرامت جانتا تھا کہ اب وقت آگیا ہے کہ وہ اپنی اصل بات کرے۔

"چھوٹے سردار، مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔"

جہانگیر نے سختی سے اس کی بات کاٹی۔ "پہلی بات تو یہ کہ مجھے 'چھوٹے سردار' مت کہو، اور دوسری بات مجھے 'آپ' نہیں 'تم' کہو۔"

"مگر آپ عمر میں مجھ سے بڑے ہیں اور..."

"میں تمہارا دوست ہوں، اور دوستوں کو نام سے اور 'تم' کہہ کر بلایا جاتا ہے۔ اب سیدھی بات کرو، کیا کہنا چاہتے ہو؟"

کرامت نے ایک گہری سانس لی اور جلدی سے بولا۔ "کل میری بہن کا نکاح ہے، اور مجھے ضروری کام سے شہر جانا ہے۔ میرا وہاں جانا بہت ضروری ہے، ورنہ میں کبھی نہ جاتا۔ کل گھر میں بہت کام ہوگا، اور ابا اکیلے سب نہیں سنبھال سکیں گے۔ میں آپ کے علاوہ کسی اور سے کہہ بھی نہیں سکتا۔"

جہانگیر خاموشی سے سنتا رہا، پھر اسے مزید بولنے کا اشارہ کیا۔

کرامت نے ہلکا سا گلا صاف کیا۔ "تو... اگر آپ کل میری طرف سے گھر جا سکتے ہیں، تو مجھے بہت اچھا لگے گا۔" وہ جھجک رہا تھا، مگر بات مکمل کر ہی دی۔

جہانگیر مسکرایا۔ "میں ضرور جاؤں گا، کرامت۔ مگر اس بات میں گھبرانے والی کیا بات تھی؟ تم مجھ سے یہ بات آرام سے بھی کہہ سکتے تھے۔"

کرامت نے اطمینان کا سانس لیا اور فوراً اپنے گھر کا پتہ بتایا۔

جہانگیر نے خاموشی سے پتہ ذہن نشین کر لیا، مگر اس کے ذہن میں ایک دھندلی منظر ابھری۔ مگر وہ جانتا تھا کہ یہ معاملہ عزت کا ہے، اور ان لڑکیوں نے یہ بات گھر میں نہیں بتائی، تبھی وہ بھی خاموش رہا۔ اسے لگا کہ نکاح مروا کا ہوگا، اسی لیے وہ فوراً مان گیا۔ اگر اسے معلوم ہوتا کہ نکاح ماہ پارہ کا ہے، تو شاید اس کا جواب کچھ اور ہوتا۔

کرامت نے الوداعی سلام کیا اور شہر کے لیے روانہ ہو گیا۔

اور جہانگیر وہیں کھڑا آسمان کی طرف دیکھتا رہا۔ شاید کسی آنے والے طوفان کی آہٹ محسوس کر رہا تھا۔

******

NOVEL HUT

نکاح کا دن

ماہ پارہ کے دل میں ایک عجیب سی بے چینی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ آج کے بعد اس کی زندگی کبھی پہلے جیسی نہیں رہے گی۔ آج اسے اپنی پوری زندگی کسی اور کے نام کرنی تھی۔

سرخ عروسی لباس میں وہ حد درجہ خوبصورت لگ رہی تھی۔ اس کی کلائیوں میں کھنکتی سرخ چوڑیاں، مہندی سے سجے ہاتھ، اور گہرا سرخی مائل رنگ... سب کچھ مکمل لگ رہا تھا، سوائے اس کے دل کے، جو ایک انجانے خوف سے بھرا ہوا تھا۔

وہ کبھی اپنے ہاتھوں کو دیکھتی، کبھی ان چوڑیوں سے کھیلتی، اور کبھی کھوئے کھوئے انداز میں دور خلاؤں میں جھانکتی۔

ہریرہ اس کے قریب بیٹھی اسے مزید سنوارنے میں مصروف تھی۔ اس نے اپنے پرس سے سرخ لپ اسٹک نکالی اور ماہ پارہ کے چہرے کے قریب ہو گئی۔

"یہ کیا کر رہی ہو؟" ماہ پارہ نے بمشکل سرگوشی کی۔

"سرخ لباس کے ساتھ سرخ لپ اسٹک بہت جچے گی۔" ہریرہ نے احتیاط سے اس کے ہونٹوں پر رنگ بھرا اور مسکراتے ہوئے پیچھے ہوئی۔

ماہ پارہ نے آئینے میں خود کو دیکھا، پھر تلخی سے بولی۔ "اور اگر اماں نے دیکھ لیا تو میرے چہرے پر سرخ ہاتھ کا نشان بھی بہت جچے گا!"

ہریرہ ہنس پڑی۔ "آج تو کوئی کچھ نہیں کہے گا، دلہن جو ہو!"

"پتہ نہیں کیوں، مگر مجھے عجیب سا لگ رہا ہے، جیسے کچھ غلط ہونے والا ہے۔" ماہ پارہ نے آہستہ سے کہا۔

"یہ ہر دلہن کو لگتا ہے، زیادہ سوچو مت، خوش رہو!" ہریرہ نے مسکراتے ہوئے اس کا دوپٹہ ٹھیک کیا۔ "اب تم واقعی دلہن لگ رہی ہو!" ماہ پارہ ہلکا سا مسکرا دی۔

نور افزا اور مروا ماہ پارہ کے ساتھ صحن میں آئیں۔ آج یہ خالی صحن خوبصورت پھولوں سے سجا ہوا تھا۔ ہر طرف خوبصورت پھولوں کی خوشبو بکھری ہوئی تھی۔ کرسیاں ترتیب سے رکھی گئی تھیں، اور درمیان میں ایک پردہ حائل تھا، جو مردوں اور عورتوں کی جانب کو الگ کر رہا تھا۔

جہانگیر کو اپنا وعدہ یاد تھا۔ وہ صبح سے ہی نکاح کی تیاریوں میں مصروف تھا، مگر اس نے گھر میں کسی کو کچھ نہیں بتایا تھا۔ اگر اس کے گھر والوں کو خبر ہوتی، تو شاید وہ اس وقت یہاں موجود بھی نہ ہوتا۔

وہ اس وقت خادم علی سے گفتگو میں مصروف تھا۔ وہ سفید شلوار قمیض میں ملبوس تھا۔ اس نے حسبِ عادت آستینیں کہنیوں تک چڑھائی ہوئی تھیں۔ گھنے بھورے بال جو ماتھے پر بکھرے ہوئے تھے، انہیں ہاتھ کی کنگھی سے پیچھے کیا۔

قاضی صاحب کے آنے سے پہلے نور افزا نے ماہ پارہ کے ہاتھ میں جوس کا گلاس تھمایا۔ پہلے تو وہ انکار کرتی رہی، مگر ماں کے اصرار پر چند گھونٹ لے لیے۔

قاضی صاحب پہنچ چکے تھے اور نکاح کی رسم شروع ہو چکی تھی۔

جہانگیر اور خادم علی دلہن کی جانب بڑھے۔ اسی لمحے، پہلی بار، جہانگیر کو دولہا کو دیکھنے کا خیال آیا۔ یہ خیال اس سے پہلے کیوں نہیں آیا، وہ خود بھی نہیں

NOVEL HUT

جانتا تھا۔ اس نے پردے کے اس پار نظر دوڑائی۔ اسے جو کچھ دکھائی دیا، وہ اسے جھنجھوڑ دینے کے لیے کافی تھا۔ دولہا کوئی کم عمر نوجوان نہیں تھا بلکہ تقریباً چالیس سال کا آدمی لگ رہا تھا!

جہانگیر کی نظر سرخ لباس میں بیٹھی ماہ پارہ پر پڑی، پھر اچانک وہ مروا کی طرف متوجہ ہوا۔ حیرت سے اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔

اس نے ایک بار پھر سرخ لباس میں بیٹھی لڑکی کو غور سے دیکھا۔ نور افزا نے ایک ہاتھ سے اس کا کندھا اور دوسرے ہاتھ سے اس کا سر تھام رکھا تھا۔

(یہ تو وہی دونوں ہیں، جنہیں میں نے بچایا تھا! مگر یہ لڑکی... اس کی عمر تو شاید بمشکل پندرہ سال ہوگی! اور وہ آدمی جو پردے کے اس پار بیٹھا ہے... اوہ میرے خدایا، یہاں کیا ہو رہا ہے؟)

قاضی صاحب پہلے ہی دو مرتبہ ماہ پارہ سے نکاح کی رضامندی پوچھ چکے تھے، جس کا اس نے نیم بیہوشی کی حالت میں سرسری جواب دیا تھا۔ وہ تیسری بار پوچھنے ہی والے تھے کہ جہانگیر نے انہیں روک دیا۔

"یہ نکاح نہیں ہو سکتا !"

قاضی صاحب نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ "کیوں نہیں ہو سکتا؟"

جہانگیر نے غصے سے جواب دیا۔ "یہ سراسر غلط ہے! یہ لڑکی ابھی اٹھارہ سال کی بھی نہیں ہوئی، اور یہ آدمی..." وہ تیزی سے پردے کے اس پار بڑھا اور دولہے کو کالر سے پکڑ کر کھڑا کر دیا۔

"یہ آدمی دیکھنے میں ہی اس سے بیس پچیس سال بڑا لگ رہا ہے! آپ لوگوں کو سمجھ بھی ہے یا نہیں؟" جہانگیر غصے سے پھٹ پڑا۔ اس کا سانس بے ترتیب ہو رہا تھا۔

NOVEL HUT

خادم علی نے تیز لہجے میں جواب دیا۔ "سردار کا بیٹا ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ تم یہاں آکر ہمارے فیصلوں پر اعتراض کرنے لگو!"

جہانگیر نے گہری سانس لی اور نرمی سے سمجھانے کی کوشش کی۔ "انکل، ان دونوں کی عمریں زمین آسمان کا فرق ہیں۔ آپ غلط کر رہے ہیں۔"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا !" خادم علی نے سختی سے کہا۔ "یہاں گاؤں میں ایسی ہی شادیاں ہوتی ہیں۔ تم باہر ملک سے آئے ہو، اس لیے تمہیں عجیب لگ رہا ہوگا۔"

"ہاں بھئی، ایسا ہی ہوتا آیا ہے، یہاں صدیوں سے یہی رواج ہے !" کسی اور نے بھی آواز لگائی۔

ہریرہ کی ماں نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "میں نے دس پندرہ ایسی شادیاں کروائی ہیں، جن میں سے کچھ لڑکیاں اسی کی عمر کی تھیں۔ اور اللہ کے فضل سے ان کی شادیاں ابھی تک قائم ہیں، کسی کو کوئی پریشانی نہیں ہوئی !"

جہانگیر کے کانوں میں ان کے الفاظ گونج رہے تھے۔ وہ کھلے منہ سے انہیں دیکھ رہا تھا، جیسے یقین نہ آرہا ہو۔ آٹھ سال گزر گئے... مگر کچھ بھی نہیں بدلا؟ کسی نے بدلنے کی کوشش بھی نہیں کی؟ اس کا دل ڈوبنے لگا۔ کیا اس جنگ میں وہ اکیلا تھا؟ اور اب... شاید دوبارہ اکیلا ہو گا؟

جہانگیر کی آواز میں سختی بڑھ گئی۔ "قاضی صاحب، اس لڑکی کو دیکھیں! اسے ہوش نہیں، کیا یہ نکاح جائز ہو سکتا ہے؟ جب وہ ہوش میں ہی نہیں، تو اس کی رضامندی کا کوئی مطلب نہیں! یہ نکاح درست نہیں!"

قاضی صاحب نے بے ہوش ماہ پارہ پر ایک نظر ڈالی اور حیرانی سے پوچھا۔ "یہ بیہوش کیسے ہو گئی؟"

اس سے پہلے کہ کوئی جواب دیتا، دولہا تیزی سے بولا۔ "ایسے کیسے بھئی! ہم نے ان کو پیسے دیے ہیں، اب یہ شادی ہر صورت ہوگی!" اس نے جہانگیر کو کندھے سے دھکیلتے ہوئے پیچھے کیا۔

جہانگیر نے گہری سانس لی اور سر جھکا کر آہستہ سے کہا۔ "تو یہ سارا معاملہ پیسوں کا ہے؟"

پھر اس نے سر اٹھایا اور ایک ایک لفظ چبا کر، سب پر نظر دوڑاتے ہوئے بلند آواز میں دہرایا۔ "تو یہ سارا معاملہ پیسوں کا ہے؟"

دولہے نے غصے سے کہا۔ "ہمارے پیسے واپس کرو، یا اس لڑکی سے میرا نکاح ہونے دو!"

خادم علی گھبرا کر آگے بڑھا۔ "نکاح ہوگا... اس رقم سے میں نے اپنے سارے قرضے اتار دیے ہیں!"

"یہ میرا مسئلہ نہیں ہے۔ مجھے....."

وہ دولہے کی طرف مڑا اور تنبیہی انداز میں بولا۔ "یہاں سے نکل جاؤ، اس سے پہلے کہ میں تمہارا منہ توڑ دوں!..... تمہاری رقم واپس کر دی جائے گی!"

اس نے اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا کہ اس کی رقم لوٹا دیں۔ دولہا غصے سے بڑبڑاتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔

ہریرہ کی ماں تلخی سے بولی۔ "تم نے ان کو تو بھیج دیا، اب اس لڑکی سے کون شادی کرے گا؟ ہمارے ہاں شادی کے دوران لڑکی کا رشتہ ٹوٹ جائے تو دوبارہ رشتہ مشکل سے ملتا ہے!"

NOVEL HUT

ایک اور عورت نے سرد مہری سے کہا۔ "تم نے بیچاری کی زندگی برباد کر دی !"

جہانگیر کو اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا۔

اس نے تیز نظروں سے سب کو دیکھا اور تلخی سے بولا۔ "کیا برباد کر دی زندگی؟ کیا آپ نے اس کی عمر دیکھی ہے؟ وہ صرف پندرہ سال کی بچی ہے ! یہ اس کی شادی کی عمر نہیں ہے ! آپ لوگوں کو لڑکیوں کی شادی کی اتنی جلدی کیوں ہوتی ہے؟ وہ اس رشتے کے حقوق تک نہیں جانتی ! آپ ایک معصوم بچی کی معصومیت چھین رہے تھے !"

ہریرہ کی ماں نے کندھے اچکائے۔ "یہ سب باہر کے ملکوں کی باتیں ہیں، ہمارے گاؤں میں کچھ اصول ہیں !"

جہانگیر کی مٹھیاں سختی سے بھینچ گئیں۔ "اس سے پہلے کہ میں کوئی ایسی بات کہہ دوں جو آپ کو پسند نہ آئے، بہتر ہوگا کہ آپ سب یہاں سے چلی جائیں۔"

ایک ایک کر کے تمام خواتین وہاں سے چلی گئیں۔

جہانگیر نے بے اختیار تھوک نگلا۔ معاملہ بگڑ چکا تھا اور اب اسے سلجھانا تھا۔ آج ایک بار پھر وہ جذبات میں بہہ گیا تھا... اور شاید گاؤں والے پھر کوئی فیصلہ کریں گے... اور شاید... اسے ایک بار پھر اپنے خاندان سے دور جانا پڑے گا۔

"دیکھیں، اس نکاح کو روکنا میرا فرض تھا، کیونکہ یہ نکاح غلط تھا، ناجائز ٹھہرایا جاتا۔ اب مجھے جانا ہوگا۔ کل تک کرامت آجائے گا، میں اس سے معذرت کر لوں گا، اور میں آپ سب سے بھی معذرت چاہتا ہوں۔" اس کی آواز ہلکی سی کانپ رہی تھی، اور شاید اس کے ہاتھ بھی۔

ہریرہ کی ماں جیسے آج چپ رہنے کو تیار ہی نہیں تھی۔ وہ طنزیہ ہنسی کے ساتھ بولی۔ "ایسے کیسے؟ صرف معذرت کر کے چلے جاؤ گے؟ اب کون دے گا اسے اپنا بیٹا؟ ہاں، بتاؤ؟"

جہانگیر نے چونک کر اس کی طرف دیکھا، مگر اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا، وہ عورت مزید آگے بڑھی۔ "تمہیں اس سے ابھی، اسی وقت نکاح کرنا ہوگا، ورنہ

ہمیں پورے گاؤں والوں کو اکٹھا کرنا پڑے گا! پھر کسی کی بدنامی ہو یا نہ ہو... ماہ پارہ کی ضرور ہوگی! تمہاری وجہ سے پورا گاؤں اس کے بارے میں بات کرے گا!"

جہانگیر کے اندر کچھ ٹوٹا۔ "کیا کوئی زبردستی ہے کہ مجھے اس سے نکاح کرنا پڑے گا؟ میں کسی سے بھی نکاح نہیں کروں گا!"

ہریرہ کی ماں نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا، مگر جہانگیر نے مٹھی بھینچ لی اور تیزی سے پلٹ گیا۔

اس کا دم گھٹ رہا تھا۔ وہ کیسے کسی لڑکی سے زبردستی شادی کر کے اس کی زندگی برباد کر سکتا تھا؟ وہ ایسا کبھی نہیں کر سکتا تھا۔ بوجھل قدموں سے وہ وہاں سے نکل گیا، لیکن دل میں ایک جنگ جاری تھی... ایک ایسی جنگ، جو شاید ابھی ختم ہونے والی نہیں تھی۔

* * * * * *

رات کے گہرے سائے تلے آسمان پر ستارے ہیروں کی مانند چمک رہے تھے۔ کل رات جانے والا کرامت آج واپس آچکا تھا، وہ ایک دن پہلے ہی آ گیا تھا۔ رات کے تقریباً دس بج رہے تھے جب وہ گاؤں پہنچا، تب سب سو رہے تھے۔ حویلی میں داخل ہوتے ہی اس نے پورے صحن پر نظر دوڑائی۔ کچھ عجیب سا محسوس ہوا، لیکن کیا؟ وہ سمجھ نہ سکا اور سر جھٹک دیا۔

وہ ابھی سونے ہی والا تھا کہ اچانک اس نے مروہ کو کچن کی طرف جاتے دیکھا۔

"تم ابھی تک جاگ رہی ہو؟" وہ اس کے قریب آیا۔

مروہ نے چونک کر اسے دیکھا، پھر جلدی سے بولی۔ "بھائی، آپ آ گئے؟ لیکن آپ نے سردار کے بیٹے کو کیوں بلایا تھا؟ انہوں نے سب کچھ برباد کر دیا، سب برباد!"

"کیا کیا ہے انہوں نے؟" کرامت نے پریشانی سے پوچھا۔

مروہ نے سسکتے ہوئے ساری بات شروع سے آخر تک بتا دی۔ کرامت سنتا رہا، اس کی آنکھوں میں غصے اور بے بسی کی سرخی چھا گئی۔ اب اسے سمجھ آیا کہ نکاح سے ایک دن پہلے اسے جان بوجھ کر شہر کیوں بھیجا گیا تھا۔ وہی تو تھا جو ماہ پارہ کی فکر کرتا تھا، اور اسی کو ہٹا دیا گیا تھا۔

"اور ابا کہہ رہے ہیں کہ کل سے وہ اس کے لیے کوئی اور ایسا ہی رشتہ ڈھونڈیں گے۔ بھائی، انہیں ہم سے محبت نہیں، صرف پیسوں سے ہے۔" مروہ نے دکھ سے کہا۔

کرامت نے گہری سانس لی اور نرمی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ "تم فکر مت کرو، میں کچھ کرتا ہوں۔ جب تک میں نہ آجاؤں، تم ماہ پارہ کے پاس رہنا، اور اس سے بالکل دور مت جانا۔ جاؤ، جا کر سو جاؤ۔" یہ کہہ کر وہ باہر نکل گیا۔

کرامت اس وقت حویلی کے دروازے کے باہر کھڑا تھا۔ جہانگیر کے آدمیوں نے اسے روکنے کی کوشش کی، مگر وہ اڑ گیا کہ جب تک وہ جہانگیر سے

نہیں ملے گا، یہاں سے نہیں ہٹے گا۔ بالآخر، گارڈز کو دوبارہ اندر جانا پڑا اور کچھ دیر بعد جہانگیر سر جھکائے باہر آیا۔ کل جو شخص فخر سے سر اونچا کیے اس کا استقبال کر رہا تھا، آج وہ شرمندگی سے نظریں نہیں ملا رہا تھا۔

"تم اتنی جلدی آ گئے؟ تمہیں تو کل آنا تھا۔" جہانگیر نے پرسکون لہجے میں کہا۔

"آپ نے ایسا کیوں کیا؟ آپ نہیں جانتے، اب سارا گاؤں میری بہن کے بارے میں کیا باتیں کرے گا؟ سب یہی کہیں گے کہ شادی کے دن اسے چھوڑ دیا گیا!" کرامت کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ جو کچھ ہوا، وہ صحیح تھا، لیکن وہ بس اس فکر میں تھا کہ اب آگے کیا ہوگا۔

جہانگیر نے غصے کو ضبط کرتے ہوئے کہا۔ "کرامت، وہ لڑکا نہیں تھا..." اس نے آس پاس دیکھا، جیسے اپنے غصے کو قابو میں رکھنا چاہتا ہو۔ "وہ ایک چالیس سال کا آدمی تھا، جس نے تمہاری بہن کو پیسوں کے عوض خریدنے کی کوشش کی تھی۔ یہ کوئی عام شادی نہیں تھی، بلکہ ایک سودا تھا! مجھے معلوم ہوا

ہے کہ وہ لوگ ایسی جعلی شادیوں کے ذریعے کم قیمت میں لڑکیاں خرید کر انہیں آگے مہنگے داموں بیچ دیتے ہیں۔"

یہ سن کر کرامت کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔ اس کی آواز میں بے بسی تھی۔ "لیکن اس سب میں میری بہن کا کیا ہوگا؟ اب اس سے کون شادی کرے گا؟"

جہانگیر نے نرم لہجے میں سمجھانے کی کوشش کی۔ "یہ اتنی بڑی بات نہیں ہے، کرامت۔ وہ ابھی چھوٹی ہے، وقت کے ساتھ سب بھول جائیں گے۔ تمہیں بھی یہ بات بھول جانی چاہیے۔"

"کیسے بھول جاؤں؟" کرامت نے غصے سے اس کے ہاتھ اپنے کندھے سے جھٹک دیے۔ "آپ نہیں سمجھ رہے، ابا اسے یوں نہیں چھوڑیں گے! وہ پھر سے کسی اور کے ہاتھ بیچ دیں گے!"

جہانگیر نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا۔ "میں ان سب میں کیا کر سکتا ہوں، کرامت؟ میں نے جو غلط تھا، اسے روکا..."

"آپ میری بہن سے نکاح کر سکتے ہیں۔" کرامت نے اس کی بات کاٹ دی۔ جہانگیر حیران رہ گیا۔ کرامت کی نظریں التجا کر رہی تھیں۔

"آپ جانتے ہیں نا، میں آپ کے علاوہ کسی پر بھروسہ نہیں کر سکتا۔ اگر آپ نے اس سے نکاح نہیں کیا تو ابا پھر سے اس کی شادی کسی اور ایسے ہی شخص سے کروا دیں گے۔ تب کون بچائے گا اسے؟" کرامت کی آنکھوں میں بے بسی کے آنسو چمک رہے تھے۔ اسے اپنے باپ کی فطرت کا اندازہ تھا، وہ کسی بھی حد تک جا سکتے تھے۔

جہانگیر نے قدرے سخت لہجے میں کہا۔ "وہ ابھی بچی ہے، کرامت۔"

"میں بھی تو یہی کہہ رہا ہوں، وہ بچی ہے!" کرامت کی آواز کانپ رہی تھی۔ "مجھے اس وقت صرف آپ پر بھروسہ ہے، خدا کے لیے اسے بچا لیں!" یہ کہتے ہوئے وہ جہانگیر کے قدموں میں گر گیا۔

جہانگیر نے فوراً اسے کندھوں سے تھام کر اٹھایا۔ "ٹھیک ہے، کرامت، ٹھیک ہے۔ یہ سب کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں کچھ کرتا ہوں۔ تمہاری بہن کو کچھ نہیں ہوگا، میں تمہیں یقین دلاتا ہوں۔"

کرامت نے بھیگی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا اور دھیرے سے کہا۔

"یاد رکھیے گا، مجھے صرف آپ پر بھروسہ ہے۔"

جہانگیر نے ایک پھیکی مسکراہٹ دی۔ اس کی زندگی کا عجیب المیہ تھا۔ وہ دوسروں کے لیے ہمیشہ صحیح فیصلہ کرتا، لیکن خود ہمیشہ غلط فیصلوں کی زد میں آ جاتا۔

اس نے ایک تھکی ہوئی آہ بھری۔ وہ بے خبر تھا۔ نہیں جانتا تھا کہ آنے والے وقت میں اس کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ اگر اسے معلوم ہوتا تو شاید وہ اس رشتے کے لیے کبھی رضا مند نہ ہوتا۔ وہ مضبوط آدمی تھا، لیکن بعض اوقات حالات کے سامنے سب کمزور پڑ جاتے ہیں...

* * * * * *

صبح سب کے جاگنے سے پہلے ہی ماہ پارہ کی آنکھ کھل گئی۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور اپنے سر کو زور سے دبایا۔ اس کا سر درد کر رہا تھا اور آنکھیں بوجھل محسوس ہو رہی تھیں۔ دیوار کا سہارا لے کر وہ آہستہ آہستہ باہر نکلنے لگی۔ اس وقت اس کا دماغ مکمل طور پر بیدار نہیں تھا، اسے یاد بھی نہیں تھا کہ کل اس کا نکاح تھا۔ جیسے ہی وہ لڑکھڑائی، کرامت نے فوراً اس کا ہاتھ تھام کر اسے چارپائی پر بٹھا دیا۔

"تم ٹھیک ہو؟ اتنی جلدی کیسے جاگ گئی؟" کرامت نے فکرمندی سے پوچھا۔

"مجھے نہیں معلوم، میرے سر میں بہت درد ہو رہا ہے۔" ماہ پارہ نے اب بھی سر تھام رکھا تھا۔

کرامت نے نرمی سے اس کا سر دبانا شروع کیا۔ ماہ پارہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔ کرامت نے مسکرانے کی کوشش کی، لیکن وہ جواباً مسکرا نہ سکی۔ اردگرد کا جائزہ لیتے ہی اس کے دماغ میں کل کی یادیں تازہ ہونے لگیں۔

"یہاں ... کل ... کل تو میرا نکاح ہونے والا تھا، تو پھر یہ سب....؟" وہ الجھی ہوئی تھی، جبکہ کرامت خاموش رہا۔

"کل کیا ہوا؟ کیا میں نے کچھ کیا؟ یا لڑکے والوں نے انکار کر دیا؟" اس کے ذہن میں بے شمار سوال اٹھنے لگے۔

"تمہیں مجھ پر بھروسہ ہے نا؟ جیسا میں کہوں ویسا کرو۔ تھوڑی دیر میں تمہارا نکاح ہوگا، اور اس نکاح میں صرف میں تمہارے ساتھ ہوں گا۔ اس بار کچھ غلط نہیں ہوگا۔" کرامت نے اسے تسلی دی، لیکن ماہ پارہ نفی میں سر ہلانے لگی۔

"لیکن کل کیا ہوا بھائی؟ گاؤں میں میری بدنامی تو....؟"

"کل کچھ نہیں ہوا تھا، مگر آنے والے کل میں بہت کچھ ہو سکتا ہے۔"

کرامت کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں، وہ رات بھر سویا نہیں تھا۔ آج کی صبح جو کچھ ہونے والا تھا، شاید وہ اسے برداشت نہ کر پاتا۔ خادم علی کو پیسوں کے علاوہ کچھ نظر نہیں آتا تھا، انہیں پیسوں سے محبت تھی، اور وہ جان چکے

تھے کہ پیسہ کمانے کا یہ طریقہ کتنا فائدہ مند ہے۔ اب وہ پیچھے ہٹنے والے نہیں تھے۔

کرامت نے ماہ پارہ کا ہاتھ تھاما اور اسے گھر سے باہر لے آیا۔ وہ خاموشی سے اس کے پیچھے چلتی رہی، اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور ذہن میں کئی سوال گردش کر رہے تھے۔

کرامت اسے جہانگیر کی بتائی ہوئی جگہ پر لے آیا۔ حویلی سے تھوڑے فاصلے پر ایک سنسان سڑک کے کنارے لکڑی کا چھوٹا سا مکان کھڑا تھا۔ یہاں کسی کا آنا جانا نہیں تھا۔ یہ حویلی اور گاؤں کے آخری حصے کے درمیان ایک ویران جگہ تھی، جہاں سے شہر کو جانے والی سڑک گزرتی تھی۔ یہ کوئی عام گھر نہیں تھا بلکہ ایک بڑا کمرہ تھا، جہاں دو تین گول میزیں اور کچھ کرسیاں رکھی گئی تھیں۔

کرامت دروازے کے باہر کھڑا جہانگیر کا انتظار کرنے لگا۔ اسے ذرا بھی شک نہیں تھا کہ جہانگیر نہیں آئے گا، کیونکہ وہ وعدہ کر چکا تھا، اور وہ وعدہ خلافی نہیں کرتا تھا۔

ابھی پانچ منٹ ہی گزرے تھے کہ دور سے جہانگیر کی جیپ آتی دکھائی دی۔ وہ قاضی اور دو گواہوں کے ساتھ آ رہا تھا۔ کرامت کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ آگئی۔

"تمہیں لگا کہ میں نہیں آؤں گا؟" جہانگیر نے اس کے پریشان چہرے کو دیکھ کر پوچھا۔

"ایسا ہو سکتا ہے کہ میں آپ پر شک کروں؟" کرامت نے اعتماد سے کہا۔

جہانگیر نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ نفی میں سر ہلایا۔

وہ دونوں گھر کے اندرونی حصے کی طرف بڑھے۔ ماہ پارہ نے کرامت اور پھر جہانگیر کی طرف دیکھا۔ اس کی گردن انکار میں ہل رہی تھی۔ وہ اٹھی اور کرامت کو کہنی سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا۔

"بھائی، میں کسی سے شادی نہیں کرنا چاہتی۔ مجھے یہاں سے لے جائیں۔ مجھے یہاں سے لے چلیں۔ سب کو اتنی جلدی کیوں ہے میری شادی کی؟"

NOVEL HUT

"جہانگیر اچھے ہیں، ماہ پارہ۔ وہ تمہیں خوش رکھیں گے اور تمہاری ہر خواہش پوری کریں گے۔ تم اس کے ساتھ بہت خوش رہو گی۔"

ماہ پارہ کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔ "وہ مجھ سے بڑے ہیں، بھائی، اور وہ سردار کے پوتے بھی ہیں..."

"شش.... ایک لفظ بھی نہیں۔" کرامت نے نرمی سے اس کے آنسو پونچھے۔ وہ یہ بھی نہیں جانتی تھی کہ جس شخص سے وہ نکاح کرنے جا رہی تھی، وہ جہانگیر سے بھی بڑا تھا۔

یہ نکاح کسی عام نکاح کی طرح نہیں تھا۔ یہاں خوشی کی کوئی چھک نہ تھی، نہ ہی دعاؤں میں آمین کہنے والوں کی بھیڑ تھی۔ سب کچھ جیسے ایک بوجھ تھا، ایک ذمہ داری تھی جو نبھانی ضروری تھی۔

قاضی صاحب نے چند مزید دعائیں پڑھیں اور ماہ پارہ کی رضا مندی مانگی۔ جہانگیر کی گھبراہٹ بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ سپاٹ چہرہ لیے بیٹھا تھا، جذبات

سے عاری، آنکھوں میں کوئی تاثر نہیں تھا۔ دل ہی دل میں وہ خود کو سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا کہ یہ سب وقتی ہے۔

وہ سوچ رہا تھا کہ وہ اپنے گھر والوں کو کیا جواب دے گا؟ کیسے انہیں یقین دلائے گا کہ وہی جہانگیر جو کم عمری کی شادی کے سخت خلاف تھا، آج خود اسی راہ پر چل نکلا تھا؟

دونوں طرف سے نکاح کی رضامندی لے لی گئی۔ دستخط کے لمحے میں دونوں کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ ماہ پارہ کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں، وہ کچھ سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی، مگر یہ حالات اس کی سمجھ سے باہر تھے۔

جہانگیر نے دستخط کر دیے۔ پھر اس نے سر جھکا لیا اور خالی نظروں سے اپنی ہتھیلی کی لکیروں کو دیکھنے لگا، جیسے وہ ان لکیروں میں اپنی قسمت تلاش کر رہا ہو۔

"ماہ پارہ آپ کے ساتھ جائے گی، وہ بھی ابھی!"

کرامت کی یہ بات سنتے ہی جیسے کمرے میں خاموشی پھیل گئی۔ جہانگیر نے فوراً گھبرائی ہوئی ماہ پارہ کی طرف دیکھا اور پھر نظر ہٹا کر کرامت کی طرف التجا بھری نظروں سے دیکھنے لگا، جیسے کہہ رہا ہو۔ 'بس کرو، اور کس بات کی سزا دے رہے ہو؟'

کرامت نے اس کے قریب آکر دھیمے مگر مضبوط لہجے میں کہا۔ "میں اسے اپنے ساتھ نہیں لے جا سکتا۔"

جہانگیر نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ "صبح سویرے میں سب کو کیسے سمجھاؤں گا؟ کرامت، دیکھو، یہ میرے لیے بہت مشکل ہوگا!" وہ بے بسی سے بول رہا تھا۔

"میری خاطر بس آخری بار، اس کے بعد جیسا آپ کہیں گے ویسا ہی ہوگا۔" کرامت کے لہجے میں التجا تھی۔

جہانگیر نے کرب سے آنکھیں بند کر لیں۔ وہ کیوں سن رہا تھا کرامت کی بات؟ وہ انکار کر سکتا تھا! وہ چاہتا تو اس شادی میں شریک نہ ہوتا۔ وہ چاہتا تو

یہ سب کچھ ہونے سے روک سکتا تھا۔ مگر وہ یہ سب کر رہا تھا، کیونکہ شاید یہ اس کے بس میں ہی نہیں تھا۔

کچھ لمحے کی خاموشی کے بعد اس نے آنکھیں کھولیں، ایک گہری سانس لی اور سخت لہجے میں کہا۔ "ٹھیک ہے کرامت، مگر اس کے بعد مجھ سے کوئی امید نہ رکھنا!"

******

جہانگیر ماہ پارہ کو لے کر حویلی کی طرف روانہ ہو گیا۔

وہ خود جیپ چلا رہا تھا، جبکہ ماہ پارہ اس کے ساتھ والی نشست پر بیٹھی کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔ گاؤں کے دلکش مناظر اس کے سامنے بکھرے ہوئے تھے، جنہیں شاید اس نے پہلے کبھی اتنی توجہ سے نہیں دیکھا تھا۔ آج کی ہوا میں عجب تازگی تھی۔ اس نے سکون سے آنکھیں بند کر لیں اور ان ہواؤں کو محسوس کرنے لگی۔ چند دنوں میں اس کی پوری دنیا بدل چکی تھی۔

حویلی پہنچ کر جہانگیر نے جیپ روکی۔

"ہم حویلی پہنچ گئے ہیں۔" اس نے ماہ پارہ کو دیکھ کر کہا۔ ماہ پارہ کی آنکھیں ابھی تک بند تھیں، شاید وہ نیند میں تھی۔

"ماہ پارہ! ہم پہنچ گئے ہیں۔" اس بار اس کی آواز ذرا بلند تھی۔

ماہ پارہ نے آہستہ سے آنکھیں کھولیں اور سامنے حویلی کو دیکھ کر سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ لیکن اس بار حویلی کی شاندار عمارت بھی اسے خوبصورت نہیں لگی۔ خوف اور بے یقینی کی ایک لہر اس کے وجود میں دوڑ گئی۔ وہ کانپتے ہاتھوں سے دوپٹے کو مضبوطی سے تھامے ہوئے تھی۔

"فکر مت کرو۔" جہانگیر نے نرم لہجے میں کہا۔ "اس وقت صرف دادا جان جاگ رہے ہوں گے، اور وہ غصہ نہیں کریں گے۔ وہ بہت سمجھدار اور نرمی سے بات کرنے والے ہیں۔ وہ صورتِ حال کو سمجھنے کی کوشش کریں گے۔"

وہ ماہ پارہ کو تسلی دینے کے ساتھ ساتھ شاید خود کو بھی سمجھا رہا تھا۔ جیپ سے نیچے اتر کر ماہ پارہ نے ایک نظر حویلی پر ڈالی، پھر دھیرے سے قدم بڑھا دیے۔ جہانگیر بھی اس کے ساتھ چل دیا۔

حسب توقع، حویلی کے بڑے ہال میں امان اللہ بڑے صوفے پر بیٹھے تھے۔ ان کے ایک ہاتھ میں تسبیح تھی، جبکہ دوسرا ہاتھ صوفے کی پشت پر رکھا ہوا تھا۔ ان کی آنکھیں بند تھیں، اور ہونٹوں پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ تھی، جیسے کسی گہری سوچ میں گم ہوں۔

"السلام علیکم، دادا جان۔" جہانگیر نے دھیمے مگر مضبوط لہجے میں کہا۔

امان اللہ نے بغیر آنکھیں کھولے جواب دیا۔ "وعلیکم السلام، میرے شیر!" ان کے چہرے پر مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی۔

"دادا جان، میں نے... وہ... میں نے نکاح..." جہانگیر کی بات ابھی مکمل بھی نہیں ہوئی تھی کہ امان اللہ نے فوراً آنکھیں کھول دیں۔

انہوں نے پہلے جہانگیر کو دیکھا، پھر چند قدم کے فاصلے پر کھڑی ماہ پارہ پر نظر ڈالی۔ ماہ پارہ کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ وہ بے اختیار جہانگیر کے پیچھے چھپنے لگی۔

امان اللہ کی مسکراہٹ ختم ہو چکی تھی۔ وہ سنجیدگی سے دونوں کو دیکھ رہے تھے۔

"کیا کہا تم نے؟ پھر سے کہنا... تم نے کیا کیا ہے؟" ان کے لہجے میں حیرت تھی۔

"نکاح کیا ہے میں نے، دادا جان۔ لیکن میری بات سنیں..." جہانگیر کی آواز میں گھبراہٹ نمایاں تھی۔ وہ فوراً ان کے قدموں میں بیٹھ گیا، جیسے انہیں اپنی صفائی دینے کے لیے تیار ہو۔

اسی لمحے دروازے پر ایک بھاری آواز گونجی۔

"کیا کہا؟ پھر سے کہنا... تم نے کیا کیا ہے؟" یہ داؤد علوی تھے، گیٹ پر کھڑے، سرخ چہرہ لیے۔ ان کی نظریں غصے سے دہک رہی تھیں۔ آج وہ اپنی ساری ناراضگی چھوڑ کر بیٹے سے محبت سے ملنے آئے تھے، مگر شاید ان باپ بیٹے کے درمیان ہمیشہ کچھ نہ کچھ غلط ہی ہونا تھا۔

جہانگیر نے آہستہ آہستہ سر جھکایا۔ خوف کی شدت سے اس کی آنکھیں پھیل گئیں، اور سانس جیسے حلق میں اٹک گئی۔ ماہ پارہ بے اختیار پیچھے ہٹنے لگی۔ جہانگیر بمشکل کھڑا ہوا اور داؤد علوی کی طرف مڑا، مگر نظریں ملانے کی ہمت نہ ہوئی۔

"یہ کیسا شور ہے؟" اینہ کی آواز سیڑھیوں سے آتی سنائی دی۔

"داؤد، آپ آگئے؟ جہانگیر سے ملے؟" انہوں نے مسکراتے ہوئے پوچھا، مگر ان کی نظر ماہ پارہ پر نہیں پڑی تھی۔

"جہانگیر؟ میں صرف جہانگیر سے نہیں، اس کی بیوی سے بھی مل چکا ہوں۔" داؤد علوی نے زہر خند لہجے میں کہا۔ ان کی نظریں بدستور اپنے بیٹے پر جمی تھیں، چہرہ غصے سے سرخ ہو چکا تھا۔

اینہ کے قدم وہیں رک گئے۔ انہوں نے پہلی بار ماہ پارہ کو دیکھا، جو خوف زدہ سی کھڑی تھی، جیسے زمین اس کے قدموں تلے سے کھسک رہی ہو۔

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ جہانگیر کی بیوی؟ یہ کہاں سے آگئی؟" اینہ حیران تھیں، ان کے چہرے پر بے یقینی تھی۔

"ماں سا، میں نے... میں نے نکاح کیا ہے اس لڑکی سے، آج ہی۔" جہانگیر نے نظریں جھکائے کہا۔ وہ ہمیشہ صاف گو رہا تھا، باتوں کو گھمانے کا عادی نہیں تھا۔

اینہ کی نظریں ماہ پارہ پر جا ٹھہریں۔ پھر انہوں نے تیزی سے جہانگیر کی طرف دیکھا۔ جیسے ہی حقیقت ان پر آشکار ہوئی، وہ بجلی کی تیزی سے ماہ پارہ کی طرف بڑھیں اور ایک زوردار تھپڑ اس کے رخسار پر جڑ دیا۔

ماہ پارہ نے ہکا بکا ہو کر اپنے گال پر ہاتھ رکھا۔ اس کی آنکھیں نم ہو گئیں، مگر وہ خاموش رہی۔

"تمہاری ہمت کیسے ہوئی میرے بیٹے سے نکاح کرنے کی؟ کہاں تم جیسی معمولی لڑکی اور کہاں میرا شہزادہ بیٹا؟" اینہ غصے سے چلا رہی تھیں، ان کا لہجہ

NOVEL HUT

تحقیر آمیز تھا۔ وہ ماہ پارہ کو جھنجھوڑ رہی تھیں، جیسے اس پر اپنا غصہ نکال رہی ہوں۔

جہانگیر فوراً آگے بڑھا، اس نے ماہ پارہ کو پیچھے کیا اور خود اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

"ماں سا، یہ آپ کیا کر رہی ہیں؟ یہ میری بیوی ہے! اس کی عزت کرنا آپ سب کا فرض ہے۔ اس کا نام میرے نام کے ساتھ جڑ چکا ہے، کیا صرف یہی وجہ کافی نہیں کہ آپ اس سے عزت سے پیش آئیں؟" وہ جذبات کی شدت میں بول رہا تھا، شاید اسے خود بھی اندازہ نہیں تھا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔

داؤد علوی جیب میں ہاتھ ڈالے اطمینان سے کھڑے تھے۔ ان کے لبوں پر طنزیہ مسکراہٹ تھی، جیسے چند سال پہلے جہانگیر کو یہاں سے بھیج کر بھی کوئی خاص فرق نہ پڑا ہو۔ جہانگیر پر اب بھی گاؤں والوں کی سوچ بدلنے کا جنون سوار تھا، اور شاید اس بار اسی کوشش میں وہ خود ہی مصیبت میں پھنس گیا تھا۔

"ماں سا، یہ آپ کیا کر رہی ہیں؟ یہ میری بیوی ہے، اس کی عزت کرنا آپ سب کا فرض ہے۔ اس کا نام میرے نام کے ساتھ جڑا ہوا ہے، اس کے ساتھ عزت سے پیش آنے کی یہی وجہ کافی نہیں ہے کیا؟" وہ ہوش میں نہیں تھا اس لیے اسے نہیں معلوم تھا کہ وہ کیا کہہ رہا تھا۔

"وہ ٹھیک کہہ رہا ہے، اینہ۔" امان اللہ نے ہمیشہ کی طرح نرمی سے کہا۔

"اب جو ہونا تھا، ہو چکا۔ اس کے پیچھے کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہوگی، ورنہ یہ ہم سے پوچھے بغیر اتنا بڑا قدم کبھی نہ اٹھاتا۔" وہ جانتے تھے کہ ان کا پوتا ناسمجھی میں کوئی فیصلہ نہیں کرتا۔ اگر اس نے نکاح کیا تھا، تو ضرور کوئی گہری بات تھی۔

"بابا، بس کریں!" داؤد علوی آخرکار بولے، ان کا لہجہ سخت تھا۔ "آپ ہمیشہ یہی کرتے ہیں، اسی لیے یہ ایسے فیصلے لے لیتا ہے۔ اسے معلوم ہے کہ کوئی ہے جو ہمیشہ اس کا ساتھ دے گا!"

اینہ نے ماہ پارہ کی طرف غصے سے دیکھا، ان کی آنکھوں میں بیزاری اور سختی تھی۔

"مجھے معلوم ہے!" وہ غصے میں بولیں۔ "اس لڑکی نے ہی میرے بیٹے کو بہکایا ہے۔ اسی دن سے اس کے دل میں حویلی کی مالکن بننے کی خواہش پیدا ہوئی ہوگی۔"

"بس کریں، ماں سا!" جہانگیر کا صبر جواب دے گیا۔ اس کا لہجہ سخت ہوگیا تھا، الفاظ میں غیر معمولی زور تھا۔ "ان سب میں اس کا کوئی قصور نہیں ہے!" یہ کہتے ہی اس نے ماہ پارہ کا ہاتھ تھاما اور اسے اپنے ساتھ کھینچتے ہوئے کمرے کی طرف لے گیا۔

امینہ سکتے میں کھڑی رہ گئیں۔ ان کی آنکھوں میں بے یقینی تھی۔ یہ وہی بیٹا تھا جس نے کبھی ان کے سامنے آواز بلند نہیں کی تھی، اور آج وہ ایک اجنبی لڑکی کے لیے ان سے اس لہجے میں بات کر رہا تھا!

داؤد علوی نے بیزاری سے سر جھٹکا اور امان اللہ کی طرف مڑے۔

"میں نے کہا تھا نا؟ یہ سدھرنے والا نہیں ہے! میں نے کہا تھا کہ اسے واپس نہ بلائیں۔ وہاں رہ کر کچھ بن جاتا، مگر نہیں! اب یہاں بیٹھ کر بیوی کے

اشاروں پر چلنے والا زن مرید بن کر رہ جائے گا!" وہ طنزیہ لہجے میں بولے اور پلٹ کر وہاں سے چلے گئے۔ اینہ بھی داؤد کے پیچھے چل دیں۔

امان اللہ نے سر ہلایا اور زیر لب مسکرا دیے۔ "مجھے نہیں لگتا کہ اس نے کچھ غلط کیا ہے۔" وہ خود سے بڑبڑائے۔

جہانگیر نے کمرے میں پہنچ کر ماہ پارہ کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

وہ چند لمحے ساکت کھڑی رہی، پھر دھیرے سے بولی۔ "میں نے اس حویلی میں آنے کے لیے کچھ نہیں کیا... میں نے کچھ ایسا نہیں کیا جیسا وہ کہہ رہی تھیں..." اس کے الفاظ میں درد تھا، اور اس کے گلے میں آنسوؤں کی گرہ پڑ گئی تھی۔

"اس وقت میں کچھ سننا نہیں چاہتا، خدا کے لیے چپ رہو اور میری نظروں سے دور ہو جاؤ!" جہانگیر نے دبے دبے مگر غصے سے بھرے لہجے میں کہا۔

پھر وہ تیزی سے کمرے کے ساتھ ملحقہ مطالعہ خانہ کی طرف بڑھا اور دروازہ زور سے بند کر دیا۔

ماہ پارہ نے اپنے آنسو پونچھے، تھکے ہوئے قدموں سے بیڈ تک آئی اور دھیرے سے اس پر بیٹھ گئی۔ وہ بے حد نڈھال محسوس کر رہی تھی۔ بیڈ کے کراؤن سے ٹیک لگا کر اس نے آنکھیں بند کر لیں، جیسے چند لمحے سکون کی تلاش میں ہو۔

******

"ماہ پارہ کہاں ہے؟" خادم علی نے کرامت کا کالر پکڑ کر غصے سے پوچھا۔

"اپنے شوہر کے گھر۔" کرامت نے بے خوفی سے جواب دیا۔

"اور اس کے شوہر کا گھر کہاں ہے؟" خادم علی نے اس کا کالر چھوڑتے ہوئے تیز لہجے میں پوچھا۔

"حویلی میں ہے۔ میں نے اس کا نکاح جہانگیر سے کرایا ہے۔ میں نے آپ کے منصوبے کو کامیاب نہیں ہونے دیا۔"

خادم علی کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ "یہ پاگل ہو گیا ہے! حویلی والے اسے کبھی قبول نہیں کریں گے۔ دیکھنا، وہ اگلے دن اسی گھر میں واپس آئے گی!"

وہ چیخ رہے تھے، مگر کرامت کے چہرے پر سکون تھا، جیسے اسے کسی بات کی پرواہ ہی نہ ہو۔

"ہاں، میں پاگل ہو گیا ہوں۔ جس طرح آپ لوگوں نے مجھے دھوکا دیا، اسی طرح اگر میں نے بھی دے دیا تو کون سی بڑی بات ہو گئی؟" کرامت نے اپنے باپ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

خادم علی نے سخت نظروں سے اسے گھورا اور غصے سے ہاتھ جھٹکتے ہوئے کہا۔ "تم ابھی اسی وقت میری نظروں سے دور ہو جاؤ!"

کرامت پلٹ کر چلا گیا۔ اس کے چہرے پر نہ ندامت تھی، نہ افسوس۔ وہ اپنے باپ کا ردعمل پہلے سے جانتا تھا۔ یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ ان کا غصہ اور پیسے سے محبت آج بھی پہلے جیسی ہی تھی۔

******

صبح کے سورج کا اب نام و نشان نہ تھا۔ مطالعہ خانہ کا دروازہ کھلا اور بند ہوا۔ دراز کھلنے اور بند ہونے کی آوازیں آئیں، مگر ماہ پارہ ویسے ہی سو رہی تھی۔

جہانگیر نے الماری کھولی، کپڑے نکالے، پٹ بند کیا اور واش روم چلا گیا۔

وہ نہا کر باہر آیا۔ اس وقت وہ ٹراؤزر اور آدھی آستینوں والی ٹی شرٹ میں ملبوس تھا۔ اس کی نظر ماہ پارہ پر پڑی، جو گہری نیند میں تھی۔ اچانک اسے احساس ہوا کہ وہ صبح سے بھوکی ہوگی۔ اپنی بھوک کا خیال آئے بغیر وہ فوراً کمرے سے نکلا اور سیڑھیاں اتر کر کچن کی طرف بڑھا۔

حسن اور سیف نے اسے جاتے دیکھا۔ دونوں نے ایک دوسرے کو معنی خیز نظروں سے دیکھا اور پھر مسکراتے ہوئے کچن میں پہنچ گئے۔

"بھائی، سنا ہے ہمارے گھر بھابھی آئی ہیں؟" سیف نے شوخی سے کہا۔

جہانگیر نے جواب دینے کے بجائے کھانے پر دھیان دیا۔ کھانا گرم کرتے ہوئے اسے یاد آیا کہ پہلے ماہ پارہ کو جگانا چاہیے تھا۔

"تم دونوں جا کر اسے جگا سکتے ہو؟" اس نے نظریں اٹھائے بغیر کہا۔

"کیوں نہیں، ہمیں بھی تو بھابھی کو دیکھنے کا حق ہے۔ ہے ناں، سیف؟"

حسن نے شرارت سے کہا۔

جہانگیر نے گھور کر دیکھا تو دونوں کی زبانوں کو بریک لگ گئی۔

وہ دونوں اس وقت جہانگیر کے کمرے میں موجود تھے۔ حسن اسے جگانے کی کوشش کر رہا تھا جبکہ سیف حیرت سے کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں اور منہ دونوں کھلے کے کھلے رہ گئے۔

"سیف، ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟ اسے جگاؤ، دیکھو کتنی گہری نیند سو رہی ہے!" حسن نے آہستہ سے کہا۔

"بھائی، یہ تو ماہ پارہ ہے! وہ اس دن کسی کام سے ہمارے گھر آئی تھی۔ کیا واقعی بھائی نے اسی سے شادی کی ہے؟" سیف نے الجھے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"ہاں، عمر میں چھوٹی ہے، شاید تمہاری جتنی، مگر بھائی نے جو بھی فیصلہ کیا ہوگا، سوچ سمجھ کر ہی کیا ہوگا۔ اور یاد رکھو، یہ ہماری بھابھی ہے، ہمیں اس کی عزت کرنی ہے۔" حسن نے اسے سمجھایا اور دوبارہ ماہ پارہ کو جگانے لگا۔

سیف کی آنکھوں میں شرارت چمکی۔ وہ تیزی سے سائیڈ ٹیبل سے پانی کا جگ اٹھا لایا اور لمحے بھر میں سارا پانی ماہ پارہ پر انڈیل دیا۔

ماہ پارہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ سیف قہقہہ لگا کر ہنسنے لگا۔ ماہ پارہ نے غصے سے اسے گھورا۔

"سیف! میں نے ابھی تمہیں سمجھایا تھا کہ بھابھی کی عزت کرو، جیسے بھائی کی کرتے ہو!" حسن نے اس کے سر پر ہلکی چپت لگائی۔

پھر وہ ماہ پارہ کی طرف متوجہ ہوا۔ "بھائی تمہیں نیچے بلا رہے ہیں، شاید کھانے کے لیے۔ صبح سے آئی ہو، بھوک لگی ہوگی۔"

ماہ پارہ نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ بیڈ سے اتری، سلیپر پہنے اور دونوں کے ساتھ باہر نکل گئی۔

تینوں کو اندر آتے دیکھ کر جہانگیر نے گہری سانس لی اور خود کو پرسکون کیا۔

"حسن، کیا میں نے ماہ پارہ کو نیچے لانے کو کہا تھا؟"

"بھائی، آپ نے اسے کھانے کے لیے جگانے کا کہا تھا نا؟"

"ہاں، مگر نیچے بلانے کے لیے نہیں کہا تھا۔ سبھی کھانے پر بیٹھے ہیں، اگر اسے دیکھ لیا تو پھر مجھ پر ہی بھڑکیں گے۔" جہانگیر نے دھیمی آواز میں کہا۔

"تو آپ بھابھی کو لے کر باہر کیوں نہیں جاتے؟ وہ جس حال میں آئی تھی، شاید پہننے کو بھی کچھ نہ ہو۔ اس بہانے آپ دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ وقت گزارنے کا موقع بھی مل جائے گا..." حسن کی تیز زبان پر اچانک بریک لگ گئی، کیونکہ جہانگیر اسے گھور رہا تھا۔

"میرا مطلب تھا کہ آپ دونوں کو ایک دوسرے کو سمجھنے کا موقع ملے گا۔"

حسن نے فوراً اپنی بات درست کی۔

جہانگیر نے لمحہ بھر سوچا، پھر بولا۔ "بات تو تمہاری ٹھیک ہے، لیکن کھانے کا کیا ہوگا..."

"وہ ہم سنبھال لیں گے نا بھائی، آپ فکر نہ کریں۔" حسن نے مسکرا کر کہا۔

جہانگیر نے سر جھٹکا اور ماہ پارہ کی طرف مڑا۔ "چلو، ہم باہر جا رہے ہیں۔"

ماہ پارہ نے حیرانی سے حسن کی طرف دیکھا، جس نے ہلکے سے مسکراتے ہوئے جانے کا اشارہ کیا۔ وہ کچھ لمحے کھڑی رہی، پھر آہستہ قدموں سے باہر نکل آئی۔ اسے بھوک تو بہت لگی تھی، اور فی الحال جہانگیر کے ساتھ جانے کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔

گاڑی میں خاموشی چھائی رہی۔ جہانگیر کی نظریں سڑک پر جمی تھیں، جبکہ ماہ پارہ آج پہلی بار گاؤں کو غور سے دیکھ رہی تھی۔ وہ کھلی ہوا کو محسوس کر رہی تھی، بے خوف ہو کر گلیوں کی رونقوں میں کھوئی ہوئی تھی۔

جہانگیر نے ایک سرسری نظر اس پر ڈالی، اسی لمحے ماہ پارہ کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھری۔ وہ اس کی طرف نہیں دیکھ رہی تھی، ورنہ شاید کبھی نہ مسکراتی۔

شہر پہنچنے پر جہانگیر نے جیپ روک دی۔ گاڑی کے رکنے کے ساتھ ہی ماہ پارہ کی مسکراہٹ بھی معدوم ہو گئی۔

"کیا کھانا پسند کرو گی؟" وہ ہلکی سی گردن موڑ کر بولا۔

"کچھ بھی۔" ماہ پارہ نے شانے اچکائے۔

جہانگیر نے اثبات میں سر ہلایا اور آرڈر دے دیا۔ وہ دونوں جیپ میں بیٹھ کر کھانے لگے۔ جہانگیر نے کئی بار کچھ پوچھنے کا ارادہ کیا، مگر الفاظ لبوں تک آکر رک جاتے۔ ماہ پارہ نے محسوس کیا تھا کہ وہ اس سے بات کرنا چاہتا ہے۔

"آپ کو کچھ کہنا ہے؟" وہ بنا دیکھے بولی۔

"ہونہہ؟ نہیں... ہاں... میرا مطلب، کچھ پوچھنا تھا۔" جہانگیر کو اندازہ نہیں تھا کہ ماہ پارہ یوں براہِ راست پوچھ لے گی کہ وہ کیا سوچ رہا ہے۔

"تم اُس نکاح پر کیسے راضی ہو گئی تھی؟"

"شہر جانے کے لیے۔" اس نے اب کی بار سیدھا اس کی آنکھوں میں دیکھ کر جواب دیا۔

"کیا مطلب؟" جہانگیر کے ماتھے پر شکن ابھری۔

"مطلب صاف ہے، مجھے پڑھنے کا شوق ہے اور گاؤں میں لڑکیوں کے لیے کوئی اسکول نہیں۔ اور وہ لڑکا..." ماہ پارہ کے لڑکا کہنے پر جہانگیر نے آنکھیں موند کر کھولیں، جیسے چالیس سالہ شخص کو 'لڑکا' کہنا برداشت کر رہا ہو۔ "مجھے شہر لے جاتا تو میں ڈاکٹر بن جاتی اور..." وہ اچانک خاموش ہو گئی، جیسے احساس ہوا ہو کہ شاید زیادہ بول گئی ہے۔

"اور؟ میں سب کچھ جاننا چاہتا ہوں، ماہ پارہ۔"

"اور میں ایک قابل ڈاکٹر بن کر گاؤں کی عورتوں کا مفت علاج کرتی۔ میں انہیں یوں مرنے نہ دیتی، جیسا کہ یہاں ہوتا ہے۔" اس کے لہجے میں اداسی تھی۔

جہانگیر نے بغور اس کی بات سنی۔ "اور کوئی خواہش؟"

NOVEL HUT

وہ اس کی طرف مڑی۔ "ہاں، ایک اور ہے۔"

"کیا؟" اس نے تجسس سے پوچھا۔

"میں گاؤں میں ایک اسکول بنانا چاہتی ہوں، جہاں میری طرح جتنی بھی لڑکیاں پڑھنا چاہیں، وہ آکر مفت تعلیم حاصل کر سکیں۔ میں چاہتی ہوں کہ ہر لڑکی کچھ نہ کچھ بنے، نہیں تو کم از کم پڑھی لکھی تو کہلائے۔"

جہانگیر نے ہلکی سی مسکراہٹ دبا لی۔ "تم دوسروں کی فکر چھوڑو اور اپنی پڑھائی پر دھیان دو۔ ان کو پڑھا کر کیا ملے گا؟ وہ بھی مفت میں؟"

ماہ پارہ جیسے برا مان گئی۔ "ایسا نہیں ہے۔ میں اتنی خود غرض نہیں ہوں کہ صرف اپنے بارے میں سوچوں۔ اور رہی بات 'مفت' کی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں کوئی اپنی بیٹی کو پڑھنے کے لیے پیسے نہیں دے گا۔ میں نہیں چاہتی کہ وہ کم عمری میں شادی جیسے جھنجھٹ میں پھنس جائیں۔"

جہانگیر کے لبوں پر ہلکی مسکراہٹ آئی۔ وہ اسے اب تک بچی سمجھ رہا تھا، مگر اس کی سوچ، اس کی باتیں، سب کچھ بالکل مختلف تھا۔ اس کی آنکھوں میں خواب تھے، جنہیں وہ حقیقت میں بدلنا چاہتی تھی۔

"تمہارے سارے خواب میری ذمہ داری ہیں۔ تم بس اپنے بارے میں سوچو، باقی سب میں سنبھال لوں گا۔"

جہانگیر کو نہ صرف اس کی آنکھیں خوبصورت لگ رہی تھیں بلکہ اس کی باتیں بھی۔ وہ اسے اب تک صرف ایک بچی سمجھ رہا تھا، مگر اس کی سوچ حیران کر دینے والی تھی۔ اس کی آواز میں کچھ ایسا تھا جو ہر لفظ کو جادوئی بنا دیتا تھا۔ ان دونوں کی سوچ میں ایک حد تک مماثلت تھی، اور یہ احساس جہانگیر کو بے حد خوشی دے رہا تھا۔

وہ مسکرایا۔ "تمہارے سارے خواب میری ذمہ داری ہیں۔ تم بس اپنے بارے میں سوچو باقی سب کچھ میں سنبھال لوں گا۔"

جہانگیر نے گاڑی کا رخ بازار کی طرف موڑ دیا۔ وہ ایک اچھی جگہ تلاش کر رہا تھا جہاں وہ ماہ پارہ کے لیے ضروری چیزیں خرید سکے۔ ماہ پارہ خاموشی سے باہر دیکھ رہی تھی۔ یہ سب اس کے لیے نیا تھا۔ اس نے کبھی ایسی خریداری کے بارے میں نہیں سوچا تھا، نہ ہی اسے ان چیزوں کی طلب تھی۔

جب وہ دونوں دکان میں داخل ہوئے تو ماہ پارہ نے خود چند کپڑے منتخب کیے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ وہ کسی کے بغیر اپنی مرضی سے کپڑے خرید رہی تھی۔ اس نے جہانگیر کی پسند کے مطابق بھی دو جوڑے لیے، اور بس۔ جہانگیر نے مزید لینے پر اصرار کیا، مگر ماہ پارہ نے سختی سے منع کر دیا۔

"بس، میں تھک گئی ہوں۔ مجھے نیند بھی آ رہی ہے۔" وہ منہ بنا کر بولی۔

جہانگیر نے اس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے اس کے جوتوں کی طرف دیکھا اور بولا۔ "ہم نے جوتے تو لیے ہی نہیں۔"

وہ دونوں جوتوں کی دکان پر پہنچے۔ دکاندار نے کئی اقسام کے جوتے نکال کر ان کے سامنے رکھ دیے۔

جہانگیر نے اسے جو پسند آئے لینے کا کہا، مگر ماہ پارہ نے پھر زیادہ خرچ کرنے سے منع کر دیا۔

جہانگیر اس بار خاموش رہا، لیکن جب دکاندار جھک کر اس کے پاؤں میں جوتے پہنانے کے لیے ہاتھ بڑھانے لگا تو جہانگیر نے فوراً اس کا ہاتھ روک لیا۔

"میری بیوی ہے، میں خود پہنا سکتا ہوں۔"

ماہ پارہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔ وہ کچھ کہنے ہی والی تھی کہ جہانگیر جھک کر بیٹھ گیا اور نرمی سے اس کا پاؤں اپنے گھٹنے پر رکھا۔

"یہ کیا کر رہے ہیں؟ میں خود پہن سکتی ہوں۔" اس نے مدھم آواز میں کہا۔

"خاموش رہو۔" جہانگیر نے نرمی مگر قطعیت سے کہا اور ایک کے بعد ایک جوتا اسے پہنا کر دیکھنے لگا۔

ماہ پارہ ہچکچائی، لیکن پھر خاموش ہو گئی۔ جہانگیر نے دو جوڑے پسند کیے اور انہیں پیک کروا دیا۔

جب وہ باہر نکلے تو اس نے گاڑی کی طرف بڑھتے ہوئے پوچھا۔ "اب بتاؤ، کیا کھانا ہے؟"

"میں کچھ نہیں کھانا چاہتی، مجھے نیند آ رہی ہے۔" جہانگیر نے ایک نظر اس کے چہرے پر ڈالی۔ وہ واقعی تھک چکی تھی۔ اس کی آنکھیں نیند سے بوجھل ہو رہی تھیں۔

"تم کتنا سوتی ہو، ماہ پارہ؟ ہم نے ابھی تک میٹھا بھی نہیں کھایا!" جہانگیر نے بچوں جیسے انداز میں شکایت کی۔ "تمہیں نہیں پتا، میں میٹھا کھائے بغیر نہیں سوتا۔ جب تک کچھ میٹھا نہ کھا لوں، نیند نہیں آتی۔"

"ٹھیک ہے، لیکن میں قلفی جلیبی کھاؤں گی۔" اس نے اپنی پسند ظاہر کی۔

جہانگیر نے دُور جلیبی کی دکان پر نظر ڈالی۔ "جلیبی کے لیے ہمیں اس طرف جانا پڑے گا۔ چلو، پہلے قلفی کھا لیتے ہیں، پھر جلیبی بھی لے لیں گے۔"

ماہ پارہ نے فوراً انکار میں سر ہلایا۔ "نہیں، مجھے دونوں ایک ساتھ کھانی ہیں، جلیبی پر قلفی لگا کر!"

جہانگیر نے حیرانی سے اسے دیکھا۔ "جلیبی پر قلفی لگا کر؟ تمہیں اندازہ ہے، تم کیا کہہ رہی ہو؟"

ماہ پارہ نے اطمینان سے سر ہلایا۔ "ہاں، بالکل! اور میں یہی کھاؤں گی۔ اگر آپ نہیں کھلانا چاہتے، تو الگ بات ہے۔" وہ خفا ہو گئی۔

جہانگیر نے اس کے چہرے پر نظر ڈالی، پھر ایک گہرا سانس لے کر ہاتھ کے اشارے سے اسے وہیں رکنے کو کہا اور خود جلیبی لینے چلا گیا۔ کچھ دیر بعد وہ جلیبیاں لے کر واپس آیا اور خاکی کاغذ میں لپٹی ہوئی جلیبیاں ماہ پارہ کی طرف بڑھائیں۔

"یہ لو، تمھاری جلیبیاں۔"

پھر اس نے قلفی والے سے دو قلفیاں لیں اور ایک ماہ پارہ کی طرف بڑھا دی۔ جہانگیر خاموشی سے قلفی کھا رہا تھا، لیکن اس کی نظریں ماہ پارہ کی حرکتوں پر تھیں۔ وہ بڑی توجہ سے جلیبی پر قلفی لگا رہی تھی۔

ماہ پارہ نے قلفی جلیبی اس کی طرف بڑھائی، لیکن جہانگیر نے فوراً منہ پھیر لیا۔ وہ خفا ہوئی، مگر زیادہ بحث کیے بغیر کندھے اچکا کر خود ہی کھانے لگی۔

جیسے ہی اس نے قلفی میں ڈوبی جلیبی کا پہلا نوالہ لیا، اس کے چہرے پر خوشی کی ایک عجیب سی لہر دوڑ گئی۔ وہ مزے سے کھانے میں محو ہو گئی، جیسے یہ دنیا کی سب سے لذیذ چیز ہو۔

جہانگیر نے غیر ارادی طور پر مڑ کر اسے دیکھا اور دیکھتا ہی رہ گیا۔ ماہ پارہ کی آنکھوں میں چمک تھی، اور وہ مکمل انہماک کے ساتھ قلفی جلیبی کھا رہی تھی۔ ایک لمحے کے لیے جہانگیر کے دل میں بھی آیا کہ وہ یہ عجیب امتزاج چکھ کر دیکھے، لیکن اگلے ہی لمحے اس نے یہ خیال جھٹک دیا اور دوبارہ مسکراتے ہوئے دوسری طرف دیکھنے لگا۔

* * * * * *

حویلی کے وسیع لان میں، جہاں گاؤں کے تمام معتبر افراد جمع تھے، وہ اعتماد سے بیٹھا تھا۔ وہ سیاہ شلوار قمیض میں ملبوس تھا، جس کی آستینیں کہنیوں تک چڑھی ہوئی تھیں۔

"حسن، دادا جان اور بابا کہاں رہ گئے؟" جہانگیر نے اپنے پیچھے کھڑے حسن سے پوچھا۔

"وہ دیکھیں، آ گئے۔" حسن نے ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جواب دیا۔

امان اللہ اور داؤد علوی آہستہ آہستہ قدم بڑھاتے ہوئے آئے اور وہاں رکھی صوفہ چیئرز پر وقار کے ساتھ بیٹھ گئے۔ امان اللہ علوی نے ہاتھ کے اشارے سے جہانگیر کو بات شروع کرنے کا کہا۔

"میں نے آپ سب کو یہاں ایک اہم معاملے پر بات کرنے کے لیے بلایا ہے۔" جہانگیر کا لہجہ سنجیدہ اور رعب دار تھا۔

"کس بارے میں، چھوٹے سردار؟" گاؤں کے ایک بزرگ نے سوال کیا۔

"گاؤں میں کچھ تبدیلیاں لانے کے لیے۔" جہانگیر نے دو ٹوک انداز میں کہا۔

داؤد علوی نے غصے سے امان اللہ کی طرف دیکھا اور دھیمے مگر سخت لہجے میں کہا۔ "بابا، یہ پھر سے کوئی ایسا قدم اٹھانے جا رہا ہے جو مجھے بالکل پسند نہیں آئے گا۔ اسے روکیے، ورنہ میرا طریقہ آپ کو اچھا نہیں لگے گا۔"

"پہلے اس کی بات تو سن لو۔" امان اللہ نے غصے سے داؤد کو ٹوکا۔ انھوں نے ضبط سے مٹھیاں بھینچ لیں۔

"گاؤں میں لڑکیوں کے لیے ایک اسکول بنانا ہے۔ یہاں ایک ایسا ادارہ قائم کیا جائے گا جہاں صرف گاؤں کی بچیاں تعلیم حاصل کر سکیں گی، وہ بھی بغیر کسی فیس کے۔" جہانگیر نے بلا کسی جھجک سیدھا مدعے پر آتے ہوئے کہا۔

جہانگیر کی یہ بات سنتے ہی جیسے پورے مجمع میں ہلچل مچ گئی۔ کچھ لوگ حیرت زدہ تھے، کچھ کے چہرے غصے سے سرخ ہو گئے، اور کچھ کو یہ فیصلہ مضحکہ خیز لگا۔

"یہ سب فضول کام ہیں۔ ہمارے پاس اتنا وقت نہیں کہ ان پر ضائع کریں۔" ایک آدمی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"جہانگیر، یہ ناممکن ہے! تم کیسی باتیں کر رہے ہو؟" داؤد علوی غصے سے کھڑے ہو گئے۔

"بابا، کچھ بھی ناممکن نہیں ہوتا۔ میں صرف ایک اسکول بنانے کی بات کر رہا ہوں، اور اگر یہ لوگ واقعی چاہیں تو یہ سب ممکن ہے۔" جہانگیر نے پر سکون مگر مضبوط لہجے میں کہا۔

"اور تمہارے اس اسکول میں کون اپنی بیٹی کو بھیجے گا؟ کیا یہ اسکول بھوتوں کے لیے بنا رہے ہو؟ اگر تم واقعی سنجیدہ ہو، تو کسی ایک لڑکی کو میرے سامنے لا کر دکھاؤ، تب میں مانوں گا۔" داؤد علوی نے ہنستے ہوئے چیلنج کیا۔

"ماہ پارہ ہو گی اس اسکول کی پہلی شاگرد۔" جہانگیر نے بغیر کسی تاخیر کے جواب دیا۔

یہ سن کر پورے مجمع میں خاموشی چھا گئی۔ داؤد علوی کا غصہ مزید بھڑک اٹھا۔

"دیکھ رہے ہیں آپ؟ میں نے کہا تھا نا، آج یہ ایک معمولی سی ملازم کی بیٹی کے لیے پورا اسکول بنوانا چاہتا ہے! کل کو یہ حویلی بھی اسی کے نام کر دے گا!" ان کی آواز بلند ہوتی جا رہی تھی، وہ غصے سے ہاتھ اٹھا کر بول رہے تھے۔

"بابا، بہتر ہوگا کہ آپ آرام سے بات کریں۔ میں ہر حال میں اسکول بناؤں گا، آپ کے شور مچانے سے میرا فیصلہ نہیں بدلے گا۔" جہانگیر نے پُرسکون لہجے میں کہا۔

پھر وہ مجمع کی طرف دیکھ کر مزید سخت لہجے میں بولا۔ "بہتر ہوگا کہ آپ سب میری بات سن لیں۔ میں نے آپ کو یہاں آپ کی اجازت لینے کے لیے نہیں بلایا، بلکہ اپنا فیصلہ سنانے کے لیے بلایا ہے، اور یہ فیصلہ آپ سب کو ہر حال میں ماننا پڑے گا۔"

"ٹھیک ہے، مگر اپنی بیٹیوں کو اسکول بھیجنا یا نہ بھیجنا ہم پر منحصر ہے۔ اس کا فیصلہ آپ نہیں کر سکتے، چھوٹے سردار!" گاؤں کے وہی بزرگ آدمی ایک بار پھر بولے۔

جہانگیر نے گہری سانس لے کر دوبارہ بات شروع کی۔ "اگر آپ کی بیٹی تعلیم یافتہ ہو جائے تو کیا نقصان ہوگا؟ اگر وہ وکیل، ڈاکٹر یا کچھ بھی بن جائے، تو اس کا فائدہ تو گاؤں والوں ہی کو ہوگا۔"

"کیا ہم بیوقوف ہیں کہ اپنی لڑکیوں کو پڑھا کر انھیں سر پر چڑھا دیں؟ کل کو وہ شہر جا کر وہاں کی لڑکیوں کی طرح حرکتیں کرنے لگیں، تو ہم کیا کریں گے؟ یہاں ہم بیٹیوں کو پڑھا کر خود پر مسلط نہیں کرتے!" بزرگ آدمی نے فوراً اس کی بات کاٹتے ہوئے طنزیہ لہجے میں کہا۔

ان کی آواز اتنی بلند تھی کہ گھر کے اندر بیٹھی امینہ ضبط سے اپنی مٹھیاں بھینچنے لگیں۔ ان کا غصہ ماہ پارہ پر اتر رہا تھا۔ دل چاہ رہا تھا کہ اسے مار مار کر

حویلی سے باہر نکال دیں۔ اگر ان کا بیٹا گاؤں والوں کی مخالفت میں کھڑا تھا، ان کی نظروں میں ذلیل ہو رہا تھا، تو یہ سب صرف ماہ پارہ کی وجہ سے تھا۔

"آپ یہ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟ آپ نے اپنے بیٹوں کو پڑھا کر کون سا تیر مار لیا؟ رات کو گلیوں میں آوارہ پھرتے ہیں، لڑکیوں پر گندی نظر رکھتے ہیں اور..."

"تو آدھی رات کو وہاں لڑکیاں کیا کر رہی ہوتی ہیں؟" بزرگ آدمی نے طیش سے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "وہ لڑکے ہیں، جہاں چاہیں جا سکتے ہیں! ہم انہیں کیوں روکیں؟" وہ اس وقت اپنے بیٹوں کی غلطیوں کا دفاع کر رہے تھے۔

جہانگیر نے ضبط سے آنکھیں بند کر کے دوبارہ کھولیں۔ "خدا کے لیے میری بات سن لیں..."

"بس کرو جہانگیر، بس کرو! جب یہ گاؤں والے بدلنا ہی نہیں چاہتے تو تم ان کے پیچھے کیوں پڑے ہو؟" داؤد علوہ نے جھنجھلا کر کہا۔

"بابا، کیا آپ میری بات کے درمیان مجھے ٹوکنا بند کریں گے؟ کیا میں اپنی بات مکمل کر سکتا ہوں؟"

داؤد نے ناگواری سے آنکھیں گھمائیں لیکن خاموش رہے۔

"میری بات کوئی نہیں کاٹے گا، کوئی بھی نہیں!" جہانگیر نے سختی سے انگلی اٹھا کر سب کو تنبیہ کی۔

"ہمارے معاشرے میں لڑکیوں کی تعلیم کو بے راہ روی کا سبب سمجھا جاتا ہے۔ اگر وہ پڑھتی ہے تو گویا ہاتھ سے نکل جائے گی۔ درحقیقت، آپ لوگ عورت کی آزادی سے خوفزدہ ہیں۔اس کے اپنے فیصلے خود کرنے سے، اپنے قدموں پر کھڑے ہونے سے، اپنے اخراجات خود اٹھانے سے۔ آپ کو یہ سب اس لیے گوارا نہیں کیونکہ یہ سب ہمیشہ مردوں کا اختیار رہا ہے۔ اگر کوئی عورت یہ سب کرے تو آپ کی انا کو ٹھیس پہنچتی ہے۔ آپ عورت کی خودمختاری برداشت نہیں کر سکتے۔ اس میں آپ لوگوں کا قصور نہیں، بلکہ ان بزرگوں کا

NOVEL HUT

قصور ہے جنہوں نے نسل در نسل عورت کے متعلق فرسودہ خیالات آپ کے ذہنوں میں بھر دیے ہیں۔"

یہ کہہ کر وہ لمحہ بھر کو رکا اور قہر برساتی نظروں سے سب کو گھورا۔

بزرگ آدمی طنزیہ انداز میں ہنسا۔ "تمہاری ان باتوں کا ہم پر کوئی اثر نہیں ہوگا۔ تقریر اچھی تھی، مگر اس سے ہمیں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ ہم آپ کے چند لفظوں سے اپنے اصول نہیں بدل سکتے۔"

"ہاں، آپ ہمیں مجبور نہیں کر سکتے۔ آپ اسکول بنا سکتے ہیں، جو چاہیں کر سکتے ہیں، لیکن ہم اپنی بیٹیوں کو اسکول نہیں بھیجیں گے!" دیگر لوگ بھی اس بات سے متفق نظر آئے۔

جہانگیر نے غصے سے اپنی مٹھیاں بھینچ لیں، جبڑا سخت ہوگیا۔ یہ سب سراسر ناانصافی تھی۔

وہ گہری سانس لے کر بولا۔ "ٹھیک ہے، جیسے آپ لوگوں کی مرضی۔ لیکن اسکول تو بن کر رہے گا، چاہے اس میں کوئی پڑھے یا نہیں!"

یہ کہہ کر وہ رکا نہیں، لمبے لمبے قدموں سے وہاں سے نکل گیا۔

* * * * * *

جہانگیر اپنی مخصوص کرسی پر بیٹھا تھا۔ اس کا مطالعہ خانہ اتنا ہی کشادہ، دلکش اور کتابوں سے مملو تھا جتنا اس کا ذاتی کمرہ۔ مطالعہ میز کے بالکل سامنے دیوار پر دو شیلف نصب تھے، جب کہ دائیں اور بائیں دیواروں پر بھی ایک ایک شیلف جڑا ہوا تھا۔ ہر شیلف کے ساتھ ایک گلدان رکھا ہوا تھا۔ مطالعہ میز پر چند کتابیں، ایک قلم دان، دو تین چھوٹے مصنوعی گلدان اور ایک ٹائپ رائٹر بھی موجود تھا۔ میز کے عقب میں دیوار پر جہانگیر کی ایک بڑی تصویر آویزاں تھی، اور کمرے کے عین وسط میں ایک گول قالین بچھا ہوا تھا۔

وہ آنکھیں بند کیے کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا، کل کا منظر اس کے ذہن میں گھوم رہا تھا۔ دروازے پر دو تین بار دستک ہوئی تو اس نے آنکھیں کھولیں۔ اس کی سیاہ آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ وہ اٹھا، چند قدم

دروازے کی طرف بڑھا، پھر رک کر میز سے کتابیں اٹھا کر ان کی جگہ پر رکھ دیں۔

وہ واپس دروازے کی طرف آیا، ہینڈل گھما کر دروازہ کھولا تو دیکھا کہ ماہ پارہ وہاں کھڑی تھی۔ جہانگیر نے دروازہ پورا کھول دیا اور اسے اندر آنے کا اشارہ کیا۔ ماہ پارہ حیرت سے کمرے کا جائزہ لے رہی تھی۔

"یہاں کیوں آئی ہو؟" جہانگیر نے اپنی کرسی پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"میرے پاس کرنے کے لیے اور کچھ نہیں تھا، تو میں نے سوچا کہ یہ کمرہ دیکھ لوں۔" وہ ابھی تک کمرے کے ہر گوشے کا مشاہدہ کر رہی تھی۔

"کتاب۔۔۔" وہ کچھ کہتے ہوئے رکا، پھر سیدھا ہو کر بولا۔ "کیا تمہیں پڑھنا آتا ہے؟"

"ہاں، میں پڑھ سکتی ہوں۔" ماہ پارہ نے جواب دیا اور جہانگیر کے مقابل رکھی کرسی میں سے ایک کھینچ کر بیٹھ گئی۔

"کیسے؟ میرا مطلب ہے کہ تم اسکول تو گئی نہیں، پھر تمہیں پڑھنا کیسے آگیا؟"

جہانگیر حیرت سے بولا۔

"میری دوست ہریرہ کے ابا اسکول میں استاد تھے۔ وہ گھر آکر ہریرہ کو پڑھاتے تھے، اور پھر اگلے دن ہریرہ وہی سبق مجھے سکھاتی تھی۔" ماہ پارہ مسکرا کر بولی۔

جہانگیر اس کی لگن دیکھ کر متاثر ہوا۔ اسے خوشی ہوئی کہ ماہ پارہ میں کچھ بننے کا جذبہ تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر وہ ماہ پارہ کی مدد کرے تو اس کی محنت رائیگاں نہیں جائے گی۔

"بہت خوب! کیا تم انگریزی کتابیں بھی پڑھتی ہو؟"

"ہاں، لیکن زیادہ نہیں۔" ماہ پارہ نے کتابوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "میرا مطلب ہے کہ موٹی کتابوں میں لکھی انگریزی تھوڑی مشکل لگتی ہے، مجھے سادہ انگریزی پسند ہے۔"

NOVEL HUT

جہانگیر نے ماہ پارہ کو دیکھا، اس کی نظریں کتابوں سے ہٹ ہی نہیں رہی تھیں۔ وہ پہلے مسکرایا، پھر ہنس دیا۔ ماہ پارہ نے فوراً چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

ہنستے ہوئے جہانگیر اور بھی دلکش لگ رہا تھا۔ جیسے ماہ پارہ کی آنکھیں بے حد خوبصورت تھیں، ویسے ہی جہانگیر کی ہنسی میں ایک الگ سی کشش تھی۔ اگر کوئی اسے مسکراتے ہوئے دیکھ لیتا، تو اس کے لیے نظریں ہٹانا مشکل ہو جاتا۔

"آپ ہنس کیوں رہے ہیں؟" وہ کھوئے ہوئے انداز میں بولی۔

"ماہ پارہ، انگریزی ایک ہی ہوتی ہے۔ تم نے ضرور کوئی ایسی کتاب پڑھی ہوگی جو تمہارے پڑھنے کے لیے نہیں تھی۔" جہانگیر نے اٹھ کر ماہ پارہ کو بھی کھڑے ہونے کا اشارہ کیا۔

NOVEL HUT

"اگر تم اس شیلف سے کوئی کتاب اٹھا کر پڑھو گی، تو تمہیں انگریزی مشکل نہیں لگے گی۔ بس یاد رکھنا، میں تمہیں صرف اس شیلف کی کتابیں پڑھنے کی اجازت دے رہا ہوں۔"

وہ دائیں دیوار پر لگے شیلف کے پاس کھڑا تھا اور اپنی مخصوص سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔ حالانکہ وہ اپنی کتابیں کسی کو دینا پسند نہیں کرتا تھا، لیکن ماہ پارہ کی بات الگ تھی۔

یہ دونوں بہت تیزی سے ایک دوسرے کے قریب آ رہے تھے۔ شاید حسن کا اس شام ان دونوں کو ساتھ بھیجنا غلط فیصلہ نہیں تھا۔

"ہاں، ٹھیک ہے! یہ کتابیں بہت زیادہ ہیں۔ اب میں بیٹھے بیٹھے بور نہیں ہوں گی۔" ماہ پارہ نے شیلف سے ایک کتاب نکالتے ہوئے کہا۔

جہانگیر اسے خوش دیکھ کر مسکرا دیا۔ ماہ پارہ کے آنے سے وہ آج کل کچھ زیادہ ہی مسکرانے لگا تھا۔ اس نے سر جھٹکا، چہرے پر سنجیدگی کے تاثرات سجائے اور واپس اپنی جگہ پر آ کر بیٹھ گیا۔

******

چھ دن اسی طرح گزر گئے۔ داؤد علوی اور اینہ کے علاوہ گھر کے باقی افراد پہلے کی طرح جہانگیر سے بات کر رہے تھے۔ اینہ سخت خفا تھیں اور انھوں نے جہانگیر سے بات کرنا بھی چھوڑ دیا تھا۔ انہیں اس پر شدید غصہ اور ناراضگی تھی۔ اس دن کے بعد جہانگیر اور ماہ پارہ کے درمیان کوئی خاص بات نہیں ہوئی۔ وہ بے حد مصروف تھا، اور اس کی سب سے بڑی مصروفیت گاؤں میں اسکول بنانا تھی۔ وہ اس پراجیکٹ کے لیے دن رات محنت کر رہا تھا۔

اس وقت بھی جہانگیر تھکا ہارا ڈیرے سے واپس آ رہا تھا۔ وہ پہلے کبھی وہاں نہیں گیا تھا، لیکن پچھلے کچھ دنوں سے اس کا آنا جانا بڑھ گیا تھا۔ امان اللہ اس بات پر خوش تھے کیونکہ وہ چاہتے تھے کہ جہانگیر گاؤں کے معاملات کو سمجھے، مگر داؤد علوی کو یہ سب پسند نہیں تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ جہانگیر واپس لندن جا کر اپنی وکالت کی پریکٹس کرے اور ہمیشہ کے لیے وہیں رہے۔ ان کے نزدیک

گاؤں میں کچھ بھی قابلِ قدر نہیں بچا تھا، اور اگر جہانگیر شہر میں بھی رہے تو وہاں اس کی وکالت زیادہ کام نہیں آئے گی۔

وہ راستے میں گاڑی چلاتے ہوئے سوچوں میں گم تھا، نظریں سڑک پر تھیں، مگر ذہن کہیں اور۔ اچانک اس نے ایک لڑکی کو دیکھا جو سر جھکائے، آنسو بہاتے ہوئے بے خبر انداز میں چل رہی تھی۔ جہانگیر نے گھبرا کر پوری رفتار سے بریک لگائی۔ گاڑی ایک جھٹکے سے رکی، اور وہ غصے سے لال چہرے کے ساتھ فوراً نیچے اترا۔

جہانگیر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ وہ لڑکی خود ہی بول پڑی۔ "آپ مجھ پر غصہ مت کیجیے گا۔"

وہ تھوڑا حیران ہوا، لیکن خاموش رہا۔

"میں مانتی ہوں، میری غلطی تھی۔ مجھے دیکھ کر چلنا چاہیے تھا۔ میں معذرت چاہتی ہوں۔" اس نے جلدی سے آنسو پونچھے اور آگے بڑھنے لگی۔

جہانگیر نے ایک قدم آگے بڑھا کر اسے روکا۔ "کیا میں وجہ جان سکتا ہوں؟ کیا پریشانی ہے جو تمہیں یہ بھی نہیں دکھائی دیا کہ گاڑی آگے سے آرہی ہے؟ اگر لگ جاتی تو؟" اس کا لہجہ نہ سخت تھا نہ نرم۔

"لگ جاتی، کاش لگ جاتی۔ اس زندگی سے تو موت بہتر ہے۔" وہ ایک بار پھر رونے لگی۔

جہانگیر کو اس کی بات بری لگی۔ اس نے فوراً ٹوکا۔

"بری بات ہے، ایسے نہیں کہتے۔ زندگی سے یوں مایوس نہیں ہوتے۔ اگر کوئی پریشانی ہے تو یقیناً اس کا حل بھی ہوگا۔ اس طرح اللہ سے اپنی موت کی دعائیں مانگنا غلط ہے، گناہ ہے۔ لوگ لمبی عمر کی دعا کرتے ہیں، اور ایک تم ہو جو موت مانگ رہی ہو؟"

لڑکی تلخی سے مسکرائی۔ "تو اور کیا کیا جائے؟ میرے خیال میں لڑکی ہونا سب سے بڑا گناہ ہے۔" وہ کچھ توقف کے بعد بولی۔ "لگتا کیا ہے، لڑکی ہونا گناہ

ہی تو ہے۔ ہماری اپنی کوئی زندگی نہیں، ہمیں ہمیشہ اپنے گھر کے مردوں کے پیچھے چلنا ہے، ہمیشہ ان کا غلام بن کر رہنا ہے۔" اس کے لہجے میں درد تھا۔

جہانگیر نے گہری سانس لی اور جیپ کے قریب جا کر ٹیک لگا لی۔ پھر بولا۔ "تمہاری بات میں وزن ہے، لیکن تم رو کیوں رہی تھی؟" وہ موضوع بدلنا چاہتا تھا۔

"اگلے ہفتے گاؤں میں ریسنگ کا مقابلہ ہے۔ میں اس میں حصہ لینا چاہتی تھی اور اپنا نام رجسٹر کروانے گئی تھی، لیکن..." وہ مایوس ہو گئی۔ "انہوں نے مجھے یہ کہہ کر منع کر دیا کہ میں لڑکی ہوں اور یہ ریس صرف لڑکوں کے لیے ہے۔"

جہانگیر نے اس کی بات سنی اور کچھ لمحے سوچتا رہا، پھر پرسکون انداز میں بولا۔ "فکر مت کرو، میں کچھ کرتا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ جیپ کی طرف بڑھا، پھر رک کر پلٹا اور مسکرا کر بولا۔ "کل ایک کام کرو، علوی حویلی آؤ۔ سمجھو تمہارا کام ہو جائے گا۔"

لڑکی نے حیرانی سے اسے دیکھا، پھر ہلکی سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر آئی۔

* * * * * *

ایک بار پھر گاؤں والوں کو حویلی کے عقب میں جمع کیا گیا تھا۔ تیز دھوپ میں سب موجود تھے۔ امان اللہ کسی کام سے ڈیرے گئے ہوئے تھے، جبکہ داوّد علوی شہر میں تھے، جس کی بدولت آج جہانگیر کو بلا کسی رکاوٹ کے اپنی بات کہنے کا موقع ملا تھا۔

وہ حسن کے ساتھ دو صوفہ چیئرز پر بیٹھا تھا، ٹانگ پر ٹانگ جمائے، روایتی سرداروں کے انداز میں۔ وہ سرمئی شلوار قمیض میں ملبوس تھا، اور ہمیشہ کی طرح اس کی آستینیں کہنیوں تک لپٹی ہوئی تھیں۔

"آج کس کام کے لیے ہمیں بلایا گیا ہے؟" وہی بزرگ آدمی، جو ہمیشہ ہر معاملے میں پیش پیش رہتے تھے، اکتاہٹ سے بولے۔

NOVEL HUT

جہانگیر نے تھوڑا آگے جھک کر حسن سے سرگوشی کی۔ "انہیں دوبارہ کس نے بلایا؟" حسن نے مسکرا کر کندھے اچکا دیے۔

"اگلے ہفتے ریسنگ کا مقابلہ ہے، اس لیے یہ بتائیں کہ نام درج کرنے کی ذمہ داری کس کی ہے؟" جہانگیر نے دھوپ کی شدت سے آنکھیں سکڑتے ہوئے سوال کیا۔

"یہ ذمہ داری میری ہے، کیوں؟" بزرگ آدمی نے سخت لہجے میں جواب دیا۔

جہانگیر نے ایک بار پھر حسن کی طرف جھک کر سرگوشی کی۔ "انہیں یہ ذمہ داری کس نے دی؟" حسن نے ایک بار پھر کندھے اچکا دیے۔

"اس مقابلے میں ایک اور نام شامل کروانا ہے۔" جہانگیر نے ضبط سے مٹھیاں بھینچ کر کہا۔

"کس کا؟" بزرگ نے سوال کیا۔

"اس لڑکی کا۔" جہانگیر نے دور سے آتی ہوئی ایک لڑکی کی طرف اشارہ کیا۔

NOVEL HUT

"لڑکی؟" بزرگ آدمی حیرت سے بڑبڑائے۔

"کیوں؟ کیا لڑکیاں دوڑ میں حصہ نہیں لے سکتیں؟" جہانگیر نے سوالیہ انداز میں ایک ابرو اٹھائی۔

"نہیں... نہیں لے سکتیں!" بزرگ آدمی نے درشتی سے جواب دیتے ہوئے سختی سے انکار کیا اور کھڑے ہو گئے۔

"بیٹھ جائیے، میری بات ابھی مکمل نہیں ہوئی۔" جہانگیر نے شائستگی مگر مضبوط لہجے میں کہا۔

"تم سردار کے پوتے ہو، تبھی تمہاری بات سن رہے ہیں، ورنہ ہمیں بھی جواب دینا آتا ہے۔" بزرگ آدمی نے غصے سے کہا۔

جہانگیر آگے کو جھکا اور گہری نظروں سے انہیں دیکھتے ہوئے بولا۔ "مجھے ایک بات بتائیں، یہ تعلیم، یہ آزادی، یہ خود مختاری۔ یہ سب صرف مردوں کے لیے ہی کیوں؟ عورتوں کا بھی اتنا ہی حق ہے جتنا مردوں کا۔ میں مساوات پر یقین

رکھتا ہوں اور اسی اصول کے تحت اس لڑکی کا نام ریس میں شامل کیا جائے گا۔"

اس کا لہجہ فیصلہ کن تھا، اور حویلی کے عقب میں گہری خاموشی چھا گئی۔

"کیا ہمیں صرف ایک لڑکی کے لیے اپنے قوانین توڑنے چاہییں؟" وہ کچھ دیر سوچنے کے بعد بولے۔

جہانگیر نے نفی میں سر ہلایا۔

"ایک نہیں، دو۔" اس نے دو انگلیاں اٹھائیں۔ "ایک میری بیوی، ماہ پارہ، اور..." اس نے اس لڑکی کی طرف دیکھا۔

"منہا... منہا رمیض۔" وہ خوشی سے چہک کر بولی۔

"اور تیسرا نام، رنزہ داؤد علوی۔" رنزہ بھاگتی ہوئی جہانگیر کے قریب آئی۔

جہانگیر مسکرا دیا۔ "تو پھر تین نام ہو گئے، ٹھیک؟" اس نے حسن کی طرف دیکھا۔

"جی بھائی، پورے تین نام!" حسن نے تصدیق کی۔

بزرگ آدمی سخت تاثرات کے ساتھ انہیں گھورتے رہے، جبکہ جہانگیر بھی اسی سنجیدگی سے ان کی طرف دیکھتا رہا، پھر اٹھ کھڑا ہوا۔

"آپ سب جا سکتے ہیں، اپنا قیمتی وقت دینے کا شکریہ۔"

یہ کہہ کر جہانگیر نے رنزہ کو گود میں اٹھایا اور گھر کے اندر چلا آیا۔ لاؤنج میں داخل ہوتے ہی اس نے رنزہ کو نیچے اتارا اور اِدھر اُدھر نظریں دوڑائیں، لیکن لاؤنج خالی تھا۔

وہ تیز قدموں سے اینہ کے کمرے کی طرف بڑھا، مگر وہاں بھی کوئی نہیں تھا۔ پھر وہ اپنے کمرے کی طرف لپکا، دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا، لیکن وہاں بھی ماہ پارہ موجود نہیں تھی۔ گھبراہٹ میں اس نے اپنے ماتھے پر ہاتھ رکھا، نظریں چاروں طرف دوڑائیں اور پھر فوراً مطالعہ خانہ کی طرف بڑھا، مگر وہاں بھی وہ نظر نہیں آئی۔

"رنزہ، تمہیں معلوم ہے ماہ پارہ کہاں ہے؟" وہ تیزی سے سیڑھیاں اتر کر نیچے آیا اور لاؤنج میں کھیلتی رنزہ سے پوچھا۔

"وہ کچن میں تھیں۔" رنزہ نے بنا نظر اٹھائے جواب دیا۔

وہ تیزی سے کچن کی طرف بھاگا۔ اندر داخل ہونے ہی والا تھا کہ ماہ پارہ کو دیکھ کر رک گیا۔ کچھ دیر وہ یونہی اسے دیکھتا رہا، پھر بگڑے تیوروں کے ساتھ اس کے قریب آیا۔ وہ سر سے پاؤں تک اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔

ماہ پارہ نے اس وقت ایک قیمتی اور کامدار لباس پہن رکھا تھا۔ اس کے ہاتھوں میں خاندانی کنگن، گلے میں ہار اور کانوں میں چھوٹی سی بالیاں تھیں۔ اس کے بال بندھے ہوئے تھے، مگر دو لٹیں اس کے گالوں کو چھو رہی تھیں۔ وہ پیاز کاٹ رہی تھی، جس کی تیز بو سے اس کی آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔ کبھی وہ چھری والے ہاتھ سے دائیں آنکھ صاف کرتی، کبھی بائیں، اور پھر دوبارہ پیاز کاٹنے میں مصروف ہو جاتی۔

"ماہ پارہ، یہ تم نے کیا پہنا ہوا ہے؟ کس نے کہا کہ اتنا بھاری لباس پہنو اور زیور بھی؟" جہانگیر کا لہجہ سخت تھا۔

"آپ کی ماں سا نے۔" وہ منہ بسورتے ہوئے بولی۔

امینہ نے اپنا غصہ نکالنے کے لیے ماہ پارہ کو یہ سب پہنا دیا تھا اور رات کے مہمانوں کے لیے کھانے کا سارا انتظام بھی اس کے ذمے لگا دیا تھا۔

جہانگیر نے اس کے ہاتھ سے چھری لے کر ایک طرف رکھی، پھر نرمی سے اس کا رخ اپنی طرف موڑا۔ وہ آہستہ آہستہ اس کے کانوں سے بالیاں اتارتا گیا، گلے سے ہار ہٹایا، اور اس کے ہاتھوں سے کنگن نکال کر سائیڈ پر رکھ دیے۔ اس کے بعد جیب سے رومال نکالا اور جھک کر نرمی سے اس کی آنکھیں صاف کرنے لگا۔

ماہ پارہ خاموشی سے اس کی ہر حرکت دیکھ رہی تھی۔ جہانگیر اسے گاؤں کے باقی مردوں سے مختلف لگتا تھا۔ اس نے اپنی کمسنی سے ہی مردوں کو غصے میں دھاڑتے دیکھا تھا، خصوصاً اپنے ابا کو، مگر جہانگیر ایسا نہیں تھا۔ وہ اپنی بیوی کا

خیال رکھنا جانتا تھا، شاید گاؤں میں کسی نے بھی اپنی بیوی کا اتنا خیال نہ رکھا ہو۔

"یہ پیاز کیوں کاٹ رہی تھی؟" جہانگیر نے رومال جیب میں ڈالتے ہوئے پوچھا۔

"آپ کی ماں سا نے کہا تھا کہ آج رات مہمان آئیں گے اور مجھے سارا کھانا بنانا ہوگا۔ ایک اچھی بہو کا فرض ہے کہ وہ ساس کی بات سنے، لیکن..." وہ کہتے کہتے رکی، نظریں اٹھا کر جہانگیر کو دیکھا۔

"لیکن تمہیں کھانا پکانا نہیں آتا؟" جہانگیر نے اس کی ادھوری بات مکمل کی۔

ماہ پارہ نے شرمندگی سے سر ہلایا۔

"جاؤ، جا کر کپڑے تبدیل کر آؤ۔ جو ہم نے لیے تھے، ان میں سے کوئی پہن لو۔ پھر ساتھ میں کھانا بنائیں گے۔" جہانگیر نے تحکم بھرے انداز میں کہا۔

ماہ پارہ خاموشی سے پلٹی اور کچن سے نکل گئی۔ جب وہ واپس آئی تو جہانگیر تقریباً سارا کام کر چکا تھا۔

"یہ.... یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟" وہ حیرت سے جہانگیر کو دیکھتے ہوئے بولی۔

جہانگیر نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا۔ "کھانا بنا رہا ہوں۔"

"اگر کسی نے دیکھ لیا تو کیا سوچے گا؟ یہ کام تو عورتیں کرتی ہیں! آپ پیچھے ہٹیں۔" اس نے نرمی سے جہانگیر کے ہاتھ کو روکا۔

جہانگیر مسکرا دیا۔ "ماہ پارہ، اٹس اوکے۔ تمہیں کھانا پکانا نہیں آتا تو کیا ہوا؟ مجھے تو آتا ہے۔" اس نے پین میں تیل ڈالا۔ "جب میں لندن میں تھا، تو اکیلا رہتا تھا۔ وہاں کا کھانا زیادہ پسند نہیں تھا، تو میں خود پکاتا تھا۔" وہ پیاز کو تیل میں ڈال کر چمچ سے ہلاتے ہوئے بولا۔ "اور یقین کرو، میں نے پہلی بار اتنا مزیدار کھانا بنایا کہ اگر ماں سا ہوتی تو تعریف کرتے کرتے تھک جاتیں۔" اس نے فخر سے کہا۔

ماہ پارہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔ "تو اس کا مطلب ہے کہ آپ نے ابھی تک کسی کے لیے کھانا نہیں بنایا؟ اور کسی کو اس کا علم بھی نہیں؟"

"ہاں، تم پہلی لڑکی ہو جس کے لیے میں کھانا بنا رہا ہوں۔" جہانگیر نے مسکراتے ہوئے کہا اور دوبارہ کھانے کی تیاری میں مشغول ہو گیا۔

ماہ پارہ کے چہرے پر حیا کی سرخی پھیل گئی۔ "لیکن اگر آپ کی ماں سا کو پتا چل گیا تو؟"

جہانگیر نے اس کی بات کاٹ دی۔ "ماں سا کو کون بتا رہا ہے؟"

ماہ پارہ نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ سر جھکا لیا اور خاموشی سے جہانگیر کے ساتھ کھانے کی تیاری میں مدد کرنے لگی۔

*****

رات گئے، جب مہمان جا چکے تھے، جہانگیر ماہ پارہ اور سیف کے ساتھ چہل قدمی کے لیے نکلا۔ وہ سر جھکائے، جیبوں میں ہاتھ ڈالے، خاموشی سے آگے بڑھ رہا تھا، جبکہ ماہ پارہ اور سیف آپس میں نوک جھونک کر رہے تھے۔

NOVEL HUT

"بھائی، آئس کریم کھانے چلیں؟" سیف نے اچانک کہا، اس کی آواز نے جہانگیر کو خیالات کی دنیا سے کھینچ کر حقیقت میں واپس لے آیا۔ وہ چونک کر سیف کی طرف مڑا۔

"ہم جیپ میں نہیں آئے، اور آئس کریم کے لیے ہمیں شہر جانا پڑے گا۔ اس وقت میں کہیں نہیں جا رہا۔" اس نے نرمی سے کہتے ہوئے سیف کے کندھوں پر ہاتھ رکھا اور اس کے گال کھینچ دیے۔

"جہانگیر، چلیں ناں... اب میرا دل چاہ رہا ہے آئس کریم کھانے کا۔" ماہ پارہ نے معصومیت سے کہا۔

جہانگیر نے پہلے سیف کو دیکھا، پھر ماہ پارہ کو۔

"میرا بھی دل کر رہا ہے آئس کریم کھانے کا... چلو چلتے ہیں۔" اس نے آہستہ سے کہا۔ وہ کسی کو بھی انکار کر سکتا تھا، مگر ماہ پارہ کو نہیں۔

سیف نے حیرت سے اسے دیکھا۔ "لیکن بھائی، ابھی تو آپ کہہ رہے تھے کہ شہر نہیں جانا!" اس نے دانت پیستے ہوئے یاد دلایا۔

"وہ... تمہیں تو پتا ہے، میں میٹھا کھائے بغیر نہیں سو سکتا۔" جہانگیر نے نظریں چراتے ہوئے بہانہ بنایا۔

"اسے چھوڑیں، جہانگیر، ہم چلتے ہیں!" ماہ پارہ اچانک اس کا بازو پکڑ کر آگے بڑھنے لگی۔

جہانگیر حیرت سے ساکت رہ گیا۔ نہ وہ اپنی گرفت چھڑا سکا، نہ ہی اسے روک سکا۔ سیف خاموشی سے سینے پر بازو باندھے آگے بڑھ رہا تھا، جبکہ ماہ پارہ اس کی دلی کیفیت سے یکسر بے خبر، بے فکری سے جہانگیر سے باتیں کر رہی تھی ۔ جہانگیر، جو اس کی ایک بھی بات نہیں سن رہا تھا، بس اپنے بازو پر رکھے اس کے ہاتھ کو دیکھ رہا تھا۔

NOVEL HUT

جیسے تیسے یہ سب حویلی پہنچے تو جہانگیر نے سکون کا سانس لیا۔ ماہ پارہ نے بھی آہستہ سے اس کا بازو چھوڑ دیا۔

* * * * * *

جہانگیر صوفے پر بیٹھا کام میں مگن تھا۔ میز پر بکھرے کاغذات، ٹائپ رائٹر، اور ایک چائے کا کپ رکھا تھا، جس سے گرم دھواں اٹھ رہا تھا، جیسے ابھی ابھی لا کر رکھا گیا ہو۔ اس نے عینک پہن رکھی تھی، اور اس کی انگلیاں ٹائپ رائٹر پر تیزی سے چل رہی تھیں۔ اسے یوں مصروف اور پریشان دیکھ کر امان اللہ اس کے قریب آ کر بیٹھ گئے۔

"کام کہاں تک پہنچا؟"

"دادا جان، سب مکمل ہو گیا ہے، بس کچھ پیسوں کا بندوبست کرنا ہے۔" جہانگیر نے مایوسی سے کہا۔ وہ جانتا تھا کہ یہاں کوئی اسے پیسے نہیں دے گا، خاص طور پر داؤد تو بالکل بھی نہیں۔ وہ محض اپنی ڈگری لے کر آیا تھا، اس سے پہلے اس کی کوئی آمدنی نہیں تھی، اور اب کام کے لیے اسے شہر جانا پڑے گا۔

"میں پیسے دوں گا۔ بتاؤ کتنے درکار ہیں؟" امان اللہ نے فوراً پیشکش کی۔

اتفاق سے داؤد وہاں سے گزر رہے تھے۔ ان کی بات سن کر وہ رک گئے۔

"اسے پیسے دینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اگر اسے اسکول بنانے کا اتنا ہی شوق ہے تو اپنی کمائی سے بنائے۔"

جہانگیر کی تیزی سے حرکت کرتی انگلیاں رک گئیں۔ جبڑے بھینچ گئے، آنکھوں میں سرخی اتر آئی۔ وہ کسی بھی رد عمل سے گریز کرنا چاہتا تھا۔ اس نے عینک اتار کر صوفے کی پشت سے ٹیک لگا لی اور آنکھیں بند کر لیں۔ وہ اپنے بابا کی مسلسل مداخلت سے تنگ آ چکا تھا اور مزید کسی بحث میں الجھنا نہیں چاہتا تھا۔

"کیوں بھئی؟ میرا سب کچھ تو اسی کا ہے۔" امان اللہ نے جہانگیر کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"آپ کو اس کی فضول خواہشات کے لیے پیسے دینے کی ضرورت نہیں۔" داؤد نے نظریں جہانگیر پر گاڑتے ہوئے کہا۔

جہانگیر ہلکا سا مسکرا دیا۔ اگر وہ مسکراتے ہوئے خوبصورت لگتا تھا تو داؤد کو یہ مسکراہٹ بری لگتی تھی، کیونکہ وہ ہمیشہ ان کے سامنے طنزیہ مسکراتا تھا، جو

ان کے غصے کو مزید بھڑکا دیتا تھا۔ وہ خاموشی سے داؤد کے وہاں سے جانے کا انتظار کر رہا تھا۔

"دیکھ رہے ہیں آپ؟ اب تو میری باتیں اسے مذاق لگتی ہیں۔ یہ سب آپ کے لاڈ پیار کی وجہ سے ہو رہا ہے۔" داؤد نے سارا الزام امان اللہ پر ڈالتے ہوئے مٹھیاں بھینچیں اور غصے سے وہاں سے چلے گئے۔

"بابا چلے گئے؟" جہانگیر نے بند آنکھوں سے پوچھا۔

امان اللہ مسکرا دیے۔ "ہاں، چلے گئے۔"

جہانگیر نے آنکھیں کھولیں اور سیدھا ہو کر ان کی طرف متوجہ ہوا۔

"دادا جان، مجھے اپنی زمین کے کاغذات درکار ہیں۔ میں وہاں اسکول بنانا چاہتا ہوں۔" وہ دھیمے لہجے میں بولا۔

"میں پیسے دے رہا ہوں، پھر....."

"دادا جان، میں خود دیکھ لوں گا، آپ فکر نہ کریں۔ میں نے ماہ پارہ کی ذمہ داری لی ہے، اور میں اکیلا ہی اس ذمہ داری کو نبھاؤں گا۔" جہانگیر نے مسکرا کر ان کی بات کاٹ دی۔

"بالکل، مجھے اپنے مستقبل کے سردار پر پورا بھروسا ہے۔" امان اللہ کے انداز پر جہانگیر ہنس دیا اور اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

دروازے پر دستک دینے کے بعد جہانگیر نے ہینڈل گھمایا اور اندر داخل ہوا۔ ماہ پارہ دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی، اس کے ہاتھ میں کتاب تھی، اور وہ اس کے مطالعے میں محو تھی۔ جہانگیر کے دستک دینے سے لے کر اس کے کمرے میں آنے تک، اسے کسی چیز کا احساس تک نہ ہوا۔

وہ آکر اس کے قریب ہی دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ وہ اتنا قریب تھا کہ اس کی سانسوں کی آواز سن سکتا تھا۔ کچھ دیر بعد، پرفیوم کی مہک سے ماہ پارہ کو کسی کی موجودگی کا احساس ہوا۔ وہ چونک گئی، کتاب ہٹائی اور گردن موڑ کر دیکھا۔ جہانگیر اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

نظروں کا تبادلہ ہوا۔ سیاہ آنکھیں سنہری آنکھوں سے ملیں۔ وہ لمحہ ٹھہر سا گیا۔ یہ دوسری بار تھا جب جہانگیر نے ان آنکھوں کو اتنے قریب سے دیکھا تھا۔ ان سنہری آنکھوں میں کیا کچھ نہیں تھا؟

ماہ پارہ نے اسے اتنا قریب بیٹھا دیکھا تو ہچکچاتے ہوئے ذرا دور ہوئی۔ تب جہانگیر جیسے ہوش میں آیا۔ وہ حیران تھا کہ اسے کیا ہو گیا تھا۔ سب کچھ دھندلا محسوس ہو رہا تھا، یہاں تک کہ اس کا چہرہ بھی واضح نظر نہیں آ رہا تھا۔ جو کچھ صاف دکھائی دے رہا تھا، وہ صرف وہی سنہری آنکھیں تھیں...

"اُف، اس کی آنکھیں جادو کرتی ہیں۔" جہانگیر دل میں بس اتنا ہی کہہ پایا۔

"آپ کچھ کہنے آئے ہیں؟"

"ہاں... آج ہم باہر گھومنے جا رہے ہیں۔"

"کہاں؟" ماہ پارہ نے کتاب بند کر کے بیڈ پر رکھ دی۔

"میلے میں۔ سیف اور رنزہ بھی جا رہے ہیں۔"

"ہم سیف کو ساتھ نہیں لے کر جائیں گے۔ وہ مجھے تنگ کرتا ہے۔" ماہ پارہ نے منہ بنایا۔

"سیف نے تمہیں کب تنگ کیا؟" جہانگیر نے حیرانی سے پوچھا۔

"اسی دن جب میں یہاں آئی تھی۔ جس رات آپ نے ہمیں ان لڑکوں سے بچایا تھا۔ بابا نے ہمیں کام سے بھیجا تھا، اور میں خاموشی سے اپنا کام کر رہی تھی کہ اچانک پیچھے کسی نے آپ کا گلدان توڑ دیا۔ وہ میں نہیں تھی، لیکن سیف نے مجھ پر الزام لگا دیا تھا۔ اور پھر حسن بھائی اور سیف مجھے جگانے آئے، تو سیف نے مجھ پر پانی پھینک کر جگایا!" وہ بچوں کی طرح شکایت کر رہی تھی۔

(تو اس رات یہ دونوں میرے گھر سے آ رہی تھیں، اور ماں سا نے انہیں بغیر کسی گارڈ کے اکیلے بھیج دیا؟)

"میں تیار ہو کر آتی ہوں، آپ نیچے میرا انتظار کریں۔"

وہ اٹھی، الماری کھولی اور جہانگیر کے پسند کردہ دو جوڑوں میں سے ایک نکالا، پھر واش روم میں چلی گئی۔ جہانگیر وہیں بیٹھا اس کا انتظار کرتا رہا۔ کچھ دیر بعد ماہ پارہ باہر آئی۔ وہ سیاہ رنگ کی قمیض اور پاجامے میں ملبوس تھی، جس پر سفید رنگ کا کام تھا۔ دوپٹہ بھی سفید تھا۔ وہ باہر آکر دوپٹہ کندھے پر ڈال کر آئینے کے سامنے کھڑی ہو گئی۔

"آپ نیچے انتظار کرتے یا کم از کم صوفے پر بیٹھ جاتے۔" وہ بالوں میں برش کرتے ہوئے بولی۔

جہانگیر نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ کسی گہری سوچ میں تھا۔ نظریں سامنے دیوار پر جمی ہوئی تھیں۔

ماہ پارہ نے بالوں میں برش کرتے ہوئے ہاتھ روک لیے، مڑ کر ڈریسنگ ٹیبل سے ٹیک لگا کر اسے بغور دیکھنے لگی۔

"جہانگیر؟" اس نے دھیمی آواز میں پکارا۔ کوئی جواب نہیں ملا۔

NOVEL HUT

وہ اس کے قریب آ کر گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر ہلکا سا جھنجھوڑا۔

"جہانگیر؟" دوبارہ آواز دی۔

جہانگیر چونکا، جیسے خواب سے نکلا ہو۔ "ہاں؟ ہاں، کہو، کیا ہوا؟"

"میں کب سے آپ کو پکار رہی ہوں، آپ کہاں کھو گئے تھے؟"

ماہ پارہ کے بلانے پر وہ ایک بار پھر کسی خواب میں کھو گیا۔ ایک خوبصورت خواب میں۔ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں مسحور کن تھیں، اور اس کی آواز اور بھی خوبصورت اور سحر انگیز تھی۔ جب وہ "جہانگیر" کہتی تھی، تو یوں لگتا تھا جیسے ساری دنیا رک گئی ہو۔ جیسے آس پاس کی تمام آوازیں دب گئی ہوں، اور صرف ماہ پارہ کی آواز سنائی دے رہی ہو۔

"جہانگیر، آپ مجھے ٹھیک نہیں لگ رہے۔" وہ فکرمندی سے بولی۔

"میں ٹھیک نہیں ہوں، ماہ پارہ۔ میں بالکل ٹھیک نہیں ہوں۔" وہی کھویا کھویا انداز۔

"پھر رہنے دیں، ہم میلے میں نہیں جائیں گے۔" وہ اٹھنے ہی لگی تھی کہ جہانگیر نے اس کی کلائی پکڑ لی۔

"ہم جا رہے ہیں۔ چلو۔" اس کی کلائی چھوڑ کر وہ خود بھی اٹھ کھڑا ہوا۔

وہ چاروں اس وقت میلے میں کھڑے تھے۔ ماہ پارہ پہلی بار کسی میلے میں آئی تھی۔ اس کے چہرے پر خوشی کے رنگ بکھرے ہوئے تھے۔ کچھ عرصہ پہلے، اس نے خواہش ظاہر کی تھی کہ وہ جہانگیر کے ساتھ کسی میلے میں جانا چاہتی ہے، لیکن تب کوئی میلہ نہیں لگا تھا۔ اور اب، جیسے ہی اسے معلوم ہوا کہ یہاں ایک بڑا میلہ لگا ہے، وہ اسے بنا سوچے سمجھے لے آیا، حالانکہ جہانگیر کو میلوں میں جانا بالکل پسند نہیں تھا۔

بچپن میں بھی وہ ہجوم میں گھبرایا کرتا تھا، اس لیے کبھی خود نہیں جاتا تھا۔ لیکن یہ ماہ پارہ کی ایک چھوٹی سی خواہش تھی، اور جہانگیر کے لیے یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ وہ اس کی کوئی خواہش پوری نہ کرے۔

NOVEL HUT

جیسے ہی وہ اندر داخل ہوئے، چاروں طرف رنگ برنگے اسٹالز نظر آنے لگے، جو مختلف اشیاء اور مزیدار کھانوں سے بھرے ہوئے تھے۔ ہوا میں تازہ پکے کھانوں کی خوشبو رچی ہوئی تھی، اور ہر طرف قہقہوں اور باتوں کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ بچے چمکتے چہروں کے ساتھ جھولوں کے لیے قطار میں کھڑے تھے، ان کی ہنسی میلے کے ماحول میں گھل رہی تھی۔

"جہانگیر بھائی! مجھے جھولے میں بیٹھنا ہے!" رنزہ خوشی سے چہک کر بولی۔

"اوئے چھپکلی! اس جھولے میں بیٹھ کر دکھاؤ!" سیف نے ماہ پارہ کو چڑاتے ہوئے کہا۔

"اوئے موٹے! یہ کیا؟ میں کسی بھی جھولے میں بیٹھ سکتی ہوں!" ماہ پارہ نے فخر سے جواب دیا۔

"سیف، ماہ پارہ! تم دونوں نے وعدہ کیا تھا کہ یہاں آکر نہیں لڑو گے!" جہانگیر نے سختی سے ٹوکا تو دونوں فوراً چپ ہو گئے۔

جیسے جیسے دن ڈھلا، میلے کا منظر مزید جادوئی ہو گیا۔ رنگ برنگی روشنیوں نے ہر چیز کو دمکایا ہوا تھا، اسٹالز جگمگا رہے تھے، اور جھولوں کے گرد چمکتی ہوئی لائٹوں نے ماحول کو خوابناک بنا دیا تھا۔

جہانگیر رنزہ کو گود میں اٹھائے دور سے آ رہا تھا، اسے دیکھ کر سیف بولا۔

"بس بھائی، میں تھک گیا ہوں، اب کچھ کھا لیتے ہیں۔" وہ تھکا ہوا لگ رہا تھا اور مزیدار کھانوں کی خوشبو نے اس کی بھوک مزید بڑھا دی تھی۔

جہانگیر نے اِدھر اُدھر دیکھا، لیکن اچانک اس کا دل دھڑک اٹھا۔ "ماہ پارہ کہاں ہے؟ وہ تو تمہارے ساتھ تھی!"

سیف نے بھی ادھر ادھر نظر دوڑائی، لیکن ماہ پارہ کہیں دکھائی نہیں دی۔ وہ بھی پریشان ہو گیا۔

"بھائی، ابھی تو یہیں تھی..."

جہانگیر کا چہرہ سخت ہو گیا، آنکھوں میں بے چینی اتر آئی۔

"ابھی یہیں تھی تو کہاں گئی؟" اس کی آواز میں دبے دبے غصے کے ساتھ گھبراہٹ بھی شامل تھی۔

"بھائی، مجھے کیا معلوم! میں بس ان فنکاروں کا کرتب دیکھنے میں مصروف تھا، وہ میرے پاس ہی کھڑی تھی!" سیف کا لہجہ اب پریشان تھا۔

جہانگیر نے سختی سے اسے گھورا، پھر جلدی سے رنزہ کا ہاتھ سیف کے ہاتھ میں دے دیا۔

"رنزہ کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑو اور اس کا خیال رکھنا۔ میں ماہ پارہ کو ڈھونڈنے جا رہا ہوں۔ اور دوبارہ کسی فنکار کو دیکھنے میں مت لگ جانا!" اس نے تنبیہ کی اور فوراً وہاں سے نکلا۔

اب پندرہ منٹ ہو چکے تھے، لیکن ماہ پارہ کا کوئی پتہ نہیں تھا۔ وہ تقریباً آدھا میلہ چھان چکا تھا، مگر وہ کہیں نہیں تھی۔ اسے اپنی پیشانی پر ٹھنڈے پسینے کی نمی محسوس ہوئی۔ دل میں ایک انجانی سی چبھن ہونے لگی۔ اس نے لب کاٹتے ہوئے اپنی نظریں پورے میلے میں دوڑائیں۔

وہ کہیں نہیں تھی۔

کہیں بھی نہیں۔

اچانک، فضا چیخ و پکار سے گونج اٹھی۔ دور، میلے کے پچھلے حصے میں بھڑکتی ہوئی آگ آسمان کو چھو رہی تھی۔ لوگ دیوانہ وار بھاگ رہے تھے، ان کے چہرے خوف سے زرد ہو چکے تھے۔

جہانگیر کی گردن بے اختیار نفی میں ہلنے لگی۔ اس کا چہرہ ایک دم سفید پڑ گیا، جیسے کسی نے اس کے دل کو مٹھی میں بھینچ لیا ہو۔ ماہ پارہ کا کوئی سراغ نہیں تھا... اور اب یہ آگ؟ اس نے رنزہ اور سیف کے بارے میں سوچا، مگر پیچھے مڑے بغیر ہی چند قدم پیچھے لیے اور پھر تیزی سے پلٹا۔

کیا اس نے ماہ پارہ کو کھو دیا؟

کیا یہ سب اس کی لاپرواہی کی وجہ سے ہوا؟

یا شاید آج اس کا غرور ٹوٹا تھا؟

اسے شاید خود پر کچھ زیادہ ہی اعتماد تھا۔ مگر اب... اب ہر چیز اس کی نظروں کے سامنے جل رہی تھی۔

وہ بھاگتا ہوا واپس سیف اور رنزہ کے پاس پہنچا۔

"چلو فوراً گاڑی میں بیٹھو!" جہانگیر نے رنزہ کا ہاتھ مضبوطی سے تھاما اور تیز لہجے میں بولا۔

"لیکن بھائی... ماہ پارہ؟" سیف نے بے چینی سے پوچھا۔

"میں نے کہا گاڑی میں بیٹھو!" جہانگیر کا غصہ اور اضطراب اس کی آواز میں واضح تھا۔ سیف نے شرمندگی سے سر جھکا لیا اور خاموشی سے جیپ میں جا بیٹھا۔

NOVEL HUT

گاڑی تیزی سے حویلی کی طرف بڑھ رہی تھی۔ اگر وہ اکیلا ہوتا تو کبھی ماہ پارہ کو اس طرح نہ چھوڑتا۔ مگر وہ رنزہ اور سیف کو خطرے میں نہیں ڈال سکتا تھا۔

اسٹیئرنگ وہیل پر اس کی گرفت اتنی سخت ہو چکی تھی کہ اس کی انگلیاں سفید ہو گئیں۔ نظریں سڑک پر جمی تھیں مگر دماغ کسی اور ہی جنگ میں الجھا ہوا تھا۔

جیسے ہی گاڑی حویلی کے باہر رکی، جہانگیر نے بریک پر دباؤ ڈالا اور گاڑی ایک جھٹکے سے رکی۔ وہ فوراً نیچے اترا اور گارڈز کو اشارہ کیا کہ بچوں کو حویلی کے اندر لے جائیں۔ وہ ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر جیپ واپس موڑ چکا تھا۔

سیف اور رنزہ نے حیرانی سے اسے جاتے دیکھا۔ گارڈز نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، پھر سیف کی طرف۔

"کیا ہوا ہے؟" ایک گارڈ نے پوچھا۔

"ماہ پارہ... کھو گئی ہے..." سیف نے مدھم آواز میں جواب دیا۔

گارڈز نے مزید کچھ نہ پوچھا، فوراً جیپ میں بیٹھے اور جہانگیر کے پیچھے چل پڑے۔

"میں تمہیں کچھ ہونے نہیں دوں گا..." جہانگیر بڑبڑایا، جیسے خود سے وعدہ کر رہا ہو۔

"انہوں نے میری کمزوری پر وار کیا ہے... میں کبھی معاف نہیں کروں گا... ایک ایک کر کے سب کا حساب لوں گا۔" وہ رکا اور اپنے الفاظ پر غور کیا۔

کیا ماہ پارہ واقعی اس کی کمزوری بن چکی تھی؟

اور کیا یہ کمزوری اتنی واضح ہو چکی تھی کہ دشمنوں نے سیدھا اسی پر وار کیا؟

"نہیں... نہیں!" وہ نفی میں سر ہلا رہا تھا، جیسے خود کو قائل کر رہا ہو۔

"اسے کچھ نہیں ہو سکتا۔ وہ وہیں کہیں ہوگی... ہاں، وہ وہیں ہوگی!" مگر اس کے اندر کچھ ٹوٹ رہا تھا۔

NOVEL HUT

وہ میلے میں واپس آ چکا تھا۔ آگ اب بھی بھڑک رہی تھی۔ دھواں ہر طرف پھیلا ہوا تھا۔ میلے کے باہر چند ہی لوگ بچے تھے، زیادہ تر یا تو بھاگ چکے تھے یا تباہی کا شکار ہو چکے تھے۔ جہانگیر نے نظریں دوڑائیں۔ ہر طرف راکھ ہی راکھ تھی۔ جلتی ہوئی لکڑیوں کی بدبو نے فضا کو زہریلا بنا دیا تھا۔

اگر وہاں کوئی ہوتا... تو زندہ واپس آنے کے امکانات بہت کم تھے... یا شاید تھے ہی نہیں۔ اس کے قدم لڑکھڑا گئے۔

"کاش میں اسے یہاں نہ لاتا...." اس کے لب کپکپائے۔ "یہ سب میرا قصور ہے....مجھے اسے اپنی کمزوری نہیں بنانا چاہیے تھا...."

کیا کہانی ختم ہو گئی؟

کیا سب کچھ یہیں تک تھا؟

کیا اس کے خواب، اس کی خواہشیں، سب ادھورے رہ گئے؟

"چھوٹے سردار؟"

جہانگیر نے سر اٹھایا۔ سامنے ایک گارڈ کھڑا تھا، اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور مدھم مگر پُرامید لہجے میں بولا۔

"شاید یہ لوگ ماہ پارہ کو پہلے ہی اٹھا چکے ہیں اور آگ لگا کر آپ کی توجہ ہٹانے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

جہانگیر کی آنکھوں میں چمک سی آئی۔ گارڈ نے سر ہلایا، جیسے اس کی بات پر یقین ہو۔

جہانگیر نے ایک گہری سانس لی۔ اس کا دماغ طوفان کی طرح چلنے لگا۔

ہاں... شاید وہ زندہ ہو۔

اور اگر وہ زندہ تھی... تو وہ اسے ڈھونڈ نکالے گا۔

جہانگیر کی بھنویں تن گئیں۔ اس نے اپنی سرخ ہوتی آنکھیں امید بھری نظروں سے اٹھا کر اسے دیکھا۔ شاید واقعی وہ ماہ پارہ کو منظر سے ہٹا کر کوئی سازش رچا رہے تھے۔ گارڈ نے اس کی طرف دیکھا اور سر ہلایا، جیسے اس بات کی تصدیق کر رہا ہو۔

جہانگیر نے گارڈ کے سہارے اٹھنے کی کوشش کی۔ قدم لڑکھڑائے، مگر وہ فوراً سنبھل گیا۔ اس کا دل نہیں چاہ رہا تھا کہ وہ یہاں سے جائے۔ بے چینی اب بھی دل میں جمی تھی، اس کی نظریں بار بار پیچھے مڑ رہی تھیں۔

NOVEL HUT

جیپ کے قریب پہنچ کر وہ ایک لمحے کو رکا، ایک آخری بار پیچھے دیکھا۔ پھر آنکھیں بند کر کے گہری سانس لی، جیسے خود کو یقین دلانے کی کوشش کر رہا ہو۔ آنکھیں کھولیں اور خاموشی سے جیپ میں بیٹھ گیا۔

******

جہانگیر حویلی کے اندر موجود تھا، سر جھکائے، جیسے کوئی مجرم ہو۔ گھر کے تمام افراد اس کے گرد جمع تھے۔

"مجھے تم سے اتنی لاپرواہی کی امید نہیں تھی، جہانگیر! تم ایسی حرکت کیسے کر سکتے ہو؟" امان اللہ غصے سے بولے، جبکہ جہانگیر خاموشی سے سنتا رہا۔

"جب تم ذمہ داری نہیں اٹھا سکتے تو تم نے اس سے شادی کیوں کی؟" داؤد نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"میں نے تو پہلے ہی منع کیا تھا کہ اسے واپس مت بلانا۔ اگر اپنی ممتا کو پیچھے چھوڑ دیتی تو آج یہ دن نہ دیکھنا پڑتا۔ وہ کچھ سال وہاں رہ لیتا، کچھ بن کر آتا،

اس کے بغیر مر تو نہیں جاتی !" یہ الفاظ جہانگیر کے لیے نہیں، بلکہ اینہ کے لیے تھے۔

"ایک معمولی سی گاؤں کی لڑکی کے لیے..."

"ماں سا !" وہ پہلی بار بولا، آواز میں سختی تھی۔

"وہ کوئی معمولی لڑکی نہیں ہے، وہ میری بیوی ہے !" اس نے ہر لفظ چبا چبا کر، بلند آواز میں کہا۔ اس نے بے یقینی سے اپنی ماں کی طرف دیکھا، جو اس کی حالت سمجھنے کے بجائے بحث کر رہی تھیں۔

جواباً وہ سینے پر بازو لپیٹے، بڑبڑاتے ہوئے خاموش ہو گئیں۔

"اب تم کیا کرو گے؟" امان اللہ نے نسبتاً نرم لہجے میں پوچھا۔

"انتظار !" جہانگیر نے مختصر جواب دیا اور تیزی سے سیڑھیاں چڑھ کر اپنے کمرے میں چلا گیا، دروازہ زور سے بند کر دیا۔ اس وقت وہ صرف تنہائی چاہتا تھا، بالکل اکیلا۔

* * * * * *

فجر کی اذان بلند ہو چکی تھی۔ آسمان آہستہ آہستہ نیلے رنگ میں ڈھل رہا تھا۔ جہانگیر بیڈ پر لیٹا چھت کو تک رہا تھا۔ وہ پوری رات سو نہیں سکا تھا، کروٹیں بدلتا رہا۔ ماہ پارہ کا کچھ پتا نہیں تھا، تو وہ کیسے سکون سے سو سکتا تھا؟

عام طور پر وہ مسجد جا کر نماز پڑھتا تھا، لیکن آج وہ اپنے کمرے میں ہی نماز ادا کرنا چاہتا تھا۔ وہ اٹھا اور وضو کے لیے واش روم چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد جب وہ وضو کر کے آیا تو اس کے ہاتھ میں تولیہ تھا۔ وہ چہرہ خشک کر رہا تھا، آستینیں کہنیوں تک چڑھی ہوئی تھیں، جنہیں وہ اب نیچے کر رہا تھا۔ اس نے الماری سے جائے نماز نکالی، فرش پر بچھائی اور نیت باندھ کر نماز شروع کر دی۔

نماز ختم کرنے کے بعد اس نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ آنکھیں بند تھیں، لب ہل رہے تھے۔

اچانک دروازے پر دستک ہوئی، مگر جہانگیر خاموش رہا۔ دروازہ کھلا، قدموں کی آہٹ سنائی دی، اور کوئی آکر اس کے قریب بیٹھ گیا۔ اگلے ہی لمحے کسی نے اس کی گود میں ایک کاغذ رکھ دیا۔ جہانگیر کی آنکھیں فوراً کھل گئیں۔ اس نے دعا کے لیے اٹھے ہاتھ نیچے کیے اور گود میں رکھے کاغذ کو دیکھا، پھر سوالیہ نظروں سے اپنے پاس بیٹھے حسن کی طرف دیکھا۔ حسن خاموش رہا۔ جہانگیر نے کانپتے ہاتھوں سے کاغذ کھولا۔ جیسے جیسے وہ پڑھتا گیا، اس کے دل کی دھڑکن بے ترتیب ہوتی گئی۔ اس کا چہرہ سخت ہوتا گیا، جبڑے بھینچ گئے، کنپٹی کی رگیں تن گئیں۔ غصہ اندر ہی اندر بھڑک رہا تھا۔

وہ تیزی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ حسن نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے پرسکون کرنا چاہا۔

"بھائی، تحمل سے کام لیں... یہ ماہ پارہ کی زندگی کا سوال ہے۔"

NOVEL HUT

جہانگیر کی سرخ آنکھیں حسن پر جمی ہوئی تھیں۔ "آرام سے ہی کام لوں گا، تم فکر مت کرو۔" اس کا لہجہ مضبوط تھا، لیکن اندر کی آگ شدت سے دہک رہی تھی۔

اس نے حسن کو دادا جان کو بلانے کے لیے کہا، کیونکہ اگر کوئی اس معاملے کے پیچھے موجود چہرہ پہچان سکتا تھا، تو وہ صرف امان اللہ تھے۔

کچھ دیر بعد، امان اللہ جہانگیر کے ساتھ صوفے پر بیٹھے خط کو غور سے پڑھ رہے تھے، جبکہ جہانگیر بے چینی سے ان کے تاثرات کا جائزہ لے رہا تھا۔

امان اللہ نے صفحے کی آخری سطر پر انگلی رکھ کر کہا۔ "یہ دیکھو...یہاں صاف لکھا ہے، خادم علی کی پھپھو۔ وہ دوسرے گاؤں کی سردار کی بیوی ہے، اور وجہ بھی واضح ہے۔"

جہانگیر نے خط دوبارہ غور سے پڑھا اور سمجھ گیا کہ وہ عورت کیا چاہتی ہے۔

"خادم علی کی پھپھو؟ یہ سب میں وہ کب سے شامل ہو گئیں؟" اس نے الجھن بھرے لہجے میں پوچھا۔

امان اللہ نے گہری سانس لی۔ "جب سے تم آٹھ سال پہلے یہاں سے گئے تھے، وہ اسی وقت سے اس گاؤں پر اپنی گرفت مضبوط کر رہی ہے۔ اس پورے گاؤں میں تم واحد شخص ہو جو لوگوں کو بدلنے پر تلا ہوا ہے... اور وہ کسی بھی قیمت پر یہ تبدیلی نہیں چاہتی۔"

انہوں نے توقف کیا اور مزید کہا۔ "اپنے شوہر کی موت کے بعد وہ اکیلی اپنے گاؤں کی دیکھ بھال کر رہی ہے۔ اس کا کوئی بیٹا نہیں ہے، اور وہ کسی اور کو سردار بنتے دیکھنا برداشت نہیں کر سکتی۔ وہ بہت خطرناک ہے، اس سے الجھنا..." انہوں نے نفی میں سر ہلایا۔

جہانگیر کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو رہا تھا۔ "لیکن ان سب میں ماہ پارہ کا کیا قصور تھا؟" اس کے لہجے میں بے بسی اور غصہ تھا۔

"دیکھو بیٹا!" امان اللہ اب مزید سنجیدہ ہو گئے۔ "یہ بالکل واضح ہے کہ تم نے گاؤں میں اسکول بنانے کی بات کی تھی۔ ہمارے ہی گاؤں کے کچھ لوگوں نے یہ خبر مخالف گاؤں تک پہنچا دی ہوگی، اور شاید یہ ان کے اصولوں کے

خلاف ہو۔ اور یہ سب کس کی وجہ سے شروع ہوا تھا؟ ماہ پارہ کی وجہ سے۔ اسی لیے انہوں نے اسے اٹھا لیا اور اب تمہیں دھمکی دے رہے ہیں۔ ان کا اصل مسئلہ تم سے ہے، اور ممکن ہے کہ وہ اس کا بدلہ ماہ پارہ سے لے رہے ہوں یا وہ تمہیں مجبور کرنا چاہتے ہوں کہ تم اپنے ارادے سے پیچھے ہٹ جاؤ۔"

جہانگیر نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ "لیکن دادا جان، یہ اسکول..."

امان اللہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ "اسکول بنانے کا کام چھوڑ دو، کیا یہ ماہ پارہ سے زیادہ اہم ہے؟"

جہانگیر نے فوراً نفی میں سر ہلایا۔ "بالکل نہیں۔ لیکن اگر میں یہ کام روک بھی دوں، تو کیا وہ ماہ پارہ کو واپس بھیج دیں گے؟"

"تمہارے نکاح میں ہے، ظاہر ہے وہ اسے چھوڑ دیں گے۔" امان اللہ کا لہجہ مطمئن تھا۔

"میں یوں خاموش نہیں بیٹھ سکتا۔ میں خود جا کر اسے لے آؤں گا!" جہانگیر تیزی سے اٹھا، مگر امان اللہ نے اس کا بازو تھام کر دوبارہ بٹھا دیا۔

"تمہیں لگتا ہے کہ انہوں نے اسے عزت سے اپنے گھر میں رکھا ہوگا؟" ان کی اس بات پر جہانگیر کے ماتھے پر تیوریاں چڑھ گئیں۔ چہرے پر ناسمجھی اور غصے کے ملے جلے تاثرات تھے۔

"ظاہر ہے، انہوں نے اسے کہیں قید کر رکھا ہوگا۔ تم پیچھے ہٹ جاؤ، اسکول کا کام بند کر دو اور یہ زمین بھی انہیں دے دو، وہ خود ماہ پارہ کو تمہارے گھر واپس بھیج دیں گے۔" امان اللہ نے سنجیدگی سے سمجھایا۔

جہانگیر کا غصہ مزید بڑھ گیا۔ "تو آپ کچھ نہیں کر سکتے؟ وہ آپ کے ہی گاؤں سے آپ کی بہو کو اٹھا کر لے گئے اور آپ خاموش رہیں گے؟"

امان اللہ نے گہری سانس لی اور شانے اچکائے۔ "میں زیادہ سے زیادہ ان سے جا کر لڑ سکتا ہوں، مگر اس سے دشمنی بڑھے گی اور ہماری آنے والی نسلیں برباد ہو جائیں گی۔"

ان کی بات میں وزن تھا، مگر جہانگیر کے لیے ماہ پارہ کی فکر سب سے زیادہ تھی۔ اس وقت وہ بے بس تھا، اور انتظار کے علاوہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

*****

ایک ہفتہ بیت چکا تھا۔

ملحقہ مطالعہ خانہ کی لائٹ جل رہی تھی۔ کمرے میں ایک عجیب سی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ اتنی گہری کہ سانس لینے کی آواز بھی واضح سنائی دے رہی تھی۔ جہانگیر نے کرسی کی پشت سے سر ٹکا رکھا تھا اور آنکھیں بند کیے بیٹھا تھا۔ اس کے بال ماتھے پر بکھرے ہوئے تھے، جیسے ان پر برش پھیرنے کی زحمت بھی نہ کی ہو۔ وہ سیاہ رنگ کی ٹی شرٹ اور ٹراؤزر میں ملبوس تھا۔ اس کا چہرہ مرجھایا ہوا تھا، جیسے زمانے بھر کے دکھ سمیٹ رکھے ہوں۔

میز پر سب کچھ بکھرا پڑا تھا۔ ایک چائے کا کپ، جس کا وہ ایک گھونٹ بھی نہ لے سکا تھا، ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ ٹائپ رائٹر میں کاغذ پھنسا تھا، جیسے وہ کچھ لکھتے لکھتے رک گیا ہو۔ آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے اس کی بے خوابی کی گواہی دے رہے تھے۔ سارا ہفتہ وہ بے سکون رہا تھا۔ کوئی کام، کوئی بات، کوئی لمحہ بھی اسے مکمل محسوس نہیں ہو رہا تھا۔

دروازے پر دستک ہوئی۔ ایک بار، دو بار، تین بار۔۔۔ کوئی جواب نہیں ملا۔ پھر جیسے دستک دینے والے کا صبر ختم ہو گیا۔ دروازے کا ہینڈل گھوما، اور وہ اندر داخل ہوا۔ آتے ہی وہ سامنے رکھی کرسی پر بیٹھ گیا۔ وہ انتظار کرنے لگا۔ کچھ لمحے گزرے تو اس نے میز پر دو بار انگلیاں بجائیں۔ جہانگیر نے بوجھل پلکیں کھولیں۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں، جیسے مہینوں سے سویا نہ ہو۔ اس نے سخت ناگواری سے حسن کو دیکھا۔

"تمہیں معلوم ہے، جب میں یہاں ہوتا ہوں تو اس کا مطلب ہے کہ میں کسی سے نہیں ملنا چاہتا۔" اس کا انداز دوٹوک تھا۔

"اور آپ کو بھی معلوم ہے کہ یہاں آنے کی اجازت صرف مجھے ہے، اور یہ اجازت آپ ہی نے دی تھی۔" حسن نے معصومیت سے جواب دیا۔

جہانگیر نے گہری سانس لی۔ "کیا کہنے آئے ہو؟" اس نے دوبارہ آنکھیں بند کر لیں۔

"بس... سوچا آپ سے کچھ بات کر لوں۔" حسن نے ذرا توقف کے بعد کہا، پھر مدھم آواز میں پوچھا۔ "ماہ پارہ کے بارے میں کچھ معلوم ہوا؟"

جہانگیر کی خاموشی مزید گہری ہو گئی۔ اس پر اداسی کی ایک لہر سی دوڑ گئی۔ آنکھیں بند ہی رکھیں، جیسے خود کو کسی تلخ حقیقت سے بچانے کی کوشش کر رہا ہو۔ وہ کچھ کہنا چاہتا تھا، لیکن جیسے الفاظ نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا ہو۔ آخرکار، ایک لمبی آہ بھر کر وہ بولا۔

"وہ جادوگرنی ہے، حسن۔" جہانگیر نے آہستہ سے آنکھیں کھولیں۔ "وہ جادو کرتی ہے۔ وہ بہت بری ہے۔ مجھے اتنے کم وقت میں اس کی عادت ہو گئی ہے کہ اگر وہ نہ ہو، تو کچھ بھی ٹھیک نہیں لگتا۔" اس کی آواز میں کوئی عجیب سی بے بسی تھی۔

حسن الجھے ہوئے انداز میں بولا۔ "باقی سب تو ٹھیک ہے، لیکن وہ جادوگرنی کیسے ہوئی؟"

NOVEL HUT

جہانگیر ہلکا سا مسکرایا، جیسے خود اپنی ہی بات پر یقین نہ آ رہا ہو۔ "اس کی آنکھوں میں کچھ ہے، حسن۔ وہ اپنی آنکھوں سے مجھ پر جادو کرتی ہے۔ صرف ایک نظر ڈالتی ہے، اور لگتا ہے جیسے میں اس کی آنکھوں میں قید ہو گیا ہوں۔" وہ دھیرے سے مسکراتا رہا، جیسے کسی خواب میں کھو گیا ہو، اور حسن خاموشی سے اس کا چہرہ تکنے لگا۔

"میں نہ کچھ سوچ پاتا ہوں، نہ سمجھ پاتا ہوں۔ مجھے تو یہ بھی احساس نہیں ہوتا کہ میرے ارد گرد کیا ہو رہا ہے، اور وہ جو کہتی رہتی ہے، میں بس ہاں میں ہاں ملاتا جاتا ہوں۔ یہ جادو ہی تو ہوا۔" وہ اتنی معصومیت سے بولا کہ حسن مسکرانے پر مجبور ہو گیا۔ آج وہ اسے سننا چاہتا تھا، کیونکہ جہانگیر اپنے دل کی بات کم ہی کیا کرتا تھا۔

"اور اس کی آواز..." جیسے کوئی حسین یاد ذہن میں تازہ ہوئی۔ "جب وہ اپنی خوبصورت آواز میں میرا نام لے کر 'جہانگیر' کہتی تھی، ایسا لگتا تھا جیسے اس کی آواز بھی جادو کر رہی ہو۔" وہ آنکھیں کھول کر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ "آنکھوں

سے کم تھا کہ اب اپنی آواز سے بھی مجھ پر جادو کرنے لگی ہے!" آخر میں اس نے قدرے مصنوعی خفگی ظاہر کی۔

"دو ہفتوں سے میں نے اس کے منہ سے اپنا نام نہیں سنا، حسن۔ یوں لگتا ہے جیسے میں گھٹ گھٹ کر مر جاؤں گا۔"

حسن نے شرارت سے پوچھا۔ "بھائی، کیا آپ اظہارِ محبت کر رہے ہیں؟"

جہانگیر نے برا مانے بغیر سر نفی میں ہلایا۔ "نہیں حسن، ہمارا رشتہ محبت سے بھی آگے کا ہے۔"

چند لمحوں کے لیے کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ جہانگیر میز پر رکھی ٹھنڈی چائے کو گھور رہا تھا اور حسن، جہانگیر کو۔

"میں یہاں۔۔۔ ایک۔۔۔ خبر سنانے آیا ہوں۔" حسن کے لہجے میں ہچکچاہٹ تھی۔

جہانگیر نے سیدھا اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ "بات کو مت گھماؤ، کھل کر کہو۔" وہ کہنیوں کے بل میز پر جھک گیا۔

"زائشہ آئی ہے...." حسن نے بات ادھوری چھوڑی، جیسے اگلے الفاظ کہنے سے ہچکچا رہا ہو۔

جہانگیر نے مزید وضاحت کا اشارہ کیا۔

"اور بابا چاہتے ہیں کہ ہم ان سے..."

"اچھا، میں سمجھ گیا۔" وہ فوراً کھڑا ہو گیا۔ "آگے کہنے کی ضرورت نہیں، اپنا اور میرا وقت ضائع مت کرو۔"

وہ دونوں دروازے تک ساتھ آئے اور مطالعہ خانہ سے نکل کر کمرے کے دروازے تک پہنچے۔ حسن نے تعجب سے جہانگیر کو دیکھا۔

"آپ کیا سمجھے؟ یہی نا کہ ہمیں ان کو آپ کے نکاح کے بارے میں کچھ نہیں بتانا؟"

جہانگیر کمرے سے باہر نکل کر ریلنگ تھامے سیڑھیوں کی طرف بڑھا۔

"نہیں، میں یہ سمجھا کہ ہمیں اسے اطلاع دینی چاہیے۔ اسے معلوم ہونا چاہیے کہ میں شادی شدہ ہوں۔"

سیڑھیوں کے قریب پہنچ کر حسن نے اسے روک لیا۔ "بھائی، رک جائیں۔"

جہانگیر رک گیا، مگر پلٹا نہیں۔

"آپ میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتے۔ بابا نے کہا تھا..."

جہانگیر سر جھکا کر نیچے دیکھنے لگا۔ "بابا نے یہی کہا ہے نا کہ جہانگیر کو اس بات پر قائل کرو؟"

حسن نے اثبات میں سر ہلایا۔ "ہاں!"

جہانگیر نے گہری سانس لی اور پلٹ کر حسن کو دیکھا۔ "اگر میں نہ مانوں تو بابا کیا کریں گے؟"

"وہ مجھے مصر جانے سے روکیں گے۔" حسن نے اداسی سے کہا۔

جہانگیر نے گہری سانس لی۔ وہ بے قصور تھا، مگر پھر بھی کسی مجرم کی طرح کھڑا تھا۔

"حسن، تمہارا ویزا اور پاسپورٹ سب تیار ہے۔ اگلے مہینے جانا ہے۔ انہوں نے تم سے بس ایسے ہی کہہ دیا ہوگا۔"

حسن نے سر نفی میں ہلایا۔ "سب پھاڑ کر جلا دیا۔"

جہانگیر کی آنکھیں بے یقینی سے پھیل گئیں۔ وہ حیرت سے حسن کو دیکھنے لگا۔

"کیا؟ کیا کہا تم نے؟"

"سب ختم کر دیا۔" حسن نے دھیمی آواز میں دہرایا۔

جہانگیر کو لگا جیسے اس نے غلط سنا ہو۔ ان کے بابا، جو ہمیشہ تعلیم کے معاملے میں سنجیدہ رہے تھے، وہ ایسا کیسے کر سکتے تھے؟ وہ غصے میں حسن کو کہنی سے پکڑ کر کمرے میں لے آیا۔

"پوری بات بتاؤ!" اس کا لہجہ سخت تھا۔

حسن نے جھجکتے ہوئے کہا۔ "صرف یہ نہیں... آپ کو زائشہ سے نکاح..."

جہانگیر نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا۔ وہ دونوں ہاتھ کمر پر رکھے کمرے میں ٹہلنے لگا۔ وہ بچہ نہیں تھا کہ آگے کی بات نہ سمجھ سکے۔

"اور تمہارا ویزا اور پاسپورٹ؟ وہ کیسے واپس آئے گا؟" اس نے سرد لہجے میں پوچھا۔ اس کے چہرے پر اب بھی غصہ تھا۔

"یہ سب مجھے نہیں معلوم، بس آپ... پلیز مان جائیں۔" حسن نے منت بھرے انداز میں کہا۔

جہانگیر نے ماتھے پر ہاتھ رکھا، پھر آنکھیں بند کر لیں۔ "انہیں اچانک یہ خیال کیوں آیا؟ کل تک ہمارے رشتے کی کسی کو پرواہ نہیں تھی۔ یہ سب ایک سازش ہے۔"

"بھائی، یہ رشتہ تو بچپن میں طے ہوا تھا۔" حسن نے وضاحت دی۔

جہانگیر کو ان کے درمیان ہونے والی پرانی گفتگو یاد آگئی۔ اس نے سر نفی میں ہلایا۔

"بھائی، کیا آپ اسے کچھ دنوں کے لیے نہیں بھول سکتے؟" حسن نے التجا کی۔

جہانگیر نے ایک لمحے کے لیے توقف کیا، پھر سخت لہجے میں بولا۔ "کیا میں اسے بھول جاؤں؟ یعنی میں مر جاؤں؟"

حسن کی آنکھوں میں نمی در آئی۔ "پلیز بھائی... خدا کے لیے میری بات مان جائیں!" وہ بے بسی سے بولا۔

جہانگیر تلخی سے ہنس دیا۔ "ہر کوئی میری کمزوری پر وار کرتا ہے۔ سب جانتے ہیں کہ میں اپنے لوگوں کے لیے کچھ بھی کر سکتا ہوں، اسی لیے مجھے مجبور کرنے کی کوشش کرتے ہیں!" وہ دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ کر، ہر لفظ چبا چبا کر ادا کر رہا تھا۔

وہ بے دلی سے ریلنگ پکڑے نیچے اتر رہا تھا۔ دنیا سے بیزار، خود سے بیزار، بس سب کچھ ختم کر کے اپنے کمرے میں واپس جانا چاہتا تھا۔ مگر آخری سیڑھی پر پہنچ کر، اس نے زائشہ کو اپنی طرف آتے دیکھا۔ اس کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات ابھر آئے۔ جیسے کسی نے حلق میں زہر گھول دیا ہو۔ مگر وہ بے تاثر کھڑا رہا، کسی جذبات کے اظہار کے بغیر۔

"السلام علیکم، جہانگیر!" زائشہ نے چہکتے ہوئے کہا اور ہاتھ آگے بڑھایا۔

جہانگیر نے جیبوں میں ہاتھ ڈالے اور محض سر ہلا کر سلام کا جواب دیا۔

"جہانگیر، تم ناراض ہو؟" زائشہ نے نرمی سے پوچھا۔ اسے اس رویے کی توقع نہیں تھی۔

جہانگیر نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"کچھ تو بولو، جہانگیر!" وہ جھنجھلا گئی۔

"تم ہی بتاؤ، میں کیا کہوں؟" اس کا لہجہ سپاٹ تھا۔

NOVEL HUT

"کیا تم ہمارے رشتے سے خوش نہیں ہو؟" زائشہ نے سیدھا سوال کیا۔

جہانگیر نے کندھے اچکا کر بے تاثر انداز میں کہا۔ "پتا نہیں۔"

زائشہ کے چلے جانے کے بعد بھی، جہانگیر کے چہرے پر کوئی خاص رد عمل نہیں تھا۔ وہ جا چکی تھی، مگر مطمئن تھی کہ کم از کم اس نے جہانگیر سے ملاقات تو کی۔

زائشہ واپس جا کر داؤد اور امینہ کے ساتھ بیٹھ گئی۔ کچھ دیر بعد، جہانگیر بھی بوجھل قدموں اور اداس چہرے کے ساتھ وہاں آیا۔

اور پھر وہ لمحہ آیا جس کا اسے خوف تھا۔ امان اللہ نے نکاح کی تاریخ طے کر دی تھی۔ فیصلہ ہوا کہ نکاح سادگی سے ہوگا، اور بعد میں دھوم دھام سے تقریبات منعقد کی جائیں گی۔

جہانگیر وہاں بیٹھے تمام لوگوں کو ایک گہری نظر سے دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر صاف لکھا تھا کہ وہ خوش نہیں ہے، اور نہ ہی خوش ہونے کا ناٹک کر

NOVEL HUT

سکتا ہے۔ دل میں ہزاروں سوالات اور خیالات لیے، وہ جبڑے بھینچے بے دلی سے وہاں بیٹھا رہا۔

زائشہ اور ذوالقرنین کے جانے کے بعد، بالآخر اس نے خاموشی توڑی۔ "ماہ پارہ کو کیا جواب دوں؟" وہ سیدھا اینہ سے مخاطب ہوا۔

"اس کے آنے یا نہ آنے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ تم نے اس سے شادی صرف اس کی جان بچانے کے لیے کی تھی۔ یہ کوئی حقیقی رشتہ نہیں تھا۔ تم اسے بعد میں چھوڑ سکتے ہو۔ ابھی تمہیں اپنی نئی زندگی شروع کرنی ہے، وہ بھی زائشہ کے ساتھ۔" اینہ نے سختی سے کہا۔

یہ ماں تھی، اور ماں نے جذباتی بلیک میلنگ کا حربہ آزمایا۔

چند دن کی کشمکش اور ناراضگی کے بعد، جہانگیر بالآخر ہاں کہنے پر مجبور ہو گیا۔

لیکن اندر سے، وہ جیسے ٹوٹ چکا تھا۔

حسن کے ویزا اور پاسپورٹ کا مسئلہ ایک اور زنجیر بن چکا تھا، جو اسے جکڑے جا رہا تھا۔

اور اس کے ذہن میں صرف ایک ہی خیال گردش کر رہا تھا۔ "اگر ماہ پارہ یہاں ہوتی، تو وہ منع کر دیتی۔ وہ کچھ نہ کچھ کر لیتی۔ شاید یہ شادی کبھی نہ ہوتی۔"

* * * * * *

نکاح کا دن

سوٹ میں ملبوس، جہانگیر آئینے میں اپنے عکس کو دیکھ رہا تھا۔ آنکھوں میں بیزاری، چہرے پر بے دلی، اور دل میں مجبوری کا بوجھ لیے وہ ایک ایسی رسم کے لیے تیار ہو رہا تھا جسے وہ دل سے قبول نہیں کر پا رہا تھا۔ ماہ پارہ کی کوئی خبر نہیں تھی، اور اس کی غیر موجودگی میں یہ نکاح اسے سراسر غلط لگ رہا تھا۔ وہ اپنے بھائی اور ماں کی وجہ سے مجبور تھا، اور اس وقت بے بسی کی انتہا پر تھا۔

اس کے دل سے ایک ہی دعا نکل رہی تھی، کہ ماہ پارہ آجائے، کہیں سے بھی، کسی بھی طرح۔ وہ روک دے اس نکاح کو۔ وہ روک سکتی تھی، وہ روک سکتی تھی۔

جہانگیر نے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا، گہری سانس لی، اور خود کو سنبھالتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھا۔ جیسے ہی اس نے ہینڈل پر ہاتھ رکھا، پیچھے سے دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔

حسن اندر آیا، لیکن وہ خوش نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں شرمندگی تھی، جیسے وہ کچھ کہنا چاہتا ہو مگر الفاظ نہ مل رہے ہوں۔

"سب نیچے انتظار کر رہے ہیں۔" حسن نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔ "اور دادا جان شہر گئے ہیں کسی ضروری کام سے، تو..."

جہانگیر نے خاموشی سے اثبات میں سر ہلا دیا۔ حسن جس راستے سے آیا تھا، وہیں سے واپس چلا گیا۔

جہانگیر کچھ لمحے وہیں کھڑا رہا، لب بھینچے، جیسے خود کو فیصلہ کرنے کے لیے مجبور کر رہا ہو۔ آخرکار، اس نے کلائی پر بندھی گھڑی پر نگاہ ڈالی اور بوجھل قدموں کے ساتھ دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔

NOVEL HUT

نیچے کا منظر دیکھ کر جہانگیر کے قدم مزید بوجھل ہو گئے۔ حویلی کو خوبصورتی سے سجایا گیا تھا۔ ہر طرف روشنیوں کی چمک تھی، مسکراتے مہمان خوش گپیوں میں مصروف تھے، اور زائشہ عروسی لباس میں سجی سنوری بیٹھی تھی۔ لیکن یہ سب کچھ جہانگیر کے لیے سخت ناگوار تھا۔

زائشہ سفید لباس میں بے حد خوبصورت لگ رہی تھی، مگر جہانگیر کے دل پر اس کا کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔ اسے کسی چیز میں دلچسپی نہیں تھی۔ زائشہ خوش تھی کہ اس کا سب سے بڑا خواب پورا ہونے والا تھا۔ آخرکار اس کی شادی جہانگیر سے ہو رہی تھی۔ وہ بس یہی سوچ کر مسکرا رہی تھی۔ لیکن جہانگیر کے لیے یہ سب کسی سزا سے کم نہ تھا۔

قاضی نکاح کے کلمات پڑھ رہے تھے۔ جہانگیر کا دل بے تحاشہ دھڑک رہا تھا۔ اس نے مٹھی بند کر رکھی تھی، اور پچھلے کئی دنوں کی بے خوابی نے اس کے سر درد کو ناقابلِ برداشت کر دیا تھا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو چکی تھیں۔

ایک بار، دو بار، جب قاضی نے تیسری بار رضامندی کے لیے کہا اور جہانگیر نے لب کھولنے کی کوشش کی، تبھی اچانک گولیوں کی آواز نے فضا میں ہلچل مچا دی۔

وہ برف کے مجسمے کی طرح ساکت رہ گیا، جیسے کسی نے اس کے قدموں میں زنجیر ڈال دی ہو۔ مہمان خوفزدہ ہو کر ایک دوسرے سے لپٹ گئے۔ حسن نے جھٹکے سے جہانگیر کو ہوش میں لایا۔

"بھائی، باہر... گولی... شاید..." حسن کے الفاظ ادھورے رہ گئے۔

جہانگیر فوراً اٹھا اور دوڑتا ہوا باہر کی طرف گیا۔ گیٹ پر گارڈز غائب تھے۔ اس نے آنکھیں سکیڑ کر اردگرد کا جائزہ لیا، مگر اس لمحے اسے کچھ بھی سوچنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اس کا دل کسی انہونی کا اندازہ لگا چکا تھا۔

اور جیسے ہی وہ گیٹ پر پہنچا، اس کا دل دہل گیا۔

ماہ پارہ زمین پر بے ہوش اور زخمی حالت میں پڑی تھی۔ ایسا لگتا تھا کہ کسی نے اسے ابھی ابھی جیپ سے اتار کر پھینکا ہو، اور گاڑی تیزی سے وہاں سے غائب ہو چکی تھی۔

جہانگیر کا دل بے قابو ہو کر زور سے دھڑکنے لگا۔ وہ آہستہ آہستہ گھٹنوں کے بل بیٹھا، لرزتے ہاتھوں سے ماہ پارہ کو اپنی بانہوں میں اٹھایا، اور تیزی سے حویلی کے اندر لے آیا۔

یہ سب جان بوجھ کر نکاح سے پہلے کیا گیا تھا۔ خادم علی کی پھپھو ہرگز نہیں چاہتی تھیں کہ ماہ پارہ کی ازدواجی زندگی پر کوئی اثر پڑے۔ جب جہانگیر اپنے منصوبے سے پیچھے ہٹ گیا، تو انہوں نے بھی ماہ پارہ کو چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا۔ لیکن انہیں یہ فیصلہ نکاح سے پہلے کرنا تھا۔

سیڑھیاں عبور کرتے ہوئے، وہ ہر کسی کو نظر انداز کر رہا تھا۔

حسن بھی اس کے پیچھے لپکا۔ کمرے میں پہنچ کر، جہانگیر نے ماہ پارہ کو بیڈ پر لٹا دیا۔ وہ اسے دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ وہ اس کے سامنے تھی، اور یہ احساس ہی اس کے اضطراب کو کم کرنے کے لیے کافی تھا۔

وہ حسن کی طرف مڑا اور اسے بے اختیار گلے لگا لیا۔ وہ خوش تھا، کیونکہ ماہ پارہ صحیح وقت پر آئی تھی۔

نیچے موجود تمام لوگ ششدر تھے۔ نکاح کے عین وقت ماہ پارہ کی واپسی نے سب کو حیرت اور الجھن میں ڈال دیا تھا۔ زائشہ سیڑھیوں کی جانب ساکت کھڑی تھی، جہاں سے ابھی ابھی جہانگیر گزرا تھا۔

جہانگیر کی بانہوں میں ایک لڑکی تھی، اور اس کی آنکھوں میں اس کے لیے ہمدردی، محبت اور بے پناہ فکر نمایاں تھی۔۔یہ منظر زائشہ کے دل پر چوٹ کر گیا۔

وہ بے یقینی کے عالم میں داؤد اور اینہ کی طرف دیکھنے لگی۔

"وہ کون تھی؟" اس کے لب کانپے۔

وہ اینہ کے سامنے اس امید کے ساتھ کھڑی ہو گئی کہ شاید وہ کہہ دے کہ وہ بس ایک عام سی لڑکی تھی، جس پر جہانگیر محض ترس کھا رہا تھا۔

لیکن اینہ خاموش رہیں۔ اس کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔ گردن نفی میں ہل رہی تھی۔

"بتائیں ناں، کون تھی؟" زائشہ کی بے چینی بڑھ گئی۔ وہ اینہ سے ہٹ کر داؤد کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ "ماموں جان، آپ بتائیں، کون تھی وہ؟"

داؤد علوی نے شرمندگی سے سر جھکا لیا۔ ان کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

"داؤد! میری بیٹی کیا پوچھ رہی ہے؟ وہ لڑکی کون تھی؟" ذوالقرنین، جو سارا منظر دیکھ رہے تھے، آگے بڑھے اور غصے سے بولے۔

"وہ میری بیوی ہے، جہانگیر داؤد علوی کی بیوی۔" اوپر سے ہاتھوں سے ریلنگ تھامے، جہانگیر نے نیچے جھک کر دیکھا اور پُرسکون انداز میں اعلان کیا۔

یہ جملہ سن کر زائشہ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ وہ ساکت کھڑی، بے یقینی سے جہانگیر کو دیکھنے لگی۔

ذوالقرنین نے داؤد کی طرف دیکھا، ان کی مٹھیاں بھینچ گئیں۔

"یہ کیا کہہ رہا ہے؟ داؤد! اگر وہ پہلے سے شادی شدہ ہے، تو تم میری بیٹی کو اتنا بڑا دھوکہ دینے والے تھے؟ تمہاری ہمت کیسے ہوئی؟" وہ غصے سے دھاڑے۔

"وہ بچی ہے، میں اس نکاح کو نہیں مانتا۔۔۔" داؤد بے بسی سے بولے۔

"تمہارے ماننے یا نہ ماننے سے کچھ نہیں ہوگا! وہ ہے تو جہانگیر کی بیوی، کیا یہ حقیقت بدل جائے گی؟ کیا تم میری بیٹی کو دوسری عورت کا خطاب دینے والے تھے؟"

"دیکھیں ناں انکل! بابا نے آپ کے ساتھ کتنا بڑا دھوکہ کیا۔" جہانگیر نے مصموعی افسوس سے سر ہلایا اور سیڑھیاں اترتے ہوئے کہا۔

زائشہ کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ اس نے آگے بڑھ کر غصے سے جہانگیر کا گریبان پکڑ لیا، اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی۔

"تم صرف ایک بار، صرف ایک بار کہتے کہ تمہیں مجھ میں کوئی دلچسپی نہیں، میں خاموشی سے پیچھے ہٹ جاتی! لیکن تم نے میری توہین کی، مجھے سرِعام ٹھکرا دیا! میں تمہیں کہیں کا نہیں چھوڑوں گی، جہانگیر داؤد علوی، کہیں کا نہیں!"

جہانگیر نے آہستہ سے اس کے ہاتھ اپنے گریبان سے ہٹائے اور دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔ وہ بے حد پُرسکون تھا، جیسے سب کچھ اس کے منصوبے کے مطابق ہو رہا ہو۔

"کیا میں نے تمہیں کبھی کہا کہ مجھے 'تم' میں دلچسپی ہے؟ کیا میں نے کبھی تمہیں امید دلائی؟ میں نے ہمیشہ تم سے بے رخی برتی، ہمیشہ سخت لہجے میں بات کی۔ مجھے لگا تھا، تم مجھے کبھی اس نظر سے نہیں دیکھو گی، لیکن میں غلط تھا۔"

زائشہ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے، مگر اس نے انہیں گرنے نہیں دیا۔ وہ کبھی کسی مرد کے لیے نہیں روئے گی۔

وہ مڑی اور تیز قدموں سے باہر نکل گئی۔ وہ جانتی تھی کہ اب یہ نکاح کسی صورت ممکن نہیں تھا۔

ذوالقرنین نے بھی غصے سے جہانگیر کو گھورا اور زائشہ کے پیچھے چل دیے۔

******

جہانگیر کمرے میں داخل ہوا، کوٹ اتار کر لاپرواہی سے صوفے پر پھینکا، آستینیں کہنی تک موڑیں اور تیزی سے بیڈ کی طرف بڑھا۔ جھک کر اس نے ماہ پارہ کا بخار چیک کیا۔ اس کا جسم تپ رہا تھا۔ وہ الجھن میں تھا کہ کیا کرے۔

فوراً ٹیلی فون کے قریب جا کر اس نے ایک نمبر ڈائل کیا۔ دوسری طرف گھنٹی بجنے لگی، کچھ دیر بعد فون اٹھایا گیا۔

"بھابھی، حیدر کو فون دیں۔"

"اچھا، تو وہ کب آئے گا؟" دوسری طرف سے حیدر کی غیر موجودگی کی اطلاع ملی۔

جہانگیر نے مسز حیدر کو ماہ پارہ کے شدید بخار کے بارے میں بتایا، جس پر انہوں نے اسے شہر لے جانے کا مشورہ دیا۔

"شکریہ۔" مختصر جواب دے کر اس نے فون رکھ دیا، مگر وہ مطمئن نہیں لگ رہا تھا۔

ماہ پارہ کو شہر لے جانے کا خیال آیا، لیکن فوراً ترک کر دیا۔ وہ اسے دوبارہ کھونا نہیں چاہتا تھا، کم از کم ابھی نہیں۔ اسے یہاں، حویلی میں ہی رکھنا تھا۔

رات کا ایک بج چکا تھا۔ جہانگیر صوفے کی پشت سے ٹیک لگائے، چھت کو گھورتے ہوئے بیٹھا تھا۔ وہ بے چینی سے ماہ پارہ کے ہوش میں آنے کا انتظار کر رہا تھا۔ اچانک اس نے اس کی مدھم سی آواز سنی۔

فوراً اس نے نظریں چھت سے ہٹا کر بیڈ کی طرف مرکوز کر دیں۔ ماہ پارہ کچھ بڑبڑا رہی تھی، شاید خوفزدہ تھی۔

جہانگیر آہستہ سے بیڈ کے قریب آیا، مگر اس کے الفاظ اب بھی واضح نہیں تھے۔ وہ بے چین لگ رہی تھی، جیسے کسی انجانے خوف میں مبتلا ہو۔

"ماہ پارہ، آنکھیں کھولو، دیکھو... تم حویلی میں ہو۔" اس نے نرمی سے اس کا ہاتھ تھاما اور تسلی دی۔

لیکن وہ ابھی تک بے سدھ تھی، بخار کی شدت نے اسے نڈھال کر دیا تھا۔ جہانگیر نے کسی طرح اسے دوا دے دی اور پھر کھڑکی کی طرف بڑھا۔ پردے ہٹا کر اس نے کھڑکی کھول دی تاکہ تازہ ہوا اندر آ سکے۔

پوری رات وہ اس کے پاس بیٹھا رہا، بار بار اس کا بخار چیک کرتا۔ جب بھی وہ ڈرتی، وہ اس کے قریب آ کر آہستہ سے اس کا ہاتھ پکڑ لیتا، جیسے یہ یقین دلا رہا ہو کہ وہ تنہا نہیں ہے۔

نیند کی کمی کے باعث اس کی آنکھیں سرخ ہو چکی تھیں، آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے نمایاں ہو گئے تھے۔ وہ تھکن سے چور تھا، مگر اس لمحے اس کے لیے سب سے زیادہ اہم ماہ پارہ کا خیال رکھنا تھا۔

سورج طلوع ہونے کو تھا۔ بمشکل بیس منٹ کے لیے اس کی آنکھ لگی تھی کہ کھڑکی سے آتی سورج کی کرنوں نے اسے جگا دیا۔

اس نے فوراً آنکھیں کھول کر ماہ پارہ کی طرف دیکھا۔ وہ اب بھی سو رہی تھی، مگر اس کا چہرہ پہلے کی نسبت پُرسکون لگ رہا تھا۔

جہانگیر اٹھا، سر تھامتے ہوئے بیڈ کے قریب آیا، اور جھک کر اس کا بخار چیک کیا، بخار اتر چکا تھا۔

اس نے نرمی سے ماہ پارہ کو دو تین بار پکارا، جس پر وہ آہستہ آہستہ ہوش میں آگئی۔

خالی نظروں سے اس نے جہانگیر کی طرف دیکھا، جیسے حقیقت اور خواب کے بیچ جھول رہی ہو۔

"اب کیسا محسوس کر رہی ہو؟" جہانگیر کی آواز میں حقیقی پریشانی تھی۔

"میں اب... ٹھیک ہوں... جہانگیر۔" وہ بمشکل بول پائی۔

اس کے لبوں سے اپنا نام سن کر جہانگیر نے گہری سانس لی، سکون سے آنکھیں بند کیں، اور جب آنکھیں کھولیں تو اس کے چہرے پر ایک دلکش مسکراہٹ نمودار ہو چکی تھی۔

"میں بھی۔" اس نے دھیمی آواز میں کہا۔

"جو کچھ ہوا، اسے بھول جاؤ۔ اب آرام کرو۔" نرمی سے اس کا ہاتھ تھپتھپاتے ہوئے وہ اٹھا اور پردے کھینچ دیے، تاکہ صبح کی روشنی کمرے میں زیادہ نہ آئے اور وہ آرام کر سکے۔

******

ڈائننگ روم پر گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ سب چپ چاپ ناشتہ کر رہے تھے۔ جہانگیر آہستہ سے آیا، کرسی کھینچ کر بیٹھا اور سر جھکا کر ناشتہ کرنے لگا۔ داؤد نے مٹھیاں بھینچ کر امان اللہ کی طرف دیکھا، جنہوں نے خاموشی سے اشارہ کیا کہ ناشتے پر توجہ دیں۔ مگر داؤد ضبط نہ کر سکے۔ وہ پلیٹ پر کانٹا رکھ کر نیپکن ہٹاتے ہی اٹھ کھڑے ہوئے اور وہاں سے چلے گئے۔

جہانگیر نے کوئی ردِ عمل ظاہر نہ کیا۔

"انہوں نے اپنی بہن سے وعدہ کیا تھا کہ زائشہ کی شادی تم سے ہوگی، اور تم....." اینہ نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

وہ بدستور خاموش رہا۔ نظریں اٹھا کر دیکھا تو سب وہیں موجود تھے، مگر حسن کہیں دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اس نے بمشکل جوس کا گلاس لبوں سے لگایا اور ایک ہی سانس میں ختم کر دیا، پھر بغیر کچھ کہے لاؤنج کی طرف بڑھ گیا۔

حسبِ توقع، داؤد بڑے صوفے پر ٹانگ پر ٹانگ رکھے اخبار پڑھ رہے تھے۔

"مجھے ابھی حسن کا پاسپورٹ چاہیے۔" جہانگیر نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

داؤد نے ایک سرسری نظر اس پر ڈالی، اخبار میز پر رکھ دیا اور انگلیاں آپس میں پھنسا کر سنجیدگی سے اس کی طرف متوجہ ہوئے۔

"اگر تم شادی کر لیتے تو میں دے دیتا، مگر اب یہ ممکن نہیں۔ ایک بھائی کو دوسرے بھائی کی سزا ملنی چاہیے۔" وہ بے نیازی سے کندھے اچکا کر بولے۔

"آپ ایسا نہیں کر سکتے!" جہانگیر کی آواز بلند ہو گئی۔ "یہ غلط ہے! مجھے ابھی اور اسی وقت حسن کے تمام کاغذات چاہییں!"

"اپنی آواز نیچی رکھو!" داؤد نے سختی سے کہا اور اٹھ کھڑے ہوئے۔ "میں نے آج تک اپنے باپ کی اونچی آواز نہیں سنی، اور تم مجھ سے اس لہجے میں بات کر رہے ہو؟"

داؤد کی بلند آواز سن کر اینہ نے فوراً سیف اور رنزا کو کمرے میں بھیج دیا اور خود باہر آگئیں۔ حسن، جو اپنے کمرے میں تھا، اوپر سے یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ اس نے ریلنگ کو مضبوطی سے تھام لیا۔

"مجھے حسن کے کاغذات چاہیے!" جہانگیر نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"میں نے تمہیں پڑھایا، تم پر بے شمار پیسہ اور وقت لگایا، اور بدلے میں کیا ملا؟ اب تم چاہتے ہو کہ حسن بھی وکالت پڑھے، تاکہ تمہاری طرح گاؤں والوں کو بدلنے کے چکر میں ایک معمولی سی لڑکی سے شادی کر کے آجائے؟" داؤد کے لہجے میں تلخی در آئی۔

جہانگیر نے آنکھیں بند کر کے خود کو پُرسکون کرنے کی کوشش کی۔ جب آنکھیں کھولیں تو چہرے کے سخت تاثرات نرمی میں بدل چکے تھے۔

"بابا، اس میں حسن کا کوئی قصور نہیں۔" اس کی آواز دھیمی ہو گئی۔

"زائشہ کا بھی کوئی قصور نہیں تھا!" داؤد کا لہجہ اب بھی سخت تھا۔

"میرے ساتھ جو کرنا ہے کریں، مگر حسن کو اس میں مت گھسیٹیں۔ بابا، پلیز۔" وہ التجا کرنے لگا۔

"کیا تم ماہ پارہ کو طلاق دے سکتے ہو؟"

"بابا!" وہ تڑپ کر بولا۔ "یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟"

"جب تم طلاق کے کاغذات پر دستخط کر کے مجھے دے دو گے، تو تمہیں حسن کے کاغذات مل جائیں گے۔" داؤد نے دوٹوک لہجے میں کہا اور جانے لگے۔

جہانگیر کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں جکڑ لیا ہو۔

NOVEL HUT

"اور ہاں....." داؤد رک کر پلٹے اور جہانگیر کی طرف دیکھ کر بولے۔ "اس کے بعد تم زائشہ سے نکاح بھی کرو گے۔"

یہ کہہ کر وہ وہاں سے چلے گئے، اور جہانگیر بس خالی نظروں سے ان کی پشت کو دیکھتا رہ گیا۔ اس کی آنکھوں میں ایک گہری بے بسی تھی۔ وہ ماہ پارہ کو کیسے طلاق دے سکتا تھا؟ اس کی زندگی برباد ہو جائے گی۔

اوپر کھڑا حسن غصے میں اپنے کمرے میں واپس گیا اور دروازہ زور سے بند کر دیا۔

جہانگیر نے نظر اٹھائی تو ماہ پارہ وہیں کھڑی تھی۔ اس کی آنکھوں میں شک اور بے یقینی تھی۔ وہ ایک پل ٹھہری، پھر خاموشی سے وہاں سے چلی گئی۔

جہانگیر تیز قدموں سے سیڑھیاں چڑھتا ہوا اپنے کمرے کی طرف بڑھا۔ ماہ پارہ کھڑکی کے پاس کھڑی آسمان کو تک رہی تھی۔

"میں ایسا کچھ نہیں کروں گا، ماہ پارہ، میرا یقین کرو۔" وہ دھیرے دھیرے اس کی طرف بڑھا۔ "میرا یقین کرو، میں..."

"آپ کو جس سے نکاح کرنا ہے، کر لیں۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں!" اس نے اس کی بات کاٹ دی، بغیر اس کی طرف دیکھے۔ "حسن بھائی نے سب کچھ بتا دیا ہے، مجھے مزید کچھ سننے کی ضرورت نہیں۔" اس کی آواز لرز رہی تھی۔

"تم یہ کیسے کہہ سکتی ہو؟ میں کسی اور سے شادی کیوں کروں گا؟" وہ اس کے قریب کھڑا ہو گیا۔

"تو کل کیا کر رہے تھے؟ فلم کی شوٹنگ؟" وہ اب بھی آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے طنزیہ لہجے میں بولی۔

"حسن نے تمہیں آدھی بات بتائی ہوگی..."

"کیا آپ کل نکاح نہیں کرنے والے تھے؟" وہ اچانک اس کی طرف مڑی۔ "صرف ہاں یا ناں میں جواب دیں۔" اس کی آنکھوں سے ایک آنسو نکل کر گال پر بہہ گیا۔

"ہاں، میں نکاح کرنے والا تھا، لیکن..."

NOVEL HUT

"بس، بات ختم!" اس نے سرد مہری سے کہا۔ "میں نے وجہ نہیں پوچھی۔"

وہ جانے لگی، مگر جہانگیر نے اس کی کلائی تھام کر اسے روک لیا۔ ماہ پارہ کی آنکھیں نمی سے بھر گئیں۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں، مگر آنسو ایک کے بعد ایک بہنے لگے۔ وہ اپنے جذبات پر قابو پانے کی کوشش کر رہی تھی، لیکن بے بسی نے اسے رونے پر مجبور کر دیا۔ اس نے ہاتھوں سے بہتے آنسو پونچھنے کی ناکام کوشش کی۔

"میری طرف دیکھو!" جہانگیر نے نرمی مگر مضبوطی سے کہا۔

ماہ پارہ دھیرے سے مڑی، مگر اس کی نظروں سے بچنے کی کوشش کرتی رہی۔ آنسو رکنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔

"مجھے یہ ہرگز برداشت نہیں کہ میری وجہ سے تمہاری آنکھوں میں آنسو آئیں، ماہ پارہ۔ تمہارے آنسو قیمتی ہیں، انہیں مجھ پر یوں ضائع مت کرو۔" وہ دھیرے

سے بولا اور اپنے ہاتھوں سے اس کے آنسو پونچھ دیے۔ پھر اس کی ٹھوڑی نرمی سے تھام کر اس کا چہرہ اوپر کیا۔

"اور میری وجہ سے حسن بھائی کا جانا ممکن نہیں ہو پا رہا، اس کا کیا؟ کوئی آپ سے سیدھے منہ بات نہیں کر رہا، اس کا کیا؟ مجھے نہ پڑھنا ہے، نہ اسکول جانا ہے۔ میں ایسی ہی ٹھیک ہوں!" وہ دھیمی آواز میں شکایت کرنے لگی۔

"تم اسکول جاؤ گی اور پڑھو گی بھی۔ میں نے تمہارا داخلہ سیف کے اسکول میں کروا دیا ہے، جو حویلی کے قریب ہی ہے۔ اور جہاں تک زائشہ کا تعلق ہے، وہ ان لڑکیوں میں سے نہیں جو مسترد ہونے پر افسردہ ہو جائیں۔ وہ مضبوط اعصاب کی مالک ہے اور شاید اب تک سب کچھ بھول چکی ہوگی۔" وہ اسے یقین دلانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"کیا آپ نے واقعی میرا داخلہ کروا دیا ہے؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

جہانگیر نے اثبات میں سر ہلایا۔

"لیکن کیسے، مطلب..."

"میں ہوں نا! تمہیں اب کچھ سوچنے کی ضرورت نہیں۔" وہ نرمی سے بولا اور وہاں سے چلا گیا۔

ماہ پارہ کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس کی سنہری آنکھوں میں ایک نئی چمک ابھری۔ وہ بے حد خوش تھی۔ وہ بھی ڈاکٹر بنے گی، لوگوں کا علاج کرے گی۔ اس کا سب سے بڑا خواب حقیقت بننے جا رہا تھا، اور یہ سب صرف جہانگیر کی بدولت ممکن ہو رہا تھا۔

وہ خود کو ریاست کی شہزادی تصور کرنے لگی، اور اس کا شہزادہ، اس کا محافظ، اس کا خوابوں کا ساتھی، جہانگیر تھا۔

******

NOVEL HUT

ایک ہفتے بعد...

ماہ پارہ اپنے کمرے میں اسکول جانے کے لیے تیار ہو رہی تھی۔ اس کا داخلہ ٹیسٹ کامیابی سے کلیئر ہو چکا تھا، اور آج اس کا پہلا دن تھا۔ وہ خوش تھی لیکن تھوڑی مایوس بھی۔ وہ چاہتی تھی کہ گاؤں میں اسکول قائم کیے جائیں، مگر

فی الحال یہ ممکن نہیں تھا۔ اس نے خود کو سمجھا لیا تھا کہ اسے پہلے خود تعلیم حاصل کرنی ہوگی، تبھی وہ دوسروں کے لیے کچھ کر سکے گی۔

جب کرامت کو یہ خبر ملی تو وہ بے حد خوش ہوا۔ اس دن وہ خاص طور پر جہانگیر کا شکریہ ادا کرنے آیا۔ جہانگیر نے شہر میں اپنے لیے کام بھی ڈھونڈ لیا تھا۔ اگرچہ وہ دونوں اب بھی حویلی میں ہی رہتے تھے، لیکن روزانہ کام کے سلسلے میں شہر جانا ان کا معمول بن چکا تھا۔

ماہ پارہ نے اپنے بالوں کی چوٹی بنائی، بیگ کندھے پر ڈالا، جوتے پہنے، دروازہ کھولا، اور سیڑھیاں اترنے لگی۔ لاؤنج میں بیٹھی امینہ نے اس پر ایک سخت نظر ڈالی اور پھر منہ پھیر لیا۔ ماہ پارہ نے ان کے رویے کو نظرانداز کیا اور سیدھا جا کر جیپ میں بیٹھ گئی۔

وقت گزرتا گیا، اور ماہ پارہ کا دل اسکول میں لگنے لگا۔ وہ پوری توجہ سے پڑھائی میں مشغول رہتی اور اب پہلے سے کم جہانگیر سے بات کرتی تھی۔ زیادہ تر وقت وہ اپنے کمرے میں گزارتی، کتابوں میں مگن رہتی۔ اس کی ذہانت اتنی تیز

تھی کہ وہ سب کچھ بہت جلد یاد کر لیتی تھی۔ وہ سیف کی کلاس میں تھی، اور دونوں کے درمیان اچھی دوستی ہو چکی تھی۔

چند مہینے اسی طرح گزر گئے۔ سب کچھ رفتہ رفتہ بہتری کی طرف جا رہا تھا۔ اینہ کا رویہ بھی جہانگیر کے ساتھ نرم پڑنے لگا، اور داؤد کا غصہ بھی دھیرے دھیرے کم ہو رہا تھا۔ جہانگیر اب پہلے سے زیادہ مصروف ہو چکا تھا، اور یہ بات داؤد کے لیے باعثِ اطمینان تھی۔ کم از کم اب وہ گاؤں کے معاملات میں مداخلت نہیں کرے گا۔

******

جہانگیر مطالعہ خانہ میں کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے، ہاتھوں میں کتاب تھامے بیٹھا تھا۔ اس کی آنکھوں پر عینک تھی اور چہرے پر سنجیدگی نمایاں تھی۔ وقفے وقفے سے وہ کافی کا مگ اٹھاتا، ایک گھونٹ بھرتا، اور پھر میز پر رکھ دیتا۔ اس کے بکھرے ہوئے بال اور بے ترتیب حلیہ اس کے مصروف شیڈول کا پتا دے رہے تھے، جبکہ نیند کی کمی کے باعث اس کی گہری سیاہ

آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ وہ کسی پیچیدہ کیس میں الجھا ہوا تھا، مگر اس وقت تمام فکریں پس پشت ڈال کر ایک افسانوی کتاب میں کھویا ہوا تھا۔

ماہ پارہ اور جہانگیر کے درمیان ایک بڑی مماثلت ان کا کتابوں سے لگاؤ تھا۔ ماہ پارہ اردو کی کتابیں پڑھتی تھی، جبکہ جہانگیر کو انگریزی ادب سے خاص دلچسپی تھی، مگر دونوں کے لیے مطالعہ ایک لازمی عادت تھی۔

بغیر دستک دیے ماہ پارہ نے دروازے کا ہینڈل گھمایا اور اندر داخل ہوئی۔ وہ چلتی ہوئی جہانگیر کے سامنے رکھی کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی اور میز پر کہنیاں ٹکا کر چہرہ ہاتھوں میں رکھ لیا۔ جہانگیر نے کوئی ردِ عمل ظاہر نہیں کیا اور بظاہر خود کو سنجیدہ ظاہر کرنے لگا، جیسے اس وقت کسی سے بات کرنے کا موڈ نہ ہو۔ وہ غالباً ماہ پارہ سے ناراض تھا، کیونکہ وہ ان دنوں شاذ و نادر ہی اس سے بات کرتی تھی، جیسے وہ اس سے دور رہنے کی کوشش کر رہی ہو۔ جہانگیر نے بھی فیصلہ کر لیا تھا کہ جب تک ماہ پارہ خود بات نہیں کرے گی، وہ بھی اسے نظر انداز کرے گا۔

"آپ مجھے نظر انداز کر رہے ہیں؟" ماہ پارہ نے گلا کھنکارا اور بولی۔ سامنے سے کوئی جواب نہ آیا۔

"اچھا، تو آپ واقعی مجھے نظر انداز کر رہے ہیں؟" اس نے کہنیاں میز سے ہٹا کر پیچھے ٹیک لگا لی۔

کمرے میں چند لمحے خاموشی چھائی رہی۔ بالآخر جہانگیر نے کتاب نیچے کی اور نظر اٹھا کر دیکھا۔ ماہ پارہ سنہری آنکھوں کی پتلیاں سکیڑ کر غور سے اسے دیکھ رہی تھی۔ جہانگیر نے گہری سانس لی، کتاب بند کی اور میز پر رکھ دی۔ ماہ پارہ نے دوبارہ اپنی کہنیاں میز پر رکھ لیں اور چہرہ ہاتھوں میں ٹکا کر اسی طرح غور سے اسے دیکھنے لگی۔

جہانگیر کچھ لمحے اسے دیکھتا رہا، شاید وہ ان آنکھوں میں اپنے لیے محبت، نرمی، یا کوئی اور جذبہ تلاش کر رہا تھا۔ مگر ماہ پارہ کی آنکھوں میں اس کے لیے صرف عزت اور احترام تھا۔ یہ دیکھ کر جہانگیر کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھری۔

ماہ پارہ نے "ہمم..." کہہ کر پیچھے ٹیک لگا لی۔

"ایسے مت دیکھو مجھے!" جہانگیر نے مصنوعی خفگی ظاہر کرتے ہوئے کہا اور کھڑا ہوگیا۔ "اور ویسے بھی، تم مجھ سے بات ہی مت کرو۔" وہ کتابوں کو الٹ پلٹ کرنے لگا۔

ماہ پارہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔ "اور میں نے ایسا کیا کیا ہے جو آپ مجھ سے ناراض ہیں؟"

"کیا کیا؟ اتنے دنوں سے، بلکہ مہینوں سے، تم مجھے نظر انداز کر رہی ہو! ظاہر ہے، مجھے برا لگے گا۔" اس نے شیلف سے ایک کتاب نکالی اور بے دلی سے صفحات پلٹنے لگا۔

"جہانگیر! میں اپنی پڑھائی میں مصروف تھی۔" ماہ پارہ اس کے قریب جا کر کھڑی ہوگئی۔ جہانگیر اب بھی اس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔

"مصروف تھی یا مصروف رہنے کا بہانہ بنا رہی تھی؟" جہانگیر نے بالآخر نگاہ اٹھا کر ماہ پارہ کو دیکھا، اس کی آنکھوں میں ہلکی سی شکایت تھی۔ "اتنا بھی

NOVEL HUT

وقت نہیں تھا کہ شوہر کے ساتھ دو منٹ بات کر لو..." وہ کہتے کہتے رک گیا۔ اچانک ہی اسے اپنی بات کا احساس ہوا، اور اس نے بے اختیار تھوک نگلا۔ جو کچھ وہ کہہ گیا تھا، وہ غلط تھا۔ وہ کیسے 'شوہر' کا لفظ استعمال کر سکتا تھا؟ اس نے ابھی تک ماہ پارہ کی طرف نظر نہیں اٹھائی۔

ماہ پارہ نے حیرانی سے اسے دیکھا۔ "اگر آپ کو بات کرنی تھی تو سیدھا کہہ دیتے کہ 'ماہ پارہ، دو منٹ میری بات سن لو'، لیکن نہیں! آپ تو ناراض ہونے میں ماہر ہیں!" وہ خفگی سے کہہ کر مڑی۔ پہلی بار وہ جہانگیر سے اس لہجے میں بات کر رہی تھی۔

جہانگیر کی رکی ہوئی سانسیں بحال ہوئیں۔ ماہ پارہ نے اس کی باتوں پر زیادہ غور نہیں کیا، مگر وہ خود اپنے الفاظ پر سوچنے لگا۔ وہ یہ سب کیسے کہہ سکتا تھا؟ اسے واقعی ماہ پارہ سے دور رہنا چاہیے تھا۔

ماہ پارہ دروازے کی طرف بڑھی، مگر ایک لمحے کے لیے رک کر پلٹ کر جہانگیر کو دیکھا، جو مصروف نظر آنے کی بھرپور کوشش کر رہا تھا۔ شاید وہ واقعی

ناراض تھا۔ اس کی آنکھیں نم ہو گئیں، اور وہ پلٹ کر کمرے سے باہر نکل گئی۔ دروازہ بند ہونے کی آواز گونجی، اور جہانگیر نے پلٹ کر دیکھا۔

اس نے اداسی سے سر جھٹکا اور سوچنے لگا۔ وہ کیا کرے کہ ماہ پارہ اپنی پڑھائی پر بھی توجہ دے، مگر وہ اس سے بالکل دور بھی نہ ہو؟ وہ چاہتا تھا کہ ماہ پارہ اپنی تمام تر توجہ تعلیم پر مرکوز رکھے، مگر اس کے دل میں کہیں نہ کہیں یہ خواہش بھی تھی کہ وہ اس سے بے تعلق نہ ہو۔

ماہ پارہ اپنے کمرے میں آئی، ساری لائٹس آف کیں اور بیڈ کی طرف بڑھ گئی۔ اس نے اپنی بند آنکھوں پر بازو رکھا اور سونے کی کوشش کی، مگر نیند نہیں آئی۔ جہانگیر اس سے ناراض تھا، اور اسے اس کا علم بھی نہیں تھا۔ کیا وہ واقعی اپنی پڑھائی میں اتنی مصروف ہو گئی تھی کہ یہ سب نظر انداز کر گئی؟

*****

جہانگیر سیاہ شلوار قمیض میں ملبوس صوفے پر ٹانگ پر ٹانگ جمائے بیٹھا تھا۔ اس وقت وہ حیدر سے کسی سنجیدہ موضوع پر گفتگو کر رہا تھا، جبکہ حیدر جوس کا گھونٹ لیتے ہوئے بس سرہاں میں ہلا رہا تھا۔

یہ حیدر کا کرائے کا مکان تھا، جہاں وہ اور اس کی بیوی چند ماہ کے لیے آئے تھے۔ ان کا اصل گھر لندن میں تھا، اور جلد ہی حیدر کو واپس جانا تھا، اسی لیے جہانگیر کے پاس زیادہ وقت نہیں تھا۔

"میں نے اس کا پاسپورٹ کافی پہلے بنوا لیا تھا، لیکن ویزا لگنے میں وقت لگ رہا ہے۔ باقی تمام دستاویزات تیار ہیں، بس وہ بھی راضی ہو جائے۔" جہانگیر نے دھیمی آواز میں کہا۔ ماہ پارہ اس وقت سامنے والے کمرے میں تھی، اور وہ ابھی اسے کچھ بتانا نہیں چاہتا تھا۔

"ہاں، کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔ وہ ہمارے ساتھ رہے گی، ہم اس کی اچھی طرح دیکھ بھال کریں گے، اور پھر راین بھی تو ہے، اس کا دل لگا رہے گا۔"

"لیکن... کیا وہ مانے گی؟" جہانگیر کے لہجے میں ہلکی سی پریشانی تھی۔

حیدر نے کندھے اچکائے۔ "جیسا کہ تم نے کہا کہ وہ اپنی پڑھائی کے معاملے میں بہت سنجیدہ ہے، اس لیے شاید وہ مان جائے۔" وہ ذرا رکا، پھر مسکرا کر بولا۔ "لیکن تم اس کے بغیر رہ لو گے؟" اس نے شرارت سے کہا اور گلاس لبوں سے لگا لیا۔

جہانگیر نے کوئی جواب نہیں دیا، بس حیدر کو گھورنے لگا۔ اتنے میں ماہ پارہ اور یاسمین کمرے سے باہر نکل کر ان کی طرف آ رہی تھیں۔ جہانگیر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"چلو، ہم بھی چلتے ہیں، کافی دیر ہو گئی ہے۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

الوداعی جملوں کے تبادلے کے بعد وہ دونوں حویلی کی طرف روانہ ہو گئے۔

ماہ پارہ جہانگیر سے خفا تھی۔ وہ سینے پر بازو لپیٹے، سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائے، آنکھیں بند کیے بیٹھی تھی۔ جہانگیر سرسری نگاہ اس پر ڈال رہا تھا۔

(ناراض میں ہوں، اور بات یہ مجھ سے نہیں کر رہی؟ ہونہہ!)

لیکن سوال یہ تھا کہ... کیا وہ ماہ پارہ کے بغیر رہ پائے گا؟

محبت نہیں ہوئی تھی اسے ماہ پارہ سے...

بس، وہ اس کا عادی ہو چکا تھا۔

حویلی پہنچنے کے بعد، ماہ پارہ کپڑے بدل کر بستر پر لیٹنے لگی، جب جہانگیر آ کر اس کے پاس بیٹھ گیا۔

"کیا ہم تمام ناراضگیوں کو ایک طرف رکھ کر ایک دوسرے کی بات سن سکتے ہیں؟" ماہ پارہ نے سر ہلایا۔

"کچھ دن بعد... حیدر لندن جا رہا ہے۔" وہ رکا اور ماہ پارہ کو دیکھا، جو ابھی تک سر جھکائے بیٹھی تھی۔ "تو میں نے فیصلہ کر لیا ہے۔"

ماہ پارہ نے چونک کر آنکھیں اٹھائیں۔ اب کی بار جہانگیر اس کے ہاتھوں کو دیکھ رہا تھا۔

"کیسا فیصلہ؟" اس کی آواز میں ہلکی سی لرزش تھی، جیسے وہ پہلے ہی سمجھ چکی ہو کہ جہانگیر کیا کہنے والا ہے۔ چند ہفتے پہلے جہانگیر نے ایک بار لندن جانے کی پیشکش کی تھی، لیکن اس نے صاف انکار کر دیا تھا۔

"تم لندن جا رہی ہو۔ یہ میرا حکم ہے۔ میں تم سے اجازت نہیں لے رہا، تمہیں جانا ہے، مطلب جانا ہے۔ میں انکار نہیں سنوں گا۔" وہ تیز تیز بولا، پھر رکا اور ماہ پارہ کی سنہری آنکھوں میں دیکھا۔ وہاں بے یقینی تھی۔

"آپ... ایسا نہیں..." اس نے نفی میں گردن ہلائی۔ "نہیں کر سکتے۔"

"سب کچھ تیار ہے، ماہ پارہ، پلیز۔ تم کیا چاہتی ہو؟ کیا تم نہیں چاہتی کہ تم ایک قابل ڈاکٹر بنو؟" اس نے ماہ پارہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

"یہاں کوئی نہیں پڑھتا کیا؟ میں... یہاں بھی تو پڑھ سکتی ہوں۔" وہ رندھی ہوئی آواز میں بولی۔

"یہ میرا حتمی فیصلہ ہے۔ میں تم سے پوچھنے نہیں آیا، بلکہ بتانے آیا ہوں۔" وہ کھڑا ہو گیا۔ "جلد سے جلد جانے کی تیاری کرو۔" یہ کہہ کر وہ مطالعہ خانہ میں چلا گیا۔

ماہ پارہ خالی نظروں سے اسے جاتا دیکھتی رہی۔ جہانگیر کے جانے کے بعد بھی وہ کئی منٹ تک دروازے کو گھورتی رہی۔

وہ خود کو ایک کامیاب ڈاکٹر کے روپ میں دیکھنا چاہتی تھی...

مگر ایسے نہیں۔

اسے صرف اپنی خوشی کے بارے میں نہیں سوچنا تھا، اور بھی بہت کچھ تھا جس کے بارے میں سوچنا ضروری تھا۔

وہ بستر پر لیٹ گئی، چھت کو تکتے تکتے اس کی آنکھوں میں نمی آگئی، لیکن وہ آنسو بہنے نہیں دیے۔ اس نے کمبل اپنے چہرے تک کھینچ لیا اور آنکھیں بند کر لیں۔

******

دس سال بعد

شہر لندن تھا۔

تاریخ یکم دسمبر 1990 تھی۔

صبح کے آٹھ بج رہے تھے۔

یاسمین کچن میں کھڑی کافی بنا رہی تھی، ساتھ ہی وہ وقتاً فوقتاً کھانے کی میز پر کیک،پیسٹری اور راہین و ماہ پارہ کی پسند کی چیزیں رکھتی جا رہی تھی۔

ان کا گھر بڑا نہیں تھا، مگر بہت خوبصورت تھا۔ جیسے ہی اندر داخل ہوتے، سامنے ایک لاؤنج تھا۔ دائیں جانب دو صوفے رکھے تھے اور بائیں طرف کچن تھا۔ کچن اور صوفوں کے درمیان کھانے کی میز رکھی ہوئی تھی۔ ایک چھوٹا مگر آرام دہ لاؤنج تھا۔

لاؤنج سے آگے سیڑھیاں اوپر جاتیں، پھر دائیں طرف دو کمرے تھے۔ ایک میں ماہ پارہ اور راہین رہتی تھیں، جبکہ دوسرا حیدر اور یاسمین کا تھا۔

"راہین ! راہین !" یاسمین نے آواز دی۔ "ماہ پارہ کو جگا دو، اسے کہو کہ آج ہسپتال جانا ہے اور وقت پر پہنچنا ضروری ہے۔ ایک تو اس لڑکی کو جگانا بہت مشکل کام ہے !" وہ فریج سے پانی کی بوتل نکال رہی تھی۔

"ممی، میں ان سے ناراض ہوں! اتنا منع کرنے کے باوجود انہوں نے کل مجھے انجیکشن لگا دیا تھا۔" راہین نے خفگی سے منہ بنا کر کہا۔ وہ بازو سینے پر باندھے ٹی وی دیکھ رہی تھی۔

پندرہ سالہ راہین اتنی ہی معصوم اور خوبصورت تھی۔ اس کے لمبے بال اونچی پونی ٹیل میں بندھے تھے۔ وہ ٹانگیں میز پر رکھے، ایک ہاتھ میں ریموٹ پکڑے خفا خفا سی ٹی وی دیکھ رہی تھی۔ کل انجیکشن لگوانے کی وجہ سے وہ ماہ پارہ سے ناراض تھی، لیکن پھر بھی اس سے بےحدپیار کرتی تھی۔ وہ ماہ پارہ کے ساتھ بہنوں کی طرح رہتی تھی۔

"ماہ پارہ نے میرے اصرار پر تمہیں انجیکشن لگایا تھا، ورنہ وہ کہہ رہی تھی کہ تم ایک ہفتے میں خود ہی ٹھیک ہو جاؤ گی۔ لیکن میں نے کہا کہ تم جلدی ٹھیک ہو جاؤ، اس لیے یہ آخری آپشن تھا۔" یاسمین نے مصروف انداز میں کہا۔

راہین کی ناراضگی کم تو نہیں ہوئی، مگر وہ پھر بھی اسے جگانے کے لیے اٹھ گئی۔

وہ دروازے پر دستک دے رہی تھی۔ دو بار دستک دینے کے بعد اندر سے آواز آئی۔ "میں جاگ گئی ہوں، دس منٹ میں نیچے آرہی ہوں۔"

یہ سن کر وہ واپس ٹی وی دیکھنے آگئی اور یاسمین کو بھی اطلاع دے دی۔

ماہ پارہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی اپنے بال خشک کر رہی تھی۔ اس کے درمیانے لمبے بال اب کمر سے نیچے آتے تھے۔ وہ اب پہلے سے بہت خوبصورت ہو چکی تھی۔ دس سال پہلے کی ماہ پارہ اور آج کی ماہ پارہ میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ وہ میچور ہو چکی تھی، اب وہ سنجیدہ رہنے لگی تھی۔ نہ زیادہ مسکراتی، نہ بات کرتی، بس زیادہ تر اپنے کمرے میں اکیلی بند رہتی۔

جیسے کہ اسے جہانگیر پر اب بھی غصہ تھا...

دس سال ہونے کو آئے تھے، مگر ان دس سالوں میں نہ وہ دوبارہ پاکستان گئی اور نہ ہی اس نے جہانگیر کے کسی خط کا جواب دیا۔

وہ اس وقت سیاہ رنگ کی قمیض اور پاجامے میں ملبوس تھی۔ کانوں میں چھوٹے ٹاپس اور گردن میں ننھا سا لاکٹ پہنا ہوا تھا۔

وہ فون پر کسی سے بات کرتے ہوئے اپنے لمبے بال جوڑے میں باندھ رہی تھی۔ اس کی خوبصورت آواز اضطراب میں لپٹی ہوئی تھی، کیونکہ وہ آج اب تک کے سب سے مشکل آپریشن کے لیے جا رہی تھی۔ وہ واقعی ایک بہترین ڈاکٹر بن چکی تھی، اور جب بھی اس نے اپنے نام کے ساتھ "ڈاکٹر" کا لفظ سنا، اسے جہانگیر یاد آیا۔

کاش، وہ یہ الفاظ جہانگیر کے منہ سے بھی سن سکتی...

"ڈاکٹر ماہ پارہ جہانگیر علوی!"

آئینے میں خود کو آخری بار دیکھنے کے بعد وہ اٹھی۔ میز سے پرفیوم کی بوتل اٹھائی، خود پر چھڑک کر واپس رکھ دی۔ بھورے رنگ کی لانگ کوٹ پہنی، جوتے پہنے، پرس کندھے پر ڈالا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتے ہوئے کمرے کے دروازے کی طرف بڑھی۔ دروازہ کھول کر سیڑھیاں عبور کیں اور کچن میں داخل ہوئی۔ وہ پانی لینے کے لیے فریج کھولنے ہی والی تھی کہ یاسمین نے پہلے ہی اسے پانی کا گلاس پکڑا دیا۔

"شکریہ بھابھی۔" گلاس پکڑ کر وہ ڈائننگ ٹیبل کی طرف بڑھی، کرسی کھینچ کر بیٹھی اور پانی کا گلاس ہونٹوں سے لگا کر رامین پر سرسری نظر ڈالی۔

"ویسے بھابھی..." اس نے یاسمین کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں آج رات کھانے پر جانے کا سوچ رہی تھی، لیکن..." وہ رکی اور مسکراہٹ دبائے پلٹ کر رامین کو دیکھا۔ "لیکن اکیلے جا کر کیا کروں گی؟ چھوڑیں!" وہ سر جھٹک کر چمچ سے پیسٹری کھانے لگی۔

رامین فوراً ڈائننگ ٹیبل کے پاس آئی، کرسی کھینچ کر ماہ پارہ کے سامنے بیٹھ گئی۔

"میں ویسے فری ہوں، اگر آپ مجھے لے جانا چاہتی ہیں تو آپ مجھے لے جا سکتی ہیں۔ اکیلے جانا خطرے سے خالی نہیں ہے۔" وہ ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"لیکن ماہ پارہ، آج رات تمہاری فلائٹ ہے، کیا تم پاکستان نہیں جا رہی؟" یاسمین نے کافی کے دو مگ میز پر رکھے، ماہ پارہ نے بمشکل پیسٹری حلق سے نیچے اتاری۔

"میں نے اسے منسوخ کر دیا ہے۔" یہ کہہ کر اس نے کافی کا مگ ہونٹوں سے لگایا اور جلدی سے گھونٹ لیا کیونکہ اسے دیر ہو رہی تھی۔

"تم پچھلے کچھ سالوں سے یہی کر رہی ہو۔ بس کرو ماہ پارہ، اسے معاف کر دو اب۔ وہ تو تمہارا بھلا چاہتا تھا۔" یاسمین فکرمندی سے اسے سمجھانے لگی۔

"پچھلے ایک سال سے ان کا کوئی خط نہیں آیا۔" اس کی آواز بلند ہوئی۔ "کیا معلوم، انہوں نے دوسری شادی کر لی ہو۔ وہ اب میرا انتظار تو نہیں کریں گے۔" اس نے اٹھ کر بیگ کندھے پر ڈالا۔ یاسمین حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔

NOVEL HUT

"کون جانتا ہے کہ جو خط مجھے اتنے سالوں سے مل رہے ہیں، وہ ان کے ہیں بھی یا نہیں۔ میں اب ان سے کوئی رشتہ نہیں رکھنا چاہتی۔ اگر میں اب جاؤں بھی تو ان سے طلاق لینے ہی جاؤں گی۔" وہ تلخی سے بولی اور باہر نکل گئی۔

یاسمین نے افسوس سے سر جھٹکا۔ وہ طلاق لینے کی بات کر رہی تھی۔ وہ جہانگیر جس نے ماہ پارہ کے لیے کیا کچھ نہیں کیا تھا۔ کیا وہ واقعی اپنے خوابوں کے سامنے کچھ نہیں دیکھ سکتی تھی؟ یا شاید وہ دونوں ایک دوسرے کے عادی ہو گئے تھے۔ اور عادت، محبت سے زیادہ مہلک ہے۔

******

یہ گاؤں کا منظر ہے، جہاں اس وقت گاؤں کی بچیاں اسکول جانے کے لیے تیار تھیں۔ آخر کار جہانگیر کی محنت رنگ لائی۔ وہ ایک اسکول بنانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ ماہ پارہ کے سارے خواب پورے ہو چکے تھے۔

"کیا تم جانتی ہو یہ اسکول کس کے نام پر ہے؟" ایک لڑکی بالوں کی دو چوٹی بنائے ہوئے، معصومیت سے اپنے دوست سے پوچھ رہی تھی۔ دونوں گاؤں کی گلیوں سے گزر کر اسکول جا رہی تھیں۔

"کس کے؟" اس نے اتنی ہی معصومیت سے پوچھا۔

"ماہ پارہ باجی کے نام۔ ان کی بدولت آج ہم اسکول جا رہے ہیں اور یہاں کی گلیوں میں بے خوف گھوم رہے ہیں۔" وہ فخر سے بتا رہی تھی۔

"وہ خود کہاں ہیں؟"

"وہ؟ جہانگیر بھائی کہہ رہے تھے کہ وہ بہت جلد اپنے ملک لوٹ آئیں گی، اس لیے شاید وہ یہاں نہیں رہتیں۔" اس نے کندھے اچکائے۔

وہ دونوں کندھوں پر بیگ لٹکائے اسکول کی طرف جا رہی تھیں، چہرے پر مسکراہٹ سجائے خوش ہوتی ہوئی۔ ان کے اسکول میں ہر روز ماہ پارہ کے بارے میں باتیں ہوتی تھیں، اس کی تعریف کی جاتی تھی۔

* * * * * *

وہ سارے راستے خاموش رہی۔ اس نے لب بھینچ لیے اور اسٹیئرنگ وہیل پر گرفت مزید سخت کر لی۔ اس کے ذہن میں بس ایک ہی نام گونج رہا تھا۔ جہانگیر۔

وہ ایک سال سے لاپتہ تھا، اور یہی سوچ سوچ کر اس کے دل میں بے چینی بڑھ رہی تھی۔ اگر وہ خط نہیں پڑھتی تھی، تب بھی کم از کم یہ یقین تو ہوتا کہ وہ خیریت سے ہے، کہ وہ اسے بھولا نہیں ہے۔

گاڑی تیز رفتاری سے ہسپتال کی طرف بڑھ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں نمی سے بھر گئیں، لیکن... اب وہ رونا بھول چکی تھی۔

پارکنگ میں گاڑی روکتے ہی اس نے پیچھے کو ٹیک لگا لی، چند لمحے خود کو پرسکون کرنے کی کوشش کی، پھر گہری سانس لے کر دروازہ کھولا، پاؤں زمین پر رکھا اور دروازہ بند کر دیا۔

وہ سفید چمچماتے ٹائلوں پر قدم بڑھاتی راہداری میں داخل ہوئی۔ ایک موڑ مڑ کر دائیں، پھر بائیں مڑتے ہوئے ایک مخصوص کمرے کے دروازے پر آرکی۔ ہلکا سا دروازے کا نوب گھمایا اور اندر داخل ہو گئی۔

سامنے میز پر چند فائلیں ترتیب سے رکھی تھیں۔ اس نے اپنا بیگ کندھے سے اتارا، میز پر رکھا اور اپنا کوٹ نکال کر کرسی کی پشت پر ڈال دیا۔ پھر میز سے ایک فائل اٹھائی اور سرسری نگاہ سے اس کا جائزہ لینے لگی۔

یہ کمرہ چھوٹا تھا، مگر منظم۔ دائیں طرف رکھی میز پر ایک قلم دان اور چند فائلیں موجود تھیں، جبکہ سامنے سنگل صوفہ اور ایک گول میز رکھی تھی۔ دیوار پر اس کے کئی سرٹیفکیٹس آویزاں تھے، جو اس کی محنت اور کامیابی کی علامت تھے۔

فائل بند کرتے ہی اس نے لیب کوٹ پہن لیا اور دروازہ کھول کر آپریشن تھیٹر کی طرف بڑھ گئی۔ اب وہ پہلے سے بہتر محسوس کر رہی تھی۔

شام ہو چکی تھی، ہسپتال میں بھیڑ کم ہو گئی تھی۔ آپریشن کامیاب رہا، لیکن وہ مسکرائی نہیں۔

اپنے کمرے میں واپس آکر وہ کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے آنکھیں بند کیے بیٹھی رہی۔ اس کے آدھے بال کیچر میں بندھے ہوئے تھے، جبکہ باقی اس کے کندھوں پر بکھرے ہوئے تھے۔

اسی لمحے دروازے پر دستک ہوئی۔

"آئیے۔" اس نے آنکھیں کھولے بغیر اجازت دی۔

کرسی کھینچنے کی آواز آئی، پھر میز پر دو بار دستک دی گئی۔ ماہ پارہ نے آنکھیں کھولیں، سامنے حیدر بیٹھا تھا۔

"حیدر بھائی، آپ یہاں؟" وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

حیدر نے پیچھے کو ٹیک لگا کر نرم لہجے میں پوچھا۔ "تم نے آج کی فلائٹ کیوں کینسل کی؟"

"مجھے نہیں جانا، پھر کبھی چلی جاؤں گی۔ میرے سارے کام یہیں ہیں، وہاں جا کر کیا کروں گی؟" وہ نظریں جھکائے بولی۔

"تم شاید ایک بات بھول رہی ہو، ماہ پارہ... تم ڈاکٹر کس لیے بنی ہو؟"

"مجھے یاد ہے، سب کچھ یاد ہے، بس..." وہ رکی، جیسے الفاظ تلاش کر رہی ہو۔ "بس ہمت نہیں ہو رہی وہاں جانے کی۔"

حیدر نے گہری سانس لی۔ "تم ماہ پارہ، تم ڈاکٹر بن گئی ہو، ایک قابل ڈاکٹر۔ مگر تمہارا خواب صرف ڈاکٹر بننا نہیں تھا، تمہارا خواب گاؤں کے لوگوں کا مفت علاج کرنا تھا۔ میں اس ماہ پارہ کو نہیں جانتا، جو اتنی خود غرض اور سنجیدہ رہنے لگی ہے۔ تم وہ نہیں ہو جسے میں جانتا تھا۔" وہ خاموش رہی۔

"جہانگیر کا قصور کیا تھا؟ صرف یہ کہ اس نے تمہیں ایک بہتر مستقبل دینے کے لیے بھیجا؟" حیدر نے کرسی کے بازو پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

ماہ پارہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"تم اس سے کس بات پر ناراض ہو؟ اتنے سالوں سے وہ تمہیں خط بھیج رہا ہے، تم نے نہ انہیں پڑھا، نہ کبھی جواب دیا۔ کیا تمہیں معلوم بھی ہے کہ وہ کس تکلیف سے گزر رہا ہوگا؟"

ماہ پارہ کی نظریں مزید جھک گئیں، جیسے کوئی جرم اس پر عیاں ہو گیا ہو۔

حیدر کی آواز میں تھوڑی سختی آئی۔ "ایک سال سے کوئی خط نہیں آیا، ہے نا؟" وہ خاموش رہی۔

حیدر نے ایک لمبی سانس لی۔ "خط اب بھی آتے ہیں، لیکن میں نے تمہیں دینا بند کر دیے۔ جب تمہیں ان کا جواب نہیں دینا، تو میں کیوں دوں؟"

ماہ پارہ نے حیرت سے سر اٹھایا، اس کے چہرے پر بے یقینی تھی۔

"تمہیں معلوم ہے، وہ اب بیرسٹر جہانگیر داؤد ہے۔ اس نے ان دس سالوں میں بہت ترقی کی، مگر..."

ماہ پارہ کے دل میں کچھ ٹوٹا۔ "کیا وہ ٹھیک ہیں؟"

حیدر نے اس کی طرف دیکھا، پھر نظریں پھیر لیں۔ "نہیں... وہ اب پاکستان میں نہیں ہے، اور جہاں ہے، وہ ٹھیک نہیں ہے۔"

وہ ایک پل کو رکی، پھر سرگوشی جیسی آواز میں بولی۔ "کیا مطلب؟"

"اس کے دونوں گردے خراب ہو چکے ہیں، علاج جاری ہے... مگر وہ زیادہ وقت تک نہیں بچ سکتا۔ وہ صرف اپنی زندگی کے آخری چند لمحے تمہارے ساتھ گزارنا چاہتا ہے۔"

ماہ پارہ کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا ہو۔ وہ برف کی طرح جم گئی۔

"آپ نے... پہلے کیوں نہیں بتایا؟"

وہ جو آنسو برسوں سے روکے بیٹھی تھی، وہ اب بہہ رہے تھے۔

حیدر نے ایک کاغذ اس کے سامنے رکھا۔ "یہ کل کا خط ہے۔ وہ مصر میں ہے، اور تمہیں دیکھنا چاہتا ہے۔ اگر تم پاکستان جاؤ گی، تو وہ بھی آئے گا۔ اور تم تو اتنی قابل ڈاکٹر ہو، اپنے شوہر کا علاج خود کر سکتی ہو، ہے نا؟"

وہ مسکرا کر اس کے قریب آیا اور اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔ "اسے ایک بار خط لکھو، صرف ایک بار۔" یہ کہہ کر وہ باہر نکل گیا۔

ماہ پارہ بے جان سی کرسی سے لگی رہی۔

"میں نے اسے دس سال انتظار کروایا... دس سال۔ اور اب، جب میں جانے کے لیے تیار ہوں، تو مجھے دس منٹ کا بھی بھروسہ نہیں ہے۔ کیا میں واقعی اتنی خود غرض ہو گئی تھی؟" آنکھوں سے آنسو مسلسل بہہ رہے تھے۔

وہ کانپتے ہاتھوں سے اٹھی، میز پر سے کاغذ اٹھایا، قلم دان سے قلم نکالا اور لکھنے لگی۔

الفاظ کانپ رہے تھے، مگر وہ پھر بھی لکھ رہی تھی...

اپنے دل کی تمام باتیں۔

* * * * * *

ہسپتال کے خاموش کمرے میں، بستر پر لیٹا ایک شخص چھت کو تکتے ہوئے گہری سوچ میں ڈوبا تھا۔ اس کا چہرہ زرد اور آنکھوں کے گرد گہرے سائے اس کی طویل بیماری کی گواہی دے رہے تھے، لیکن اس کی آنکھوں میں امید کی ایک چمک اب بھی باقی تھی۔ کسی دن اسے اپنے خطوں کا جواب ملے گا۔

دروازہ دھیرے سے کھلا۔ ایک شخص اندر داخل ہوا۔ وہ بیڈ کے قریب رکھی کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا اور ایک خط اس کے سامنے لہرایا۔

"تو آخر کار، دس سال کے طویل انتظار کے بعد آپ کو شاید معافی مل گئی ہوگی !" حسن کی مسکراہٹ میں شرارت تھی، لیکن آنکھوں میں خوشی جھلک رہی تھی۔

جہانگیر نے لہراتے ہوئے خط کو پکڑا اور محض آبرو کے اشارے سے حسن باہر جانے کو کہا۔ حسن کندھے اچکا کر باہر نکل گیا۔ کمرے میں ایک بار پھر خاموشی چھا گئی۔

جہانگیر نے خط کو کانپتے ہاتھوں سے کھولا۔ دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ نہ جانے اس میں کیا لکھا ہوگا؟ کیا وہ نفرت کا اظہار ہوگا یا محبت کی کوئی جھلک؟

بیرسٹر جہانگیر داؤد علوی کے نام۔

مجھے نہیں معلوم کہ کہاں سے شروع کروں۔ یہ بھی نہیں معلوم کہ سب سے پہلے آپ کی خیریت دریافت کروں یا اپنی غلطیوں کی معافی مانگوں۔

جہانگیر، میں شرمندہ ہوں... بے حد شرمندہ۔

مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ کی طبیعت اتنی خراب ہے۔ میں نے کبھی بھی آپ کا کوئی خط نہیں پڑھا، کیونکہ مجھے ڈر تھا کہ اگر ایک بار پڑھ لیا تو ضبط کھو بیٹھوں گی۔ اس شہر نے مجھے اتنے سالوں میں خودغرض بنا دیا تھا۔ آج میں ایک قابل اور کامیاب ڈاکٹر ہوں، لیکن پھر بھی.... میں ہار گئی۔

جہانگیر، مجھے معاف کر دیجیے۔

جس شخص نے برے وقت میں میرا ساتھ دیا، میں اس کے برے وقت میں ساتھ نہیں تھی۔ مجھے اس کا بے حد افسوس ہے۔

میں پاکستان واپس جا رہی ہوں۔ وہیں، جہاں سے ہماری کہانی شروع ہوئی تھی۔ جہاں وہ خواب، جن کے لیے میں نے محنت کی، حقیقت بننے کے انتظار میں ہیں۔ لیکن میں صرف ایک ڈاکٹر نہیں.... میں ایک بیوی بھی ہوں۔

اور اب، میں چاہتی ہوں کہ اپنے شوہر کا علاج خود کروں۔ ہم ایک نئی زندگی شروع کریں گے۔ ایک نئی امید، ایک نئے خواب کے ساتھ۔

میں بس اتنا چاہتی ہوں کہ آپ میرے ساتھ اس سفر میں چلیں۔

کیا آپ میرا ساتھ دیں گے؟

کیا آپ مجھے اکیلا چھوڑ کر تو نہیں جائیں گے؟

ڈاکٹر ماہ پارہ جہانگیر علوی۔

جہانگیر کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔ لبوں پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ ابھری۔

اس نے خط کو سینے سے لگا لیا اور آنکھیں بند کر لیں۔

اتنے سالوں کی جدوجہد اور انتظار کے بعد، اس نے ماہ پارہ کو مضبوط، خودمختار، اور کامیاب بنتے دیکھ لیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کی محنت رائیگاں نہیں گئی۔ اس کا صبر بے سود نہیں تھا۔

وہ اب ماہ پارہ کے لیے ضرور واپس جائے گا۔

خط کو سینے سے لگائے، وہ ماہ پارہ کے جذبات کو محسوس کر رہا تھا۔

لفظ 'شوہر' کا خیال آتے ہی اس کے لبوں پر مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

دس سال کے طویل انتظار کے بعد، آخر کار، وہ اپنی زندگی ایک نئے سرے سے شروع کرنے جا رہا تھا۔

وہ اب جینا چاہتا تھا....

صرف اور صرف ماہ پارہ کے لیے۔

ان کی کہانی یہیں ختم نہیں ہوتی....

ان کی کہانی تو اب شروع ہو رہی تھی۔

NOVEL HUT

******

حصہ دوم

کامیابی ایک سفر ہے،

ہر ایک کے لیے مختلف ہے،

یہ صرف لمبی سیڑھیاں چڑھنے کے بارے میں نہیں ہے۔

یہ اپنے مقصد کو تلاش کرنے

اور خواب کا پیچھا کرنے کے بارے میں ہے،

،اور خود میں یقین رکھنا

چاہے کچھ بھی ہو جائے۔

،یہ ہمت کرنے کے برابر ہے

،جب کچھ بھی غلط ہوجائے

،اور جب تک مصائب آتے ہیں

تب تک قیام رہنا ہے۔

،یہ مشکلات کو کھلے دل سے قبول کرنا ہے

اور کسی بھی طوفان کو سہنا ہے۔

******

یہ مصر کی یخ بستہ راتوں میں سے ایک تھی۔

ہسپتال کے بستر پر لیٹا شخص گہری نیند میں تھا، دنیا و مافیہا سے بے خبر۔یہ خط موصول ہونے کے ایک ہفتے بعد کا منظر تھا۔ کمرے کا درجہ حرارت

قدرے بہتر تھا۔ رات کا آخری پہر تھا جب ایک لڑکی دروازے پر دستک دیے بغیر اندر داخل ہوئی۔ اس کے چہرے کے گرد دوپٹہ لپٹا ہوا تھا۔ وہ جامنی رنگ کی قمیض اور پاجامے میں ملبوس تھی، اور اوپر ایک لمبا کوٹ پہنے ہوئے تھی، جو ہسپتال پہنچنے کے بعد اس نے اتار کر اپنے بازو پر رکھ لیا تھا۔

اندر داخل ہوتے ہی اس کی پہلی نظر بستر پر لیٹے شخص پر پڑی۔ ارد گرد رکھی مشینیں، بازوؤں میں لگی سوئیاں، یہ سب دیکھ کر ماہ پارہ کے دل میں کچھ چبھ گیا۔ کرب سے اس نے آنکھیں بند کر لیں، چند گہرے سانس لیے، پھر آنکھیں کھول دیں۔ وہ اس کے سامنے تھا۔ دس سال کے طویل انتظار کے بعد، وہ جہانگیر کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ رہی تھی۔ وہ اتنے قریب ہو کر بھی بہت دور تھا۔

کمرے میں خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ نیم تاریک ماحول میں جہانگیر کا مرجھایا ہوا چہرہ واضح نظر آ رہا تھا۔ ماہ پارہ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ لب کاٹتے ہوئے وہ ہمدردی بھری نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کا دل زور سے

NOVEL HUT

دھڑکنے لگا۔ وہ اب بھی ساکت کھڑی تھی۔ اگر وہ جاگ گیا اور اسے دیکھ لیا تو؟ دس سال بعد وہ جہانگیر کو دیکھ رہی تھی، اور ان سالوں میں نہ اس نے جہانگیر سے بات کی تھی اور نہ ہی ملنے کی کوشش کی تھی۔

وہ دبے قدموں آگے بڑھی۔ بستر کے قریب رکھی کرسی پر بنا کوئی آواز کیے بیٹھ گئی۔ اس کی نظریں اب قریب سے اس چہرے کا احاطہ کر رہی تھیں۔یہ وہ شخص تھا جس نے اپنی ساری خوشیاں اس کے قدموں میں نچھاور کر دی تھیں۔ جہانگیر نے خود کو ماہ پارہ کے لیے خاک کر دیا تھا۔ ان دس سالوں میں، وہ اکثر سوچتی تھی کہ اگر جہانگیر اس کی زندگی میں نہ ہوتا، تو شاید آج وہ یہاں نہ ہوتی۔

ماہ پارہ نے بھیگی آنکھوں سے مسکرا کر اسے دیکھا۔ وہ کئی بار اللہ کا شکر ادا کر چکی تھی کہ اس کی زندگی میں جہانگیر آیا۔ وہ اس کا محافظ تھا۔ اس کا شوہر تھا ۔ اور اب، ناراضگی کا ہر شعلہ بجھ چکا تھا۔

آہستہ سے، بہت نرمی کے ساتھ، اس نے جہانگیر کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ اتنی احتیاط سے کہ کہیں وہ جاگ نہ جائے۔ مگر جہانگیر بے حس و حرکت رہا۔ شاید دواؤں کے زیرِ اثر، شاید تھکن سے چُور۔

ہسپتال کے کپڑوں میں ملبوس، ماتھے پر بکھرے بکھرے بال، آنکھوں کے گرد گھرے حلقے، بڑھی ہوئی داڑھی، زرد پڑا چہرہ۔ وہ برسوں کا بیمار لگ رہا تھا، تھکا ہارا، نڈھال۔

ماہ پارہ کا دل مٹھی میں جکڑنے لگا۔ یہ وہی جہانگیر تھا، جس نے خود کو اس کے لیے قربان کر دیا تھا۔ ایک ہاتھ سے اس کا ہاتھ تھامے، دوسرے ہاتھ سے وہ آہستہ سے اس کے ماتھے پر بکھرے بال ہٹانے لگی۔

ماتھے پر نرم لمس محسوس ہوتے ہی، جہانگیر کے ہونٹوں پر ایک مدھم سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ مرجھایا ہوا چہرہ جیسے پل بھر میں کھل اٹھا تھا۔ ماہ پارہ ٹھٹک گئی۔ یہ لمحہ، یہ مسکراہٹ، یہ احساس۔ آنکھوں کی نمی اب ضبط کے بندھن توڑ رہی تھی۔ اس کے آنسو خاموشی سے اس کے رخساروں پر پھسلنے

لگے۔ اس نے بے اختیار لب بھینچ لیے۔ یہ تو صرف خواب میں ہی اس کے لمس سے کھل اٹھا تھا۔ اگر وہ جاگ کر اسے اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ لیتا تو....؟

ماہ پارہ نے چہرہ اٹھا کر چھت کی طرف دیکھا۔ آنکھیں بند کیں اور سارے آنسو اندر انڈیل دیے۔ ایک گہری سانس لے کر خود کو سنبھالا۔ وہ یہاں کمزور ہونے نہیں آئی تھی۔ وہ فیصلہ کر چکی تھی کہ اب اسے کیا کرنا ہے۔ مگر پہلے، ہر قیمت پر، ہر حال میں، اسے جہانگیر کو بہتر کرنا تھا۔

وہ دھیرے سے جھکی، اس کے ہاتھ پر اپنے لب رکھے، پھر پیچھے ہوئی۔ ایک نرم سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر بکھر گئی۔ نرمی سے اس کے بالوں کو بگاڑ کر دوبارہ ماتھے پر بکھرا دیا۔ کیونکہ اسے وہ ہمیشہ بکھرے بالوں میں خوبصورت لگتا تھا۔

اپنے ہاتھ کی پشت سے آنسو پونچھ کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ بس ایک آخری نظر۔ پھر وہ خاموشی سے دروازے کی طرف بڑھی اور باہر نکل گئی۔ کمرے

سے نکلنے کے بعد، اس کے چہرے پر ایک اطمینان سا تھا۔ دل کا کوئی بوجھ جیسے ہلکا ہو گیا تھا۔ اب وہ جانتی تھی کہ اسے اگلا قدم کیا لینا ہے۔جہانگیر کے لیے کسی ڈونر کو جلد از جلد تلاش کرنا تھا۔

باہر نکلتے ہی وہ چونک گئی۔ سامنے حسن کھڑا تھا۔ وہ ٹریک سوٹ میں تھا، جہانگیر کے برعکس، کافی بہتر حالت میں۔ بال کچھ لمبے ہو چکے تھے، اور وہ پہلے سے زیادہ وجیہہ لگ رہا تھا۔ ایک لمحے کے لیے ماہ پارہ کی سانس جیسے رک گئی۔ اس کی آمد غیر متوقع تھی۔ وہ گھبرا گئی۔

حسن خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کی نظریں گہری تھیں۔ اور غصے سے بھری ہوئی۔ دس سالوں میں ماہ پارہ کافی بدل گئی تھی۔ وہ پیاری تھی۔ لیکن اس کی آنکھیں بہت خوبصورت تھیں۔

"تو تم... آگئی؟" وہ بازو سینے پر باندھے، تلخ لہجے میں بولا۔ اس کی پر تپش نظریں اسی پر جمی ہوئی تھیں۔

ماہ پارہ نے بمشکل اپنی اٹکی ہوئی سانس لی۔ "ہا... ہاں!" وہ حسن کو صرف اس لیے پہچان گئی تھی کیونکہ وہ کافی حد تک جہانگیر کی طرح دیکھتا تھا۔

"تمہیں میرے بھائی کو دس سال سزا دینے سے کیا ملا؟" حسن ایک قدم آگے بڑھا، اور ماہ پارہ بے اختیار پیچھے ہٹی۔ "اور اب یوں اچانک چلی آئی ہو؟"

ماہ پارہ نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ "انہوں نے خود ہی مجھے دور بھیجا تھا! میں نے کیا کیا ہے، ہاں؟ میں نے کہا تھا کہ مجھے باہر بھیج دیں؟" اس کی آواز کانپ گئی۔

حسن کی نظریں اور سخت ہو گئیں۔ "ان کا گناہ صرف یہ تھا کہ وہ تمہیں آگے بڑھتا دیکھنا چاہتے تھے؟ تم ہمیشہ سے خود غرض رہی ہو، ماہ پارہ۔ تمہیں کبھی میرے بھائی کی پرواہ نہیں تھی۔ چاہے وہ زندہ رہے یا مرے، تمہیں کیا فرق پڑتا ہے؟ تمہیں تو بس اپنے خواب پورے کرنے تھے!"

یہ بات سن کر ماہ پارہ کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ وہ تھک چکی تھی۔

اس نے سلگتی ہوئی نظروں سے حسن کی طرف دیکھا۔ "حسن بھائی، خدا کے لیے مجھے مجرم ٹھہرانا بند کریں!" اس کی آواز بھرا گئی۔ "جہانگیر کو میں نے سب کی شکایت لگا دینی ہے!"

حسن فوراً نرم پڑ گیا۔ وہ گھبرا گیا۔

"ماہ پارہ، میں نے تو بس... ایسے ہی کہہ دیا۔ جو کچھ کہا، بھول جاؤ، میں نے غلطی سے کہہ دیا۔ پلیز... رونا مت۔" وہ بے بسی سے بولا۔ پھر دھیرے سے کہا۔ "ایک کام کرو، میرے ساتھ میرے اپارٹمنٹ چلو۔ جہانگیر بھائی میرے ساتھ ہی رہ رہے ہیں۔"

ماہ پارہ فوراً پیچھے ہٹی۔ "ہرگز نہیں! میں یہاں صرف ان کا علاج کرنے آئی ہوں، کسی سے کوئی رشتہ نبھانے نہیں۔" اس نے جلدی سے اپنے آنسو پونچھے۔ "اور اگر جہانگیر کو میری آمد کا پتا چلا، تو بھول جائیں کہ میں دوبارہ یہاں آؤں گی!" اس کی تنبیہ پر حسن ہلکے سے مسکرا دیا۔

"بتاؤ، تمہارا سامان کہاں ہے؟" حسن نے اس کی دھمکی کو نظرانداز کرتے ہوئے کہا۔

"نیچے ٹیکسی میں ہے۔ اور ویسے بھی، مجھے آپ کے ساتھ جانے کا کوئی شوق نہیں۔ وہاں بھی طعنے دینا بند نہیں کریں گے!" وہ دانت پیس کر بولی۔

حسن نے شرارت سے سر جھٹکا۔ "تم کافی بڑی ہو گئی ہو۔ اب تو مجھے تم سے ڈر لگنے لگا ہے۔ باتیں تو خیر پہلے بھی بڑی بڑی کرتی تھی!"

"خاموش رہیں!" ماہ پارہ نے غصے سے کہا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو چکا تھا۔

حسن ہنسی دبائے کھڑا رہا۔ پھر نرمی سے بولا۔ "اچھا یہ بتاؤ، کب آئی ہو؟ کہاں رہنا ہے؟ کس کے ساتھ آئی ہو؟"

"ابھی آئی ہوں۔ سیدھا جہانگیر کے پاس گئی تھی۔ رہنے کا میں خود دیکھ لوں گی۔" وہ وہاں سے جانے لگی۔ حسن بھی اس کے پیچھے چلنے لگا۔

NOVEL HUT

"بھئی میرا گھر ہے نا، وہاں چلو شرافت سے۔" ماہ پارہ نے چلتے چلتے رک کر ایک نظر حسن پر ڈالی۔ "دیکھو، میں نے تمہاری ایک بات مانی ہے، اب تم بھی مان جاؤ۔" حسن نے نرمی سے کہا۔

ماہ پارہ خاموشی سے آگے بڑھ گئی۔ حسن نے اس کی خاموشی کو ہامی جانا اور اس کے ساتھ چل دیا۔ دونوں کاریڈور عبور کر کے نیچے پارکنگ میں پہنچے۔ حسن نے گاڑی کا دروازہ کھولا، اور ماہ پارہ چپ چاپ اندر بیٹھ گئی۔ وہ خود بھی ڈرائیونگ سیٹ پر آبیٹھا اور گاڑی اسٹارٹ کردی۔ راستہ خاموشی میں کٹ رہا تھا، مگر ماہ پارہ کے ذہن میں سوالات کا طوفان مچا ہوا تھا۔ وہ مزید صبر نہ کر سکی۔

NOVEL HUT

وہ رخ موڑ کر سنجیدگی سے بولی۔ "حسن بھائی، آپ کا پاسپورٹ اور ویزا... کیسے ملا تھا؟"

حسن ہلکا سا مسکرایا۔ "لمبی کہانی ہے۔"

ماہ پارہ نے آنکھیں گھمائیں۔ "تو میں کون سا ٹرین پکڑنے جا رہی ہوں؟"

حسن نے گہری سانس لی اور کہنا شروع کیا۔ "تمہارے جانے کے بعد زائشہ آئی تھی۔ اس نے بھائی کی بہت منتیں کیں کہ اب تو تم جا چکی ہو، اب تو وہ اس سے شادی کر لے۔ انکل بھی آئے تھے، رشتہ دوبارہ جوڑنے کی بات کرنے۔ گھر میں کسی کو کوئی اعتراض نہ تھا۔" ماہ پارہ کے دل نے جیسے ایک لمحے کے لیے دھڑکنا چھوڑ دیا۔

"فکر مت کرو۔ تمہیں جہانگیر بھائی کا پتا ہے، نا؟ انہوں نے صاف انکار کردیا۔ بابا نے سمجھایا، دھمکی بھی دی، مگر وہ تو ضدی تھے۔ کہنے لگے، 'میں نے ماہ پارہ سے وعدہ کیا ہے، میں ہرگز یہ قدم نہیں اٹھاؤں گا۔'" حسن بے فکری سے کہہ رہا تھا، یہ جانے بغیر کہ پاس بیٹھی لڑکی خاموشی سے آنسو بہا رہی تھی۔

"پھر ایک دن بابا نے زائشہ اور انکل کو کھانے پر بلایا۔ کھانے کے بعد زائشہ اور جہانگیر بھائی تقریباً ایک گھنٹہ کمرے میں بیٹھے رہے۔" یہ سنتے ہی ماہ پارہ کی سانس لرز گئی۔ سسکی بے اختیار لبوں سے نکل گئی۔

حسن نے جھٹکے سے گاڑی روکی اور اس کی طرف مڑا۔ "ارے! پوری بات تو سنو۔ اگلی بات سنو گی تو فخر ہوگا کہ تمہیں ایسا شوہر ملا ہے!" ماہ پارہ سر جھکائے خاموشی سے رو رہی تھی۔ حسن نے ایک لمحے کے لیے اسے دیکھا، پھر ٹشو باکس سے ایک ٹشو نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔

ماہ پارہ نے جلدی سے آنسو پونچھے۔ "آپ کہتے جائیں۔" وہ کھڑکی کی طرف دیکھنے لگی۔

حسن نے گاڑی دوبارہ اسٹارٹ کی۔ "تو سنو، جب وہ دونوں کمرے سے باہر آئے، تو زائشہ کے چہرے پر ایک اطمینان بھری خوشی تھی۔ جہانگیر بھائی نے کچھ نہیں کہا اور سیدھا کمرے میں چلے گئے۔ بابا بہت خوش ہوئے، انہیں لگا کہ بھائی مان گئے ہیں۔ لیکن..." حسن مسکرا کر ایک لمحے کو رکا، پھر پرجوش لہجے میں بولا۔ "زائشہ نے خود کہا کہ وہ جہانگیر بھائی سے شادی نہیں کرنا چاہتی۔ کہ وہ اسے چھوڑ چکی ہے، اور اب اس کے پیچھے نہیں پڑے گی!"

ماہ پارہ نے ناک سکوڑ کر مسکرانے کی کوشش کی۔

"تو پھر آپ کا پاسپورٹ....."

"بابا نے خود مجھے دستاویزات دیے۔ جہانگیر بھائی نے میری ذمہ داری لی، پھر ایک سال کے اندر اندر مجھے مصر بھیج دیا۔" حسن کی آواز میں ہلکی سی اداسی تھی۔ "وہ تنہا ہو گئے تھے، ماہ پارہ۔ میں اور تم ان کے سب سے قریب تھے۔ میں تو شروع سے تھا، مگر تمہارے جانے کے بعد... وہ بالکل خاموش ہو گئے۔ طبیعت دن بہ دن بگڑتی گئی۔ نہ کسی سے بات کرتے، نہ گاؤں کے کسی مسئلے میں دخل دیتے۔ تمہارے جانے کے بعد نہ جانے کتنی کم عمر لڑکیوں کی شادیاں ہوئیں، مگر انہوں نے ایک میں بھی مداخلت نہیں کی، کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ وہ کچھ کر بیٹھیں گے..."

وہ ایک لمحے کے لیے خاموش ہوا، پھر دھیرے سے بولا۔ "میں نے ان سے بہت منتیں کیں کہ وہ مصر آ جائیں، مگر ان کا بس ایک ہی مقصد تھا۔ تمہاری خواہشات کو پورا کرنا۔"

ماہ پارہ کا دل بوجھل ہوگیا۔ اس نے بے اختیار حسن کو پکارا۔ "حسن بھائی..."

حسن نے ایک نظر اس پر ڈالی، مگر کچھ نہ کہا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ وہ کیا کہنا چاہتی ہے۔

"میں نے کہا تھا بھائی سے، لیکن..." حسن نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

ماہ پارہ نے بے تابی سے کہا۔ "آپ انہیں علم میں لائے بغیر یہ کر سکتے ہیں، حسن بھائی۔"

حسن خاموش ہوگیا۔ وہ اس خاموشی کا مطلب سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ یہ ہاں تھی یا ناں؟ حسن کے چہرے پر گہری سنجیدگی چھا گئی۔ وہ سوچنے لگا، کیا کچھ نہیں کیا تھا بھائی نے اس کے لیے؟ کیا وہ آج اپنے بھائی کے لیے ڈونر بھی نہیں بن سکتا؟ وہ لب کاٹ کر کچھ لمحے یونہی خاموش بیٹھا رہا۔ ماہ پارہ اب بھی امید بھری نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

آخر کار، حسن دھیرے سے بولا۔ "مجھے مسئلہ نہیں، لیکن یہ معاملہ تم بعد میں خود سنبھال لو گی۔"

ماہ پارہ کچھ دیر خاموش رہی، پھر سر ہلایا۔ "نہیں، حسن بھائی، آپ انکار کر سکتے ہیں۔ میں زبردستی نہیں کر سکتی۔"

حسن کی آنکھوں میں نرمی آگئی۔ "وہ میرا بھائی ہے، ماہ پارہ۔"

ماہ پارہ نے ایک لمحے کے لیے آنکھیں بند کیں، جیسے خود کو مضبوط کر رہی ہو۔ پھر دھیرے سے بولی۔ "ٹھیک ہے، جلد از جلد ہمیں سرجری شروع کرنی چاہیے۔" یہ کہتے ہوئے اس کی آواز کانپ گئی۔

حسن نے گاڑی آگے بڑھا دی، اور راستے بھر جہانگیر کے بارے میں باتیں کرتا رہا۔ ماہ پارہ خاموشی سے سنتی رہی، مگر اس کا دل رشک اور محبت سے بھر رہا تھا۔

گھر پہنچ کر حسن نے اسے پانی پلایا۔ ماہ پارہ نے چند گھونٹ لیے، پھر چپ چاپ جہانگیر کے کمرے میں گئی اور سیدھا بستر پر گر گئی۔ وہ بہت تھک چکی

تھی۔ صبح ہونے میں کچھ ہی وقت باقی تھا، اور اسے جلدی اٹھ کر جہانگیر کے ڈاکٹر کے پاس جانا تھا۔

* * * * * *

مصر میں رات کا وقت تھا، جبکہ پاکستان میں صبح کے چھ بج رہے تھے۔ دس سال پہلے اور اب گاؤں کے حالات میں کافی تبدیلی آچکی تھی، مگر لوگوں کا معمول وہی تھا۔ ان کی صبح فجر سے شروع ہوتی تھی، اور یہاں کی لڑکیاں بڑی خوشی سے صبح جاگتی تھیں۔ جہانگیر کی مسلسل کوششوں اور سمجھانے کے بعد، تمام گاؤں نے تو نہیں، لیکن تقریباً آدھے گاؤں والوں نے اپنی بیٹیوں کو اسکول بھیجنے پر رضامندی ظاہر کی تھی۔

جہاں ایک اسکول بنایا گیا تھا، وہاں تھوڑے فاصلے پر جہانگیر نے ایک کلینک بھی قائم کیا تھا۔ خاص طور پر ماہ پارہ کے لیے۔ اس کی بہت سی خواہشات میں سے ایک یہ تھی کہ گاؤں کے لوگوں کا مفت علاج کیا جائے،

خاص طور پر خواتین کا۔ جہانگیر نے اسکول بنانے کے فوراً بعد اس کلینک کو بھی مکمل کر لیا تھا۔

مروا کی شادی شہر میں طے کی گئی تھی، اور وہ اپنی زندگی میں خوش تھی۔ وہ یہاں آتی رہتی تھی۔ آج خادم علی کی وفات کو پانچ برس بیت چکے تھے۔ جہانگیر نے جان بوجھ کر یہ خبر ماہ پارہ تک نہیں پہنچنے دی تھی، کیونکہ وہ جانتا تھا کہ ماہ پارہ فوراً اپنی پڑھائی چھوڑ کر یہاں آجائے گی۔ کرامت کی شادی ہریرہ سے ہوئی تھی، اور ان کی شادی کو چھ سال ہو چکے تھے۔ دونوں اپنی زندگی میں بہت خوش تھے۔ جب ماہ پارہ کو اس بات کا علم ہوا، تو وہ خوش تو ہوئی تھی، مگر یہاں آکر ملاقات کی ہمت نہیں کر پائی تھی۔

"بابا، کبیر کو دیکھیں نا، میرا ربڑ بینڈ نہیں دے رہا!" پانچ سالہ میرب بال پکڑے ادھر ادھر دوڑ رہی تھی۔

"کبیر، ربڑ بینڈ دو مجھے!" کرامت بھی اس کے پیچھے پیچھے دوڑ رہا تھا، مگر تین سالہ کبیر کسی کے ہاتھ نہیں آ رہا تھا۔

کرامت تھک کر رکا اور میرب کا ہاتھ پکڑ کر کمرے میں لے آیا۔ میرب میرب پیر پٹختی ہوئی اس کے ساتھ چل رہی تھی۔ کرامت نے اسے بیڈ پر بٹھا کر سنگھار میز سے دوسرا ربڑ بینڈ نکالا اور اس کے بالوں کی چوٹیاں بنا دیں۔

"میرب، اسکول میں بالکل شیطانی نہیں کرنی۔ زیادہ ہوشیار بننے کی ضرورت نہیں۔ بالکل پھوپھو پر جا رہی ہو۔ تمہیں اچھی لڑکیوں کی طرح جانا ہے اور واپس آنا ہے، ٹھیک ہے؟ کسی لڑکی کو تنگ مت کرنا۔" وہ سنجیدگی سے اسے سمجھا رہا تھا، اور میرب بے دلی سے سنتی جا رہی تھی۔

"اوکے بابا۔" وہ جا کر کتابیں بیگ میں ڈالنے لگی۔ "لیکن آپ میری پھوپھی کے بارے میں ایسا مت کہیں۔ وہ بہت اچھی ہے۔" وہ خفا ہو گئی تھی۔

"معذرت، جو آئندہ تمہاری پھوپھو کے بارے میں کچھ کہا بھی تو۔" کرامت نے بڑبڑاتے ہوئے کہا اور باہر نکل گیا۔

* * * * * *

کھڑکی سے ہلکی روشنی آرہی تھی۔ کمرہ نیم تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ ماہ پارہ بمشکل تین گھنٹے سوئی تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ وہ آنکھیں مسلتی ہوئی بیٹھی، بال چہرے پر بکھرے ہوئے تھے۔ آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور سر درد سے پھٹا جا رہا تھا۔ اس نے کمبل ہٹا کر سلیپر پہنے، بال سمیٹے، سر پر ڈوپٹہ لیا اور دروازے کی طرف بڑھی۔

دروازہ کھلا تو سامنے حسن ٹرے لیے کھڑا تھا۔ ماہ پارہ کے چہرے سے لگ رہا تھا کہ وہ کتنی تھکی ہوئی ہے۔ اسے ابھی آرام کی ضرورت تھی، مگر وہ کچھ نہیں بولی۔

" گڈ مارننگ، مسز جہانگیر۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ماہ پارہ پیچھے ہٹ گئی اور حسن اندر آگیا۔

" گڈ مارننگ۔" اس نے بمشکل جمائی لیتے ہوئے کہا۔ یہ بات تو شروع سے سب کو پتا تھی کہ ماہ پارہ کو نیند سے کتنی محبت تھی۔

"ناشتہ کرو، جلدی، اس کے بعد ہمیں ہسپتال جانا ہے۔" اس نے ناشتہ میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

"مجھے منہ تو..." وہ دوبارہ منہ پر ہاتھ رکھ کر جمائی لے رہی تھی۔ "دھونے دیتے۔"

"توبہ ہے، ماہ پارہ! جلدی کرو، کافی ٹھنڈی ہو جائے گی۔" ماہ پارہ نے اثبات میں سر ہلایا، اور وہ وہاں سے چلا گیا۔

اس نے سر سے دوپٹہ ہٹا کر بیڈ پر رکھا اور تھکاوٹ سے واشروم کی طرف بڑھی۔ کچھ دیر بعد جب وہ نکلی تو چہرہ تر تھا اور اس کی آستینیں کہنیوں تک لپٹی ہوئی تھیں۔ وہ میز کی طرف بڑھی اور ناشتہ کی ٹرے لے کر بیڈ پر بیٹھ گئی۔ آہستہ آہستہ ناشتہ کر رہی تھی، اس کی آنکھیں ابھی تک سوئی ہوئی تھیں۔ وہ سونا چاہتی تھی، لیکن نیند سے زیادہ ضروری ہسپتال جانا تھا۔

حسن پارکنگ ایریا میں اس کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ دونوں ہسپتال پہنچ چکے تھے۔ ڈاکٹر کے کیبن میں وہ دونوں اہم گفتگو کر رہے تھے کہ ہسپتال کے بیڈ پر

لیٹا جہانگیر بیدار ہو چکا تھا۔ وہ اپنے ہاتھ کو دیکھ رہا تھا، اسے کچھ مختلف محسوس ہو رہا تھا، جیسے ابھی تک کسی کا لمس اس کے ہاتھ میں موجود تھا۔ ماہ پارہ کا خیال اس کے ذہن میں آیا، مگر اس نے فوراً سر جھٹک دیا۔ ماہ پارہ یہاں کیوں آئے گی؟ اگر اسے آنا ہوتا تو وہ کب کی آچکی ہوتی۔

ڈاکٹر سے بات کرنے کے بعد حسن اٹھ کر جہانگیر کے کمرے میں آیا۔

"بھائی، آپ جاگ رہے ہیں؟ کیا میں آپ کے لیے کچھ کھانے کو لاؤں؟"

"کل کوئی آیا تھا؟" اس نے اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

"آ... نہیں تو... کون آئے گا بھلا؟" حسن نے محتاط انداز میں کہا اور اس کے سامنے والی سیٹ پر بیٹھ گیا۔

"اچھا..." کہہ کر جہانگیر چپ ہو گیا اور چہرے کا رخ کھڑکی کی طرف موڑ دیا۔ ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک ہفتہ ہو گیا اور ماہ پارہ اس سے ملنے نہیں آئی؟

دروازے پر دستک ہوئی، اور اگلے ہی لمحے ڈاکٹر اندر داخل ہوئے۔ جہانگیر ابھی تک کھڑکی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ حسن اپنی سیٹ سے اٹھ گیا۔

"تو جہانگیر، بالآخر تمہیں ڈونر مل گیا۔" ڈاکٹر مسکراتے ہوئے انگریزی میں کہہ رہا تھا۔

جہانگیر نے جھٹ سے حسن کی طرف دیکھا اور پھر ڈاکٹر کی طرف۔ حسن لب کاٹے، جہانگیر کے ردعمل کا انتظار کرنے لگا۔

"اور کون ہے یہ ڈونر؟" وہ حسن کو مشکوک نظروں سے دیکھتے ہوئے ڈاکٹر سے پوچھ رہا تھا۔

"ہے کوئی فرشتہ جسے پیسوں کی ضرورت تھی۔ وہ تم خود دیکھ لینا۔ اچھی بات یہ ہے کہ جلد سے جلد ایک ڈونر مل گیا۔" ڈاکٹر مسکراتے ہوئے کوٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے کہہ رہا تھا۔ "اب بلا تاخیر ہمیں اپنا کام شروع کر دینا چاہیے۔ کیوں حسن؟"

حسن نے اثبات میں سر ہلایا۔

"پھر بھی، اس فرشتے کا کوئی نام تو ہوگا جسے میں اپنی دعاؤں میں یاد رکھوں؟" اس ساری گفتگو میں جہانگیر حسن کی طرف دیکھ رہا تھا، مشکوک نظروں سے۔

"یہ ہم نہیں بتا سکتے۔" ڈاکٹر یہ کہہ کر وہاں سے چلے گئے۔

حسن دوبارہ اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ وہ جہانگیر کو نہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ کبھی چھت کو دیکھتا تو کبھی دیوار کو۔ گھبراہٹ کی وجہ سے وہ اپنا دایاں پیر ہلانے لگا۔ اس کی مسلسل گھوری سے حسن کے ہتھیلیاں نم ہونے لگیں۔

"مجھے ڈونر سے ملنا ہے۔" جہانگیر کی بات پر حسن چونک گیا، مگر چہرے پر کوئی تاثر ظاہر نہ ہونے دیا۔

"جی؟"

"کیا جی؟ آسان لفظوں میں کہا تو ہے کہ مجھے ڈونر سے ملنا ہے۔" جہانگیر نے غصے سے کہا۔

"جی؟" حسن کو سمجھ نہیں آرہا تھا کہ اور کیا کہے، وہ بری طرح پھنس چکا تھا۔

"اگر اب تم نے ایک اور بار 'جی' کہا تو میں تمہیں جان سے مار دوں گا۔" جہانگیر غصے سے دھاڑا۔

NOVEL HUT

حسن کا حلق خشک ہو گیا۔ اس نے پانی کا گلاس اٹھا کر لبوں سے لگایا اور ایک ہی سانس میں پانی پینے لگا۔

"تم ہی ہو ناں وہ ڈونر؟" جہانگیر کی بات پر حسن کا پانی پیتا ہاتھ رکا۔ وہ بری طرح کھانسنے لگا۔ جہانگیر بغور سے اسے دیکھتا رہا۔

کھانستے ہوئے اس کی آنکھوں میں پانی بھر آیا۔ وہ جانتا تھا کہ حسن جب بھی اس سے جھوٹ بولتا ہے، وہ بہت گھبرا جاتا ہے۔

جب وہ کھانستے ہوئے رکا، تو جہانگیر کی طرف سرخ آنکھیں اٹھا کر دیکھا۔

"جی؟ میں آپ کی بات سمجھا نہیں۔"

"بند کرو اپنی بکواس۔" وہ چیخا۔ "میں بچہ نہیں ہوں جو تم مجھے بے وقوف بناؤ اور میں بن جاؤں گا۔"

"بھائی، کیا ہو گیا ہے؟ آج اگر میں آپ کے..."

"منہ بند رکھو اپنا۔" اس نے حسن کی بات کاٹ کر کہا۔ "تمہیں جس نے مجبور کیا ہے، ذرا اسے بھی سامنے لاؤ۔"

وہ ماہ پارہ کا نام سننا چاہتا تھا۔ اسے اب بھی ایک امید تھی کہ شاید وہ آگئی ہوگی، اسی نے حسن کو مجبور کیا ہوگا۔

"حیدر بھائی نے۔" حسن نے سر جھکا کر جواب دیا۔

جہانگیر نے کرب سے آنکھیں بند کیں۔ دروازہ کھلا تو حیدر سامنے آتے ہوئے نظر آیا۔ سلام اور خیریت پوچھنے کے بعد حسن کو سیٹ سے اٹھا کر وہ خود جہانگیر کے قریب آکر بیٹھا۔

"بھابھی اور رامین نہیں آئیں؟"

"وہ آگئے ہیں، ہوٹل میں ٹھہرے ہیں۔ رامین نے ہسپتال آنے کی بہت ضد کی، لیکن میں نے منع کر دیا۔"

"خیر ہے، لے آتے رامین کو... اور..."

حیدر نے اس کی بات کو کاٹ کر کہا۔ "اس کی دن رات ہسپتال میں ڈیوٹی ہوتی ہے۔ اس کے پاس ہمارے ساتھ بیٹھنے کا وقت نہیں ہوتا۔ وہ اکثر ہسپتال میں ہی رک جاتی ہے، ورنہ ہمارا گھر ہے، وہ وہاں چلی جائے گی۔" وہ مسکراہٹ دبائے، بہت بمشکل یہ بات کہہ رہا تھا۔

"میں حسن کی جان کو خطرے میں نہیں ڈال سکتا۔" جہانگیر نے گہری سانس لی اور موضوع بدلا۔

"جہانگیر، سمجھداری سے کام لو۔ حسن بچہ نہیں ہے۔ اگر وہ آج تمہارے کام آرہا ہے، تو اس میں کیا حرج ہے؟" حیدر اسے سمجھانے والے انداز میں بولا۔

"میں اپنی جان بچانے کے لیے اس کی جان خطرے میں نہیں ڈال سکتا۔" جہانگیر نے برہمی سے کہا۔

"بھائی، میں بچہ نہیں ہوں۔"

NOVEL HUT

"میں نے انکار کر دیا، بس۔" یہ کہہ کر اس نے دوبارہ کھڑکی کی طرف رخ کیا۔

"تمہارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔" حیدر نے بے بسی سے کہا۔

"اچھا ہے کہ نہیں ہے۔ کیا فائدہ اس طرح کی زندگی کا؟" وہ زیر لب بڑبڑایا۔

حسن اور حیدر بدقت مسکرائے۔

دونوں مسلسل اسے سمجھانے کی کوشش کر رہے تھے۔ حیدر نے اسے بہت سمجھایا، اس نے جہانگیر کی تلخ باتیں بھی سن لیں، لیکن وہ پھر بھی اسے سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ ایک حیدر ہی تھا جو اس کے لیے اپنی تمام مصروفیات چھوڑ سکتا تھا۔ آخرکار ایک گھنٹے کی محنت کے بعد وہ بے دلی سے راضی ہو گیا۔ اس کے چہرے کے تاثرات سے ایسا نہیں لگ رہا تھا کہ وہ اس بات سے بالکل بھی خوش ہے۔

* * * * * *

اس وقت پاکستان میں دوپہر کا وقت تھا۔ سرد موسم کے باوجود دن میں گرمی کا اثر باقی تھا۔ حویلی میں اس وقت کوئی نہیں تھا سوائے اینہ کے۔ وہ اپنے تینوں بیٹوں کی تصویر دیکھ رہی تھیں، آنکھوں پر چشمہ لگائے، محبت بھری نظروں سے تصویر کو دیکھ کر اس پر ہاتھ پھیر رہی تھیں۔

اسی وقت داؤد گھر میں داخل ہوئے اور اینہ کو اس طرح دیکھ کر ان کی جانب بڑھے۔ اتنے سالوں کی بیٹوں کی جدائی نے انہیں یہ سکھا دیا تھا کہ اگر ماں باپ اپنے بچوں کی خوشی میں شریک نہ ہوں تو وہ بچے اپنے ماں باپ سے دور ہو جاتے ہیں۔ گویا وہ ہار مان چکے تھے۔

"جہانگیر کا کوئی خط آیا؟" داؤد نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں۔ حسن نے پچھلی بار کہا تھا کہ سرجری کے بعد وہ اس کی آمد کے بارے میں خط بھیجے گا۔ شاید اب تک..." اینہ مایوسی سے کہتی ہوئی رک گئیں۔

"رنزہ کب آرہی ہے؟" داؤد نے گہری سانس لے کر اگلا سوال کیا۔

"رنزا شام کو آجائے گی۔ وہ کہہ رہی تھی کہ اپنی سہیلیوں کے ساتھ آئے گی۔" اینہ نے تصویر کو دوبارہ اپنی جگہ پر رکھتے ہوئے کہا۔

"سیف کی کوئی خبر؟"

"ہاں، ابھی پڑھائی مکمل کی ہے۔ ایک دو دن میں واپس آجائے گا۔"

"یہ گھر اب ویران لگنے لگا ہے۔" داؤد نے گہری سانس لے کر کہا۔ "اب میں اپنے بچوں کو خود سے دور ہوتے نہیں دیکھ سکتا۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ سب ایک ساتھ رہیں۔"

"میرے تینوں بیٹوں کی شادی ہو جائے گی تو پھر دیکھنا، گھر میں رونق ہی رونق ہوگی۔" اینہ مسکرائیں، لیکن داؤد مسکرا نہ سکے۔

حویلی کو چھوڑ کر کچھ فاصلے پر اسکول میں بیٹھی میرب اپنی ماں کا انتظار کر رہی تھی۔ تب اچانک ایک لڑکی آکر اس کے پاس بیٹھ گئی۔

"میرب، کیا تمہاری پھوپھو یہاں نہیں رہتیں؟" اس نے پوچھا۔

NOVEL HUT

"نہیں، وہ باہر پڑھنے گئی ہیں۔"

"اوہ... آئی سی!" لڑکی نے قدرے توقف سے کہا۔ "تو وہ ادھر کیوں نہیں آتیں؟"

"کیونکہ..." میرب کچھ دیر کے لیے رکی، پھر سختی سے کہا۔ "کیا تم اپنے کام سے کام نہیں رکھ سکتیں؟"

لڑکی منہ بسورتی ہوئی اٹھی۔

"سوچنے والی بات ہے، پھوپھو کیوں نہیں آتیں؟ انہوں نے تو وعدہ کیا تھا گاؤں والوں سے کہ وہ واپس آئیں گی۔" لڑکی مایوسی سے سوچ رہی تھی کہ اتنے میں ہریرہ مسکراتی ہوئی اس کے قریب آئی۔

NOVEL HUT

* * * * * *

ہر گزرتا دن ماہ پارہ کے لیے کسی پریشانی سے کم نہیں تھا، کیونکہ ہر دن سرجری کے قریب لے جا رہا تھا۔

جہانگیر کا حال بھی کچھ ایسا ہی تھا۔ وہ اپنی فکر میں نہیں تھا، بلکہ اسے صرف حسن کی فکر تھی۔ اس وقت بھی وہ ہسپتال کے بستر پر لیٹا تھا، گہرے خیالات میں گم۔ اس کا ایک دکھ یہ تھا کہ ماہ پارہ اس کے مشکل وقت میں وہاں نہیں تھی، اور دوسرا یہ کہ اگر اسے سرجری کے دوران کچھ ہو گیا تو کیا وہ اُسے آخری بار نہیں دیکھ پائے گا؟

دروازہ کھلا اور وہ اپنے خیالات کی دنیا سے باہر آیا۔ راین مسکراتی ہوئی اس کے بیڈ کے قریب آئی۔ اس کے ہاتھ میں گلدستہ تھا۔ وہ سلام کرتے ہوئے کرسی پر بیٹھ گئی۔ بلیو جینز کے ساتھ اس نے شارٹ فراک پہنی ہوئی تھی اور گلے میں مفلر کی طرح دوپٹہ لیا ہوا تھا۔

"کیسے ہیں آپ، جہانگیر بھائی؟" اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"تمہارے سامنے ہی ہوں۔" اس نے بھی مسکرا کر جواب دیا۔

"آپ کو ڈر تو نہیں لگ رہا؟" اس کے سوال پر جہانگیر نے نفی میں سر ہلایا۔

"All the best for your surgery."

اس نے گلدستہ بستر کے پاس رکھتے ہوئے کہا۔

"شکریہ، بچے۔" وہ شاید کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن کہنا نہیں سکا۔

"جہانگیر بھائی، آپ یہاں بور تو نہیں ہو رہے ہیں؟" اس نے سرگوشی کی طرح کہا۔

جواب میں جہانگیر نے مسکرا کر نفی میں سر ہلایا۔ گلاب کے تازہ پھولوں کی خوشبو اسے خوش کر رہی تھی، اور وہ بے خبر تھا کہ یہ گلدستہ ماہ پارہ نے بھیجا تھا۔

"تمہاری آپی کیسی ہے؟" اس نے گلاب کے پھول کو میز پر رکھتے ہوئے پوچھا۔

"بالکل ٹھیک ہیں۔"

"ابھی بھی وہیں ہے؟" اس نے سرسری سا پوچھا۔ راین نے اثبات میں سر ہلایا۔

NOVEL HUT

"آپ بہتر ہو جائیں پھر ہم اکھٹے پاکستان جائیں گے۔" اس نے اپنے گھٹنوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے جوش سے کہا۔

"تم یہاں کتنے دنوں کے لیے آئی ہو؟ مطلب...."

"جہانگیر بھائی، میں نے ایک ہفتے کی چھٹی لی ہے۔ اگلے مہینے سے ویسے بھی چھٹیاں ہوں گی، تو کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔" اس نے کندھے اچکائے۔

جہانگیر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ دروازہ کھلا اور ڈاکٹر اندر آئے، وہ سرجری کے لیے لے جانے کے لیے آئے تھے۔ ایک ہفتے کے دوران تمام ٹیسٹ مکمل ہو چکے تھے، اور ماہ پارہ مزید دیر نہیں کر سکتی تھی۔

"مسٹر جہانگیر، آپ سرجری کے لیے تیار ہیں؟" ڈاکٹر کا سوال تھا، اور جہانگیر نے اثبات میں سر ہلایا۔

* * * * * *

ایک ماہ بعد

جہانگیر کے علاج کو ایک مہینہ ہو چکا تھا، اور ماہ پارہ ایک ماہ سے اس کے ساتھ تھی، مگر یہ بات جہانگیر کو نہیں معلوم تھی۔ وہ پاکستان میں اس سے ملنا چاہتی تھی، لیکن جہانگیر اس بات پر ناراض تھا کہ ایک مہینہ گزر گیا، اور ماہ پارہ ابھی تک اس سے نہیں مل پائی۔ وہ ہسپتال کے بیڈ پر بیٹھا تھا، اور حیدر اس وقت اس کے ساتھ تھا۔ حیدر کچھ دنوں کے لیے جاتا اور پھر مصر واپس آ جاتا۔ رامین اور یاسمین سرجری کے ایک ہفتے بعد واپس چلی گئی تھیں۔

حیدر تین دن پہلے رامین اور یاسمین کے ساتھ لندن سے جہانگیر کو پاکستان چھوڑنے آیا تھا۔ پاکستان چھوڑنے کے بعد حیدر پھر لندن واپس جائے گا۔

رامین سرجری کے بعد پہلی بار جہانگیر سے ملنے آئی تھی۔

"کیسے ہیں آپ؟"

"میں بالکل ٹھیک ہوں۔" اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"شکر ہے، آپ ٹھیک ہیں ورنہ..." اس کی زبان رک گئی۔ "میں نے آپ کے اور حسن بھائی کے لیے بہت دعائیں کی ہیں۔"

جہانگیر نے مسکرا کر اس کا شکریہ ادا کیا۔ لیکن اس کی نظریں بار بار دروازے پر جا کر رک جاتیں۔

"تم پاکستان جانا چاہو گی؟" جہانگیر نے اس سے سوال کیا۔

"جانا تو چاہتی ہوں، لیکن بابا مجھے جانے نہیں دیں گے۔" اس نے مایوسی سے کہا۔

"اس کی فکر تم مت کرو۔" وہ توقف سے بولا۔ "اور... وہ..."

"میں نے کہا تو ہے، ان کے پاس وقت نہیں ہوتا۔ اگر ان کے پاس وقت ہوگا تو وہ آجائیں گی۔" رامین نے جہانگیر کی بات کو کاٹ کر تحمل سے کہا۔

جہانگیر خاموش ہو گیا۔ اب وہ جلد از جلد ہسپتال سے نکلنا چاہتا تھا۔ یہاں اس کا دم گھٹنے لگا تھا۔

ماہ پارہ کل کے فلائٹ سے پاکستان چلی گئی تھی، اور جہانگیر کی فلائٹ آج تھی۔ وہ اس وقت گھر میں موجود تھا اور تقریباً پیکنگ مکمل کر چکا تھا۔ حسن

پاکستان جانا نہیں چاہتا تھا، اور جہانگیر نے اسے مجبور نہیں کیا۔ حسن نے وعدہ کیا تھا کہ وہ اپنی مرضی سے آئے گا، اس لیے جہانگیر نے اصرار نہیں کیا۔

وہ بیڈ پر بیٹھا پیکنگ کر رہا تھا کہ اس کی نظر ڈریسنگ ٹیبل پر رکھی انگوٹھی پر پڑی۔ وہ بمشکل اٹھا اور ڈریسنگ ٹیبل کے قریب گیا۔ انگوٹھی کے علاوہ اور بھی کچھ چیزیں رکھی ہوئی تھیں، جو صاف ظاہر کر رہی تھیں کہ یہاں کوئی لڑکی ٹھہری ہوئی تھی۔ اسی وقت حسن کمرے میں داخل ہوا۔

"یہ انگوٹھی کس کی ہے؟" جہانگیر نے مشکوک انداز میں پوچھا۔

حسن نے بے اختیار لب کاٹا۔ "آآ.... بھائی وہ.... یہ میری....."

"گرل فرینڈ؟" بھنویں اچکا کر پوچھا۔

حسن کی آنکھیں بے اعتباری سے پھیل گئیں۔ کیا وہ اس قسم کا آدمی تھا جو گرل فرینڈ بنا کر اسے گھر بلائے گا؟ وہ بے یقینی سے اپنے بھائی کو دیکھ رہا تھا۔ لیکن اس وقت وہ ہاں کہنے پر مجبور تھا، کیونکہ ماہ پارہ کی وجہ سے وہ بری طرح پھنس چکا تھا۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"تو پھر میرے کمرے میں رہنے کی اجازت کیوں دی؟" جہانگیر نے اس کو ایک کڑی نظر سے دیکھتے ہوئے کہا۔

(آپ کی بیوی ٹھہری ہوئی تھی یہاں نہ کہ میری گرل فرینڈ! میں ایک لڑکی کو گھر لاؤں گا؟) وہ سر جھٹک کر واشروم چلا گیا۔

"ایک خط تو بھیج ہی سکتی تھی۔ شوہر ہوں اس کا۔ اتنی بھی کیا ناراضگی؟ میں نے اس پر ظلم کے کون سے پہاڑ توڑے جو اتنا غیر جانبدارانہ رویہ اختیار کر رہی ہے؟ آخر میرا قصور کیا تھا؟" وہ بڑبڑاتے ہوئے اپنے کام میں مصروف تھا۔ پچھلے ایک مہینے سے اس کا موڈ مسلسل خراب تھا۔ وہ معمولی باتوں پر چڑ جاتا۔

ماہ پارہ پاکستان پہنچ چکی تھی۔ اس وقت وہ ایک ہوٹل کی لابی میں کھڑی تھی۔ ریسپشنسٹ سے اپنے کمرے کی چابی لے کر وہ خاموشی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھی۔ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی۔ بیگ ایک طرف رکھا اور جوتے بھی اتار دیے۔ بے حد تھکن محسوس ہو رہی تھی، اس لیے بغیر فریش

ہوئے ہی سیدھا بیڈ پر جا گری۔ کمبل چہرے تک اوڑھا اور کب نیند کی وادیوں میں کھو گئی، اسے خبر بھی نہ ہوئی۔

جب اس کی آنکھ کھلی، تو سر میں شدید درد تھا۔ سر بھاری ہو رہا تھا، آنکھیں سرخ ہو چکی تھیں۔ نیم وا آنکھوں سے اردگرد دیکھا، مگر مزید سونے کا دل چاہ رہا تھا۔ مگر جیسے ہی اس نے گھڑی میں وقت دیکھا، آنکھیں پوری کھل گئیں۔ نیند کہاں؟ سر درد کیا؟ رات کا آخری پہر تھا! وہ اتنی دیر تک سوتی رہی؟ دو گھنٹے میں جہانگیر پہنچنے والا تھا۔ وہ گھبرا کر اٹھی۔

گہرا نیلا آسمان روشنی میں ڈھل رہا تھا۔ فجر کی اذان ہو چکی تھی۔ وہ لانگ کوٹ پہن کر باہر نکلی، دروازہ لاک کیا اور چابی کوٹ کی جیب میں ڈال دی۔ پھر لابی سے گزرتی ہوئی باہر نکل آئی۔

ایئرپورٹ پر زیادہ ہجوم نہیں تھا۔ وہ لب کاٹے بے صبری سے انتظار کر رہی تھی۔ کوٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے، متلاشی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

NOVEL HUT

اسی لمحے راہین نے دور سے ہاتھ ہلا کر اس کی توجہ اپنی جانب مبذول کرانے کی کوشش کی۔ اس حلیے میں اسے صرف راہین ہی پہچان سکتی تھی۔

ماہ پارہ کی نظریں ایک دم رک گئیں۔ وہ فقط جہانگیر کو دیکھ رہی تھی، جو سر جھکائے خاموشی سے ان کے ساتھ چل رہا تھا۔ وہ اداس لگ رہا تھا۔ شاید اس نے امید ہی چھوڑ دی تھی کہ ماہ پارہ کم از کم ایئرپورٹ پر اس سے ملنے آئے گی۔

ماہ پارہ اس کے برعکس خوش تھی۔ اس کے لب ماسک کے پیچھے مسکرا رہے تھے، اور اس کی سنہری آنکھیں چمک رہی تھیں۔

راہین دوڑ کر ماہ پارہ سے لپٹ گئی، جیسے کل یہاں آنے سے پہلے ان کی ملاقات نہ ہوئی ہو۔ جہانگیر نے اسے بھاگتے ہوئے دیکھا اور پھر اس لڑکی کو، جس سے وہ گلے مل رہی تھی۔ اس کے بھنویں حیرت سے بھینچ گئے۔

"یہ راہین کس سے مل رہی ہے؟ کیا یہاں اس کی کوئی دوست تھی؟" جہانگیر نے حیدر سے سوال کیا۔ ایک لمحے کے لیے وہ ماہ پارہ کو پہچان نہ سکا۔

حیدر نے مسکراہٹ دباتے ہوئے کندھے اچکا دیے۔

ماہ پارہ تیزی سے دھڑکتے دل کے ساتھ جہانگیر کی طرف قدم بڑھا رہی تھی۔

جہانگیر بے نیازی سے اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔ جس کو وہ ڈھونڈ رہا تھا، وہ بالکل اس کی آنکھوں کے سامنے تھا، لیکن وہ اس سے بے خبر تھا۔

اپنے کوٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے، وہ ان کے پاس آکر رک گئی۔

"السلام علیکم۔" سب کو ایک ساتھ سلام کر کے وہ لب کاٹنے لگی، نظریں جہانگیر پر مرکوز تھیں۔

وہ لاکھوں کے ہجوم میں بھی اس کی آواز پہچان سکتا تھا۔ وہ ٹھہر گیا۔ ساکت۔ منجمد۔ اس کے ہاتھ ایک دم ٹھنڈے پڑ گئے۔ وہ یک ٹک اسے سر تا پیر دیکھ رہا تھا۔ اس کی آواز اب بھی اتنی ہی خوبصورت تھی۔ آج پھر وہ اس کے سحر میں کھو گیا تھا۔ اس کی موجودگی نے جہانگیر کو حیران کر دیا۔

دس سال کے طویل انتظار کے بعد وہ اس کے سامنے کھڑی تھی۔ وہ اس احساس کو لفظوں میں بیان نہیں کر سکتا تھا۔ جہانگیر ابھی تک صدمے میں تھا۔

کیا وہ واقعی اس سے ملنے آئی ہے؟ اسے لگا شاید وہ کوئی خواب ہے جو ابھی ٹوٹ جائے گا یا یہ اس کا وہم تھا جو بس ابھی دور ہونے والا تھا۔

حیدر اور یاسمین نے اس کے سلام کا جواب دیا۔ راہین بھی مسکرا کر اس سے کچھ کہہ رہی تھی، مگر کون کس کی سن رہا تھا، اور کون کس کو دیکھ رہا تھا؟ وہ ایک دوسرے کی آنکھوں میں کھوئے ہوئے تھے۔

"چلو پھر، ہم ہوٹل جا رہے ہیں۔ تم جہانگیر کو اپنے ساتھ لے جانا۔ رات کو پھر ملاقات ہوگی۔" حیدر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"جی؟ میں...."

"اوکے، اللہ حافظ آپی، پھر ملتے ہیں۔" راہین مسکراہٹ دبائے کہتی ہوئی حیدر اور یاسمین کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔

ماہ پارہ کو گھبراہٹ ہو رہی تھی۔ چند لمحے ان کے درمیان خاموشی رہی۔ وہ کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالے یوں ہی کھڑی تھی، مگر نظریں جہانگیر پر جمی ہوئی تھیں۔ جہانگیر سر جھکائے کھڑا تھا۔ خاموش اور پریشان۔

اس نے گہری سانس لے کر کہا۔ "کیسے ہیں آپ؟" اس کا لہجہ مستحکم تھا۔

وہ چونکا۔ "سامنے کھڑا ہوں، دیکھ لو۔"

"مجھ سے نہیں پوچھیں گے؟" اس نے توقف کے ساتھ دوبارہ پوچھا۔

"سامنے کھڑی ہو، دیکھ رہا ہوں۔"

"آپ... آپ بدل گئے ہیں۔ میرا مطلب، پہلے سے زیادہ ہینڈسم ہو گئے ہیں۔" اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اور کیا کہے۔ وہ اس کا موڈ بھی ٹھیک کرنا چاہتی تھی۔

"تم بھی بدل گئی ہو۔ کافی زیادہ۔ میری سوچ سے بھی زیادہ۔" وہ دونوں اپنے اردگرد کے ہجوم کی پروا کیے بغیر اپنے ہی دائرے میں قید تھے۔

"کیا میں پہلے سے زیادہ خوبصورت ہو گئی ہوں؟" اس نے پرجوش ہو کر پوچھا۔

"ماسک اتارو گی تو پتا چلے گا۔" وہ اس کے ماسک سے تنگ آچکا تھا۔ اتنے سالوں بعد ملاقات ہو رہی تھی، اور اب چہرہ بھی نہ دیکھے؟

اس نے ماتھے پر ہاتھ مارا۔ "سوری !" وہ مسکرائی لیکن اس کی مسکراہٹ کون دیکھ سکتا تھا۔ اس نے انگلی سے ماسک نیچے کیا۔ پھر آنکھوں سے عینک ہٹا دی۔

جہانگیر پلک جھپکنا بھول گیا تھا۔ وہ یہ بھی بھول گیا تھا کہ وہ لوگوں کے ہجوم میں کھڑا ہے۔ وہ یک ٹک اسے دیکھے جا رہا تھا، گویا اس نے اپنی زندگی میں اس سے زیادہ خوبصورت کوئی نہیں دیکھا۔ جہانگیر آج پہلی بار اسے اس طرح دیکھ رہا تھا۔ محبت بھری نظروں سے۔ اس کی نظروں کا مفہوم بدل گیا تھا۔ ایک لمحہ لگا، اور اس ایک لمحے میں اس کی زندگی بدل گئی۔ آج وہ اسے اپنی منکوحہ کی حیثیت سے دیکھ رہا تھا۔

اس کے دل کی دھڑکن رک گئی۔ کیا اسے؟ نہیں... ایک نظر میں نہیں۔ مگر محبت کے لیے ایک نظر ہی کافی ہوتی ہے۔

"کیا تمہاری خوبصورتی کو بیان کرنے کے لیے الفاظ کافی ہوں گے؟" وہ اس کے سحر سے باہر نکلا تو کہا۔

ماہ پارہ کان کی لو تک سرخ ہو چکی تھی۔ وہ بلش کر رہی تھی۔ اس کے چہرے کا بدلتا رنگ دیکھ کر جہانگیر کے لبوں پر بے اختیار مسکراہٹ پھیل گئی۔ کون کس سے ناراض تھا؟ کیوں تھا؟ سب بھول گیا تھا۔

کیا ان سنہری آنکھوں کے سامنے بھی کوئی اور چیز دکھائی دے سکتی تھی؟ دس سال پہلے جس طرح وہ ان میں کھو جاتا تھا، آج بھی ویسا ہی تھا۔ وہ متحیر سی ارد گرد دیکھ رہی تھی۔ جہانگیر کو اس کا یوں بلش کرنا بہت اچھا لگا تھا۔

"آنکھوں کو کیا ہوا؟" ہوش سنبھالتے ہوئے اس نے سوال کیا۔

"الرجی۔ جب سے آئی ہوں، ایسے ہی ہے۔" اس نے چشمہ اور ماسک واپس لگا لیا۔

"یہ اس کا حل نہیں ہے۔ چلو، ڈاکٹر کے پاس چلتے ہیں۔" وہ اس کا بیگ پکڑنے ہی والا تھا کہ ماہ پارہ نے اسے روک لیا۔

"جہانگیر، میں خود ڈاکٹر ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ کیا کرنا ہے۔" وہ مسکراتے ہوئے اس کا بیگ پکڑ چکی تھی۔

"آ... ہاں... میں بھول گیا تھا۔ اب چلیں؟" جہانگیر کے پوچھنے پر اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

ان کے درمیان سب کچھ نارمل ہو گیا تھا، مگر وہ دونوں راستے بھر خاموش رہے۔

*****

صبح کا سورج کب کا ڈھل چکا تھا، اور اب مغرب کی اذان ہو چکی تھی۔ ماہ پارہ آئینے کے سامنے کھڑی آنکھوں میں دوا کے قطرے ڈال رہی تھی۔ دوسری جانب، جہانگیر بستر پر بے خبر سو رہا تھا۔ ماہ پارہ نے صبح سے کچھ نہیں کھایا تھا۔ دوا کے قطرے ڈالنے کے بعد اس نے انٹرکام اٹھا کر کان سے لگایا اور اپنے ساتھ جہانگیر کے لیے بھی کھانے کا کہہ دیا۔ ریسیور واپس رکھ کر وہ صوفے

پر بیٹھ گئی۔ فراغت محسوس ہوئی تو قریب رکھی میز سے ایک کتاب اٹھا لی اور پڑھنے لگی۔

جہانگیر کی آنکھ کھلی تو اس نے ماہ پارہ کو صوفے پر بیٹھے پایا۔ دماغ ابھی پوری طرح بیدار نہ ہوا تھا، وہ آہستہ سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ ماہ پارہ صوفے پر ٹانگیں پھیلائے، کتاب میں محو تھی۔

"کیا وقت ہو رہا ہے؟" جہانگیر کی آواز پر وہ چونک کر سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

"آہ! آپ نے تو مجھے ڈرا ہی دیا!" اس نے دل پر ہاتھ رکھا اور گھبراہٹ میں وقت دیکھا۔ "ساڑھے سات بج رہے ہیں۔"

جہانگیر نے کوئی جواب نہ دیا، بس اٹھا اور بیگ میں سے کپڑے نکال کر باتھ روم کی طرف بڑھ گیا۔ ماہ پارہ ہکا بکا اسے جاتا دیکھتی رہی، پھر خود ہی بڑبڑائی۔ "کیا اب بس میں ہی بات کروں؟" اور دوبارہ کتاب میں مشغول ہو گئی۔

کچھ دیر بعد، جب وہ باتھ روم سے نکلا تو گرے رنگ کی قمیض اور سیاہ پینٹ میں ملبوس تھا۔ اس کے گیلے بال بے ترتیب انداز میں ماتھے پر بکھرے ہوئے

تھے، چہرے پر ہلکی داڑھی تھی جو پہلے کی نسبت اب تراشیدہ معلوم ہو رہی تھی۔ ماہ پارہ نے سرسری نگاہ اس پر ڈالی اور دوبارہ کتاب میں گم ہو گئی۔ جہانگیر آئینے کے سامنے جا کھڑا ہوا اور بالوں میں کنگھی کرنے لگا۔

"تمہاری آنکھیں اب بہتر ہیں؟" اس نے ہاتھ میں گھڑی باندھتے ہوئے دریافت کیا۔

ماہ پارہ نے چونک کر کتاب نیچے رکھی۔ "جی، اب کافی بہتر ہیں۔"

"گاؤں کب جانا ہے؟" وہ اسی طرح آئینے میں دیکھتے ہوئے بولا۔

"جب آپ مناسب سمجھیں۔" اس نے مختصر جواب دیا اور کتاب میز پر رکھ دی۔

"پھر ایک گھنٹے میں نکلتے ہیں۔" وہ ماہ پارہ کے قریب آ کر صوفے پر بیٹھ گیا، بے حد قریب۔

"اب طبیعت کیسی ہے؟" ماہ پارہ نے دھیرے سے پوچھا۔

NOVEL HUT

"اب کافی بہتر محسوس کر رہا ہوں۔" اس نے دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ ماہ پارہ کی آنکھوں میں جھانکنے سے کترا رہا ہو۔

کھانے کے بعد، دونوں کے درمیان ایک بار پھر خاموشی چھا گئی۔ کھانے سے فارغ ہو کر ماہ پارہ نے اپنا اور جہانگیر کا سامان باندھنا شروع کر دیا۔ ابھی وہ چیزیں سمیٹ ہی رہی تھی کہ دروازہ کھلا اور راعین ہنستی مسکراتی اندر داخل ہوئی۔

"راعین! تم اکیلی آئی ہو؟" ماہ پارہ نے خوشی سے اسے گلے لگایا۔

"جی آپی! میں آپ لوگوں کے ساتھ گاؤں جا رہی ہوں! مما اور بابا نے اجازت دے دی ہے، اور میں مزید ایک ہفتہ یہاں قیام کر سکتی ہوں!" وہ خوشی سے چہک رہی تھی۔

جہانگیر کے ماتھے پر ہلکی سی شکن نمودار ہوئی۔

"راعین...بیٹا، تم گاؤں کیسے جاؤ گی؟" ماہ پارہ نے پوچھا۔

"کیوں نہیں جا سکتی؟ بڑی مشکل سے اجازت ملی ہے! کیوں، جہانگیر بھائی، آپ کو اعتراض ہے؟" وہ چمکتی آنکھوں سے استفسار کر رہی تھی۔

"حیدر بھی ساتھ جا رہا ہے؟"

"نہیں، بابا نہیں آ رہے اور مما بھی نہیں۔ بابا کو یہاں کام ہے اور مما انہیں اکیلا نہیں چھوڑ سکتیں۔"

"رامین، تم گاؤں کے ماحول سے ناواقف ہو، وہاں کے طور طریقے یہاں سے مختلف ہیں۔" ماہ پارہ نے نرمی سے سمجھانے کی کوشش کی۔

"ارے کچھ نہیں ہوگا، آپی! پلیز جانے دیجیے نا!" وہ التجائیہ انداز میں بولی۔

ماہ پارہ نے بے بسی سے کندھے اچکائے۔ "اچھا، مگر تمہارا سامان کہاں ہے؟"

"اوہ نہیں! بابا نیچے انتظار کر رہے ہیں، جلدی کریں! وہ ہمیں گاؤں چھوڑنے جا رہے ہیں۔" وہ تیزی سے اٹھ کر ماہ پارہ کی مدد کرنے لگی۔

جہانگیر خاموشی سے اٹھا اور نیچے چلا گیا۔ ماہ پارہ اور راہین نے جلدی جلدی سامان سمیٹا اور چند لمحوں بعد وہ دونوں بھی نیچے پہنچ گئیں۔

راہین گاڑی میں حیدر کے ساتھ اگلی نشست پر بیٹھ گئی۔ وہ مسکراہٹ دبائے ماہ پارہ کو دیکھ رہی تھی، اور ماہ پارہ نے جواب میں اسے گھور کر دیکھا۔ پھر وہ خاموشی سے پیچھے جا کر بیٹھ گئی، جبکہ جہانگیر بھی اس کے ساتھ آ کر بیٹھ گیا۔

"حیدر بھائی، بھابھی نہیں آئیں؟" ماہ پارہ نے گفتگو کا آغاز کیا۔

"نہیں، انہیں یہاں کچھ ضروری کام تھا، شاید کسی اور وقت آئیں گی۔" حیدر نے جواب دیا اور گاڑی آگے بڑھا دی۔

راستہ خاموشی سے کٹنے لگا۔ ماہ پارہ یہاں کے راستوں کو دیکھ رہی تھی، راستے اسے کسی ان دیکھے خواب کی مانند لگ رہے تھے۔ سردی شدت اختیار کر چکی تھی، اور ٹھنڈی ہواؤں اس کے چہرے سے ٹکرا رہی تھیں۔ اس نے سکون سے آنکھیں موند لیں اور ہوا کے لمس کو محسوس کرنے لگی۔

جہانگیر گاڑی میں بیٹھے بیٹھے اکتا چکا تھا۔ کبھی گردن کے پچھلے حصے پر ہاتھ رکھتا، کبھی سر کو ہاتھوں میں گرا دیتا۔ آخرکار، جب کہیں بھی سکون نہ ملا، تو اس نے اپنا سر ماہ پارہ کے کندھے پر رکھ دیا۔

ماہ پارہ جیسے کرنٹ کھا کر سیدھی ہو گئی۔ اس نے حیرت سے جہانگیر کی طرف دیکھا، جو آنکھیں بند کیے چند لمحے یونہی بیٹھا رہا۔ وہ یک ٹک اس کا سر اپنے کندھے پر دیکھتی رہی۔ آگے کی نشست پر راین حیدر کے ساتھ بیٹھی تھی اور گاؤں کے نظاروں میں محو تھی۔

جہانگیر نے ایک آنکھ کھولی، چہرہ ذرا سا اٹھایا، اور ماہ پارہ کو دیکھ کر فوراً سیدھا ہو بیٹھا۔

"تم کہو تو میں سر نہ رکھوں؟" اس نے سنجیدہ مگر دھیمی آواز میں کہا۔

"میں نے تو کچھ بھی نہیں کہا۔"

جہانگیر خاموش رہا، پھر اس نے اپنا سر ماہ پارہ کی گود میں رکھ دیا۔ ماہ پارہ اس غیر متوقع حرکت پر ساکت رہ گئی۔

"کیا تم اپنے ہاتھوں سے میرا سر دبا سکتی ہو؟ مجھے سکون چاہیے، جو کہ آدھا تو پہلے ہی مل چکا ہے۔" اس کی سرگوشی میں ایک ایسی اپنائیت تھی کہ ماہ پارہ چاہ کر بھی انکار نہ کر سکی۔

جہانگیر نے آنکھیں موند لیں۔ ماہ پارہ نے دھیرے سے ہاتھ بڑھا کر اس کے سر پر رکھا اور آہستہ آہستہ دبانے لگی۔ اس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا، نظریں بار بار ادھر ادھر جا رہی تھیں۔ حویلی اب زیادہ دور نہیں تھی، زیادہ سے زیادہ آدھے گھنٹے کا فاصلہ رہ گیا تھا۔

جہانگیر زیرِ لب مسکرا رہا تھا، مگر ماہ پارہ نے اس کی مسکراہٹ نہیں دیکھی۔ وہ صرف پریشانی سے آس پاس دیکھ رہی تھی کہ کوئی انہیں دیکھ نہ لے۔ مگر جب اس نے دوبارہ جہانگیر کی طرف دیکھا تو ٹھہر سی گئی۔

وہ بالکل معصوم سے بچے کی مانند لگ رہا تھا، جیسے کسی کو بے حد توجہ اور محبت کی ضرورت ہو۔

نا جانے کیوں، ماہ پارہ کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔ اس نے آہستہ سے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیریں اور انہیں ماتھے پر بکھیر دیا۔

جہانگیر نے مسکراہٹ دباتے ہوئے دوبارہ بالوں میں ہاتھ پھیرا اور انہیں پیچھے کر دیا۔ ماہ پارہ نے آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھا، پھر دوبارہ اس کے بال ماتھے پر بکھیر دیے۔ اس بار جب جہانگیر نے ہاتھ بڑھایا تو ماہ پارہ نے اس کے دونوں ہاتھ تھام لیا۔ جہانگیر کی آنکھیں بدستور بند تھیں، وہ جانتا تھا کہ اگر اس نے ماہ پارہ کی آنکھوں میں جھانک لیا تو شاید وہ ان میں کھو جائے گا۔

جہانگیر کی آنکھیں بدستور بند تھیں، وہ جانتا تھا کہ اگر اس نے ماہ پارہ کی آنکھوں میں جھانک لیا تو شاید وہ ان میں کھو جائے گا۔

"رہنے دیجیے نا، اچھے لگ رہے ہیں ایسے ہی۔" اس نے مدھم سرگوشی کی۔

"کیا میں ایسے زیادہ ہینڈسم لگ رہا ہوں؟" جہانگیر نے مسکراتے ہوئے آنکھیں کھول کر پوچھا۔

"ہرگز نہیں! بالکل نہیں لگ رہے۔" ماہ پارہ نے ہنسی ضبط کرتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔

"کیا باتیں ہو رہی ہیں؟ ہمیں بھی بتاؤ، میں اکیلا بور ہو رہا ہوں۔" حیدر کی آواز پر جہانگیر فوراً سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"آآآ.... کچھ نہیں۔ ہم کب تک پہنچ رہے ہیں؟"

"یہ.... دیکھو، پہنچ گئے بس!" حیدر نے گاڑی کو دائیں طرف موڑتے ہوئے کہا۔

ماہ پارہ نے باہر جھانکا، حویلی کا بیرونی حصہ نظر آ رہا تھا۔

"مجھے ڈر لگ رہا ہے۔" وہ اتنی دھیمی آواز میں بولی کہ شاید صرف جہانگیر ہی سن پایا تھا۔

"کس بات کا؟"

"ظاہر ہے، آپ کے گھر والوں کا۔"

جہانگیر نے نرمی سے اس کا ہاتھ تھاما اور سنجیدگی سے کہا۔ "جیسے پہلے تمہارے ساتھ کھڑا تھا، اب بھی تمہارے ساتھ کھڑا رہوں گا۔"

حیدر انہیں چھوڑ کر واپس چلا گیا۔ جہانگیر نے ایک لمحے کے لیے بھی ماہ پارہ کا ہاتھ نہیں چھوڑا۔ وہ اسے یہ یقین دلانا چاہتا تھا کہ جس طرح وہ پہلے اس کے ساتھ کھڑا تھا، اسی طرح اب بھی کھڑا رہے گا۔ راعین آگے چل رہی تھی، اور یہ دونوں پیچھے۔

"سب سے پہلے دادا جان سے ملیں گے۔ پچھلی بار بھی تو انہوں نے ہی ہمیں بچایا تھا، نا؟"

یہ سنتے ہی جہانگیر کی گرفت لمحہ بھر کے لیے ڈھیلی پڑی، مگر اگلے ہی لمحے اس نے مضبوطی سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

گھر میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلے اینہ نظر آئیں، جو صوفے پر بیٹھی سبزی کاٹ رہی تھیں۔ ماہ پارہ نے آہستہ سے اپنا ہاتھ چھڑوایا اور جہانگیر کو آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔

جہانگیر نے انہیں پکارا۔ جیسے ہی ان کی نظر اس پر پڑی، وہ اپنے آنسو ضبط نہ کر سکیں۔ سب کچھ چھوڑ کر وہ جہانگیر کی طرف بڑھیں اور اسے گلے لگا لیا۔ ان سے الگ ہو کر جہانگیر نے احتراماً ان کا ہاتھ چوما۔

"تم ٹھیک تو ہو نا؟ زیادہ تکلیف تو نہیں ہوئی؟" وہ اس کے چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولیں۔

"ماں سا، میں بالکل ٹھیک ہوں۔ آپ بس روئیں مت۔" جہانگیر نے ان کے آنسو پونچھے۔ ماہ پارہ پریشانی میں اپنا نچلا لب کاٹنے لگی۔

"دو مہینوں میں صرف ایک خط بھیجا؟ کیا کوئی ایسا کرتا ہے؟ اور حسن؟ وہ نہیں آیا کیا؟" وہ آنکھوں میں آنسو لیے شکایت کر رہی تھیں۔

"ماں سا، وہ بھی آجائے گا۔ آپ بتائیں، کیسی ہیں آپ؟"

"میری چھوڑو، تم بتاؤ! اپنی خیریت کا خط تو بھیج سکتے تھے نا!" ایک اور شکایت۔ ان کی نظر اچانک ماہ پارہ پر پڑی۔

"یہ .... یہ لڑکی یہاں کیا کر رہی ہے؟" آنسو تھم چکے تھے۔ لہجہ سخت ہو چکا تھا۔ ماہ پارہ سہم گئی۔ رامین نے باری باری دونوں کو دیکھا۔

"یہ لڑکی میری بیوی ہے، ماں سا۔" جہانگیر نے دو قدم پیچھے ہٹ کر ماہ پارہ کا ہاتھ تھام لیا۔ "اسے یہاں واپس آنا ہی تھا۔"

رنزہ بھاگتی ہوئی جہانگیر کے قریب آئی اور اسے گلے لگا لیا۔ جہانگیر نے ماہ پارہ کا ہاتھ نہیں چھوڑا تھا۔ ایک ہاتھ رنزہ کے گرد تھا اور دوسرا ماہ پارہ کے ہاتھ میں۔

یہ منظر دیکھ کر اینہ کے چہرے پر غصے کی لہر دوڑ گئی۔ ان کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ رامین گھبرا کر ماہ پارہ کے قریب آ کھڑی ہوئی۔

"ہاتھ چھوڑو اس لڑکی کا، جہانگیر!" انہوں نے بلند آواز میں کہا۔

رنزہ بھی اس کے بازو سے الگ ہوئی اور پیچھے کھڑی ماہ پارہ کو غصے سے دیکھنے لگی۔ جہانگیر نے حیرت سے اپنی ماں کو دیکھا۔

"بھائی، یہ لڑکی یہاں کیا کر رہی ہے؟" رنزہ نے سلگتی نظروں سے ماہ پارہ کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

جہانگیر اب بھی ماہ پارہ کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھا۔

"رنزہ، یہ تم کس لہجے میں بات کر رہی ہو؟ وہ تمہاری بھابھی ہے!"

"اور اس 'پیارے بھابھی' کی وجہ سے جو کچھ ہمارے ساتھ ہوا، اس کا کیا، بھائی؟"

"اس میں ماہ پارہ کا کوئی قصور نہیں! وہ تو یہاں تھی بھی نہیں...."

"یہاں نہیں تھی، تبھی تو وہ سب ہوا تھا، جہانگیر!" اینہ نے ہر لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"کوئی مجھے بتائے تو سہی...." ماہ پارہ کچھ کہنے ہی والی تھی کہ اینہ نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا۔

"خاموش ہو جاؤ! خاموش!" وہ غرّائیں۔

ماہ پارہ ڈر کر پیچھے ہوئی، مگر جہانگیر کی گرفت نے اسے زیادہ پیچھے نہیں جانے دیا۔

"ماں سا، خدا کے لیے خاموش ہو جائیں!" جہانگیر نے بے بسی سے کہا۔
"ہم آرام سے بات کر سکتے ہیں۔"

"اسے نہیں بتاؤ گے، اس کے باپ کی....؟"

"ماں سا، وہ سب ان کی وجہ سے نہیں ہوا تھا!" جہانگیر نے سختی سے ان کی بات کاٹ دی۔

ماہ پارہ کی آنکھوں میں آنسو جمع ہو گئے۔

ایمنہ دو قدم آگے بڑھیں تو جہانگیر نے ماہ پارہ کو اپنے پیچھے کر لیا۔ ماہ پارہ نے سختی سے جہانگیر کے بازو کو جکڑ لیا۔

"جس دن تمہارے باپ کو معلوم ہوا کہ جہانگیر نے تمہیں یہاں سے بھیج دیا ہے، اس دن اس نے یہاں آکر ہنگامہ کھڑا کر دیا! بقول ان کے، جہانگیر کا کوئی حق نہیں بنتا تھا کہ وہ ان کی بیٹی کو ان کی اجازت کے بغیر دوسرے ملک

بھیجے۔ وہ جہانگیر کے دادا کو پورے گاؤں میں بدنام کرنا چاہتا تھا کہ وہ اپنی بہو کو اس طرح باہر بھیج دیتے ہیں۔" وہ تیز تیز بول رہی تھیں، جیسے سالوں کا غصہ ان کے لفظوں میں اتر آیا ہو۔

جہانگیر نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا، مگر اینہ نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا۔

"جہانگیر کے دادا کو اسی دن ہارٹ اٹیک ہوا تھا! تمہیں اندازہ بھی ہے، میرے بیٹے نے تمہارے لیے کتنی اذیت برداشت کی؟"

"اور تمہارے اُس گھٹیا باپ نے اس کے بعد کیا کیا؟" رنزہ نے مٹھیاں بھینچ کر کہا۔

جہانگیر نے ضبط سے دانت بھینچے، کنپٹی کی رگیں ابھر آئیں۔

"اس نے فیکٹری کو آگ لگا دی، مگر بدقسمتی سے وہ خود اسی آگ میں جل گیا!"

NOVEL HUT

یہ سنتے ہی ماہ پارہ کو یوں محسوس ہوا جیسے زمین اس کے قدموں کے نیچے سے نکل گئی ہو۔

جب سے وہ یہاں آئی تھی، کمزوری کی وجہ سے چکر آنے لگے تھے۔ اسے اپنے پیروں پر کھڑا ہونا مشکل ہو رہا تھا۔ دھندلی نظروں سے اس نے سب کو دیکھا۔ اس کے بعد کیا ہوا، کس نے کیا کہا، کون کس پر چیخ رہا تھا، وہ کمرے میں کیسے پہنچی، کچھ یاد نہیں تھا۔ سارا منظر دھندلاہٹ سے سیاہ ہو چکا تھا۔

اس کی آنکھ کھل گئی، مگر سراب بھی چکرا رہا تھا۔

آنکھوں کی سرخی برقرار تھی۔ اس نے اردگرد نظر دوڑائی۔ وہ اندھیرے کمرے میں بستر پر سینے تک کمبل تانے لیٹی ہوئی تھی۔ حلق خشک ہو رہا تھا۔ پانی پینے کے لیے وہ اٹھ کر بیٹھی۔ شاید رات کا آخری پہر تھا۔ اندھیرے کی وجہ سے کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ اٹھی تو لڑکھڑا کر واپس بستر پر بیٹھ گئی۔

لیکن اگر اسے کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا، تو پھر یہ کون تھا جو اس کے سامنے پانی پیش کر رہا تھا؟ یا شاید... وہ پانی پلا رہا تھا؟ پانی پلانے کے بعد جہانگیر

نے اپنا بڑھایا ہوا ہاتھ پیچھے کر لیا۔ آنسو تھے جو ٹوٹ کر رخسار سے گرتے ہوئے اس کے دامن میں جذب ہو رہے تھے۔ ماہ پارہ نے سختی سے گھٹنوں پر رکھے دونوں ہاتھ بھینچ رکھے۔ وہ لب کاٹ کر آنسو روکنے کی کوشش کر رہی تھی، مگر یہ اس کے بس میں نہیں تھا۔ آنسوؤں کا بہنا بھلا کس کے اختیار میں ہوتا ہے؟

جہانگیر نے اسے روکا نہیں۔ اچھا ہے، رونے سے دل ہلکا ہو جاتا ہے۔ وہ نرمی سے اس کا سر اپنی گود میں رکھ کر اس کے بالوں میں اتنی ہی نرمی سے ہاتھ پھیرنے لگا۔ مگر ہر بہتے آنسو کے ساتھ، جہانگیر کا دل بھی کسی انجانی تکلیف سے کٹ رہا تھا۔

"آپ نے... ایک بھی خط میں نہیں بتایا تھا کہ..." آواز کانپ رہی تھی۔

جہانگیر کے بالوں میں چلتے ہاتھ لمحہ بھر کو رُکے۔ "میں مجبور تھا۔ مجھے معاف کر دو۔"

ماہ پارہ بہت کچھ کہنا چاہتی تھی، وہ جہانگیر سے ناراض ہونا چاہتی تھی۔ مگر حلق میں آنسوؤں کا پھندا پڑ گیا۔

وہ بس چپ چاپ اس کے بالوں میں انگلیاں پھیر رہا تھا۔

"تمہارے آنسوؤں سے مجھے تکلیف ہو رہی ہے، ماہ پارہ۔ تمہیں روتے دیکھ کر اچھا نہیں لگ رہا۔ مجھ سے غلطی ہوگئی ہے، میں معافی مانگ رہا ہوں نا..." جہانگیر نے تھکے تھکے انداز میں کہا، مگر جب وہ چپ نہ ہوئی، تو ماہ پارہ کا سر اپنی گود سے ہٹایا۔

"مجھ سے جھوٹ بولتے وقت کیسا لگ رہا تھا؟" ماہ پارہ کی آواز کرخت ہو چکی تھی۔چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔

"میں نے جھوٹ نہیں بولا۔ بس سچ چھپایا تھا۔" جہانگیر نے اس کے آنسو انگوٹھے سے پونچھنے کی کوشش کی، مگر ماہ پارہ نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

"اپنی غلطیوں پر پردہ ڈالنے کا یہی طریقہ ہوتا ہے؟" وہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر گہری سانس لے کر بولی۔ جہانگیر نے لب بھینچ کر اسے دیکھا۔

"جو کچھ بھی ہوا، اس کا ایک ہی حل ہے۔ بھول جاؤ سب۔" ماہ پارہ نے غصے سے گھورا۔

"میرے پاس تمہارے لیے ایک سرپرائز ہے۔ بلکہ... نہیں، دو سرپرائز۔"

"مجھے نہیں چاہیے آپ کا سرپرائز۔" ماہ پارہ نے ناک سکوڑ کر کہا۔

"اچھا، تو پھر بتاؤ، کیا چاہتی ہو؟"

"بس جائیں یہاں سے۔" اب بھی وہ خفا تھی۔

جہانگیر نے سنجیدگی سے اس کی آنکھوں میں جھانکا، جو سرخی مائل سنہری لگ رہی تھیں۔

"تمہیں نہیں لگتا کہ تم اب بھی مجھے حکم دیتی ہو؟"

"اگر میں حکم دیتی، تو مجھے دور نہ بھیجتے آپ۔ میرے کہنے پر ایک بار آکر مجھ سے ملتے۔" ماہ پارہ نے لائٹ آن کی، اور روشنی کمرے میں پھیل گئی۔ جہانگیر کے ماتھے پر بل پڑے۔

"تو تم نے بدلہ اس طرح لیا؟ جب میں بیمار تھا، تو مجھ سے دور رہ کر؟ تمہیں معلوم تھا نا، میں کتنی تکلیف میں تھا؟ پھر بھی نہیں آئیں؟"

بلآخر، اس نے شکوہ کر ہی دیا۔ دروازے پر کھڑی راہین سب سن چکی تھی۔ ماہ پارہ کچھ کہتی، مگر اس سے پہلے ہی راہین بول اٹھی۔

"جہانگیر بھائی! آپی ایک لمحے کے لیے بھی آپ سے دور نہیں رہیں! سرجری کے وقت بھی وہ آپ کے ساتھ تھیں۔ ان کے بارے میں ایسے مت بولا کریں!"

جہانگیر کو جھٹکا لگا۔ بے یقینی سے اس نے ماہ پارہ کو دیکھا، جو سر جھکائے بیٹھی تھی۔ پھر راہین کی طرف نظر دوڑائی۔

کمرے میں لمحہ بھر کو خاموشی چھا گئی۔

اسے وہ تمام لمحے یاد آنے لگے جب اس نے ماہ پارہ کی موجودگی کو 'محسوس' کیا تھا۔ دونوں ایک دوسرے سے نظریں چرا رہے تھے۔ راہین 'اف' کر کے دونوں کے درمیان بیٹھی۔

"جہانگیر بھائی! اب کچھ کہیں گے آپ؟" وہ غصے سے بولی۔ جہانگیر نے سر جھکا لیا۔

ماہ پارہ نے ایک نظر اس پر ڈالی اور راہین کی طرف متوجہ ہو گئی، جیسے وہ یہاں موجود ہی نہ ہو۔ جہانگیر کا دل چاہا کہ اپنا ماتھا پیٹ لے۔ آخر، اس نے شکوہ کیوں کیا؟ اسے ہمیشہ اپنے شکوے مہنگے پڑتے ہیں۔ ماہ پارہ کے مسلسل نظر انداز کرنے پر، اس نے کمرے سے نکلنے میں ہی عافیت جانی۔

"راہین، میں صبح ہوتے ہی اپنے گھر جانا پسند کروں گی۔" ماہ پارہ نے جان بوجھ کر اونچی آواز میں کہا، تاکہ جہانگیر سن لے۔

جہانگیر نے بس مسکرا کر سر جھٹکا، اور آگے بڑھ گیا۔ وہ نیچے سیڑھیاں اتر رہا تھا جب اس کی نظر داؤد پر پڑی۔ وہ فوراً ان کی طرف بڑھا۔

داؤد اسے دیکھ کر کھڑے ہوئے۔ آنکھوں میں چمک در آئی، لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ ان دونوں کے درمیان بہت پہلے ہی سب ٹھیک ہو چکا تھا۔ انہیں سمجھ آگیا تھا۔ جتنا ماں باپ اپنے بچوں پر سختی کریں گے، وہ اتنے ہی ہاتھ سے نکل جائیں گے۔ اسی لیے اب، انہوں نے جہانگیر کو وہ کرنے دیا، جو وہ چاہتا تھا۔

"السلام علیکم بابا! کیسے ہیں آپ؟" اس نے آگے بڑھ کر ان سے گلے ملتے ہوئے کہا۔

"وعلیکم السلام، میری چھوڑو، اپنی بتاؤ! سفر میں زیادہ تکلیف تو نہیں ہوئی؟" انھوں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے فکر مندی سے پوچھا۔

"آپ کے سامنے کھڑا ہوں، بالکل خیریت سے۔"

جہانگیر نے مسکراتے ہوئے جواب دیا اور ذرا پیچھے ہٹ کر بیٹھنے ہی لگا تھا کہ اچانک ایک طوفان کی طرح کوئی اس سے ٹکرایا اور اس کے گردن میں بانہیں ڈال دیں۔ جہانگیر سنبھل نہ پاتا تو سیدھا زمین بوس ہو جاتا۔

چند لمحے لگے اسے سمجھنے میں کہ یہ بے تکلفی کرنے والا آخر ہے کون؟ اس کے چہرے پر بے ساختہ مسکراہٹ آگئی۔ وہ پیچھے ہٹ گیا تو جہانگیر نے پیچھے مڑ کر اسے دیکھا۔

"آہ جہانگیر بھائی! میں نے آپ کو کتنا مس کیا!" سیف نے اپنے نہ نظر آنے والے آنسو کو پونچھتے ہوئے اداسی سے کہا۔

جہانگیر نے شرارت سے آنکھیں سکیڑیں۔ "مجھے تو تمہاری بالکل یاد نہیں آئی۔"

"رہنے دیں بھائی، آپ کی زبان کچھ اور کہہ رہی ہے اور آنکھیں کچھ اور۔" سیف نے مصنوعی خفگی سے کہا اور صوفے پر جا بیٹھا۔

"ویسے، آپ اکیلے آئے ہیں؟" اس نے دلچسپی سے پوچھا۔

"نہیں، دو خواتین میرے ساتھ آئی ہیں۔"

سیف کا چہرہ شرارت سے دمک اٹھا۔ "دو؟ حسین ہیں کیا؟"

جہانگیر نے بے یقینی سے اسے گھورا اور فوراً داؤد کی طرف دیکھ کر شکوہ کیا۔ "بابا، دیکھیں کتنا بے شرم ہو گیا ہے یہ!"

انھوں نے نرمی سے سر جھٹکتے ہوئے سیف کو ٹوکا۔ "سیف، بھائی کو تنگ مت کرو!" پھر جہانگیر کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا۔ "کون آئی ہے؟"

"ماہ پارہ اور راین۔"

سیف نے حیرت سے آنکھیں پھیلائیں۔ "وہ چپکلی بھی آئی ہے؟ یہ کب ہوا؟"

جہانگیر نے اسے گھورتے ہوئے اس کے کندھے پر ہلکی سی چپت لگائی۔

"سیف، بھابھی ہے تمہاری۔"

کمرے کے باہر کھڑے سیف نے ایک گہری سانس لی۔

ایک لمحے کے توقف کے بعد، اس نے دروازے پر دستک دی، مگر جواب سنے بغیر اندر داخل ہو گیا۔ ماہ پارہ اور راہین آپس میں گفتگو میں مگن تھیں۔ لیکن سیف جیسے ہی اندر آیا، وہ ٹھٹھک گیا۔ وہ اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔ کچھ سال پہلے، وہ ایک دبلی پتلی، ضدی سی لڑکی تھی، مگر آج؟ سنہری آنکھوں والی یہ لڑکی کہیں زیادہ خوبصورت اور باوقار لگ رہی تھی۔ سیف نے کھنکار کر اپنی موجودگی کا احساس دلایا۔ ماہ پارہ نے چونک کر نظر اٹھائی اور حیرت سے اسے دیکھا۔

لمبا قد، سیاہ شرٹ کے ساتھ سیاہ پینٹ، چہرے پر شرارت بھری مسکراہٹ، اور آنکھوں میں وہی چمک جو ہمیشہ اس کے مزاج کی عکاس ہوتی تھی۔

وہ بدل چکا تھا۔ اور شاید وہ بھی۔

(سیف نے لاء میں ڈگری حاصل کی ہوئی تھی۔ لاء کی مشق کے لیے وہ زیادہ تر شہر میں رہتا تھا۔)

"سیف؟ رائٹ؟" ماہ پارہ نے بے یقینی سے کہا۔

"ماہ پارہ؟ رائٹ؟" وہ بھی اسی انداز میں بولا۔ رامین بس دونوں کے چہرے دیکھے جا رہی تھی۔

پھر مسکرا کر بولا۔ "شکر ہے، میں یاد ہوں تمہیں! ورنہ میں تو سمجھا تھا کچھ لوگ ہمیں بھول گئے ہیں۔" وہ صوفے پر مزے سے بیٹھ گیا۔

ماہ پارہ نے آنکھیں گھما کر کہا۔ "تمہیں کوئی پاگل ہی یاد رکھے گا۔"

سیف نے جھٹ سے جواب دیا۔ "اور وہ پاگل تم ہو۔"

ماہ پارہ نے سختی سے کہا۔ "دفع ہو جاؤ یہاں سے !"

"نہیں.... جاؤں.... گا !" سیف نے جان بوجھ کر لفظوں کو توڑ توڑ کر ادا کیا۔

"بتاؤ، کیا کرو گی؟"

"میں جہانگیر کو بلاؤں گی !" وہ تقریباً روہانسی ہو گئی۔

سیف نے بے فکری سے ہاتھ ہلایا۔ "بلا لو، بلا لو ! اپنے میاں صاحب کو ! ہم نہیں ڈرتے ان سے !"

یہ کہہ کر اس نے مزے سے پیر میز پر رکھ دیے اور ایک شرارتی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر کھیلنے لگی۔

"دفع ہو جاؤ یہاں سے تم۔" وہ غصے سے بولی۔

"کیوں تنگ کر رہے ہو اسے؟" جہانگیر کی بھاری، سنجیدہ آواز سن کر سیف نے فوراً سیدھا ہو کر بیٹھنے میں ہی عافیت جانی۔

NOVEL HUT

سیف نے گردن گھما کر دیکھا۔ جہانگیر چوکھٹ پر کھڑا تھا، بازو سینے پر باندھے، آنکھوں میں سختی لیے۔

سیف نے فوراً منہ بنایا اور بولا۔ "جائیں، جائیں بھائی! آپ ہمیشہ اس کی طرف داری کرتے ہیں!" وہ خفگی سے کہنے کے ساتھ ہی صوفے پر پیر سمیٹ کر بیٹھ گیا۔

اس سے پہلے کہ جہانگیر کچھ کہتا، راہین تیزی سے بولی۔ "جہانگیر بھائی! ہمیں نیند آرہی ہے، آپ دونوں یہاں سے تشریف لے جائیں!"

ماہ پارہ نے فوراً تائید کی۔ "ہاں، بالکل! آپ جائیں، سیف کے کمرے میں آرام کریں!"

اس نے کندھے اچکائے۔ "ہاں تو تم دونوں جاؤ! یہ میرا کمرہ ہے، مجھے تو یہیں رہنا ہے۔"

ماہ پارہ نے فوراً جواب دیا۔ "جی نہیں، جہانگیر۔ راہین یہاں میرے ساتھ سوئے گی۔ آپ جائیں سیف کے کمرے میں!"

جہانگیر نے مزید بحث کو فضول سمجھا اور خاموشی سے باہر نکل گیا۔

سیف بھی جانے لگا تھا، مگر دروازے تک پہنچ کر اچانک رک گیا۔ پھر شرارتی انداز میں دو قدم پیچھے ہٹا، جھک کر ماہ پارہ کے قریب آیا، اور فوراً اس کے بال کھینچ کر بولا۔ "یہ بدلہ تھا!"

"آہ!" ماہ پارہ نے چونک کر پیچھے دیکھا، مگر تب تک وہ باہر جا چکا تھا۔

وہ سر جھٹک کر بستر پر لیٹ گئی۔ راعین اب بھی اس سے مسلسل باتیں کیے جا رہی تھی۔

* * * * * *

صبح کی ہلکی گرم روشنی نے پورے گاؤں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ گاؤں کی سرحد پر کھڑی حویلی سورج کی کرنوں میں جگمگا رہی تھی۔ صبح کی ٹھنڈی ہوائیں در و دیوار سے ٹکرا کر خاموشی کو توڑ رہی تھیں۔ ماہ پارہ کی آنکھ کھل گئی تھی۔ وہ تیار تھی۔ اپنے گھر والوں کا سامنا کرنے کے لیے، گاؤں والوں کے سوالات کے لیے، اپنی نئی زندگی کے لیے۔

جہانگیر صبح کی واک سے لوٹا تو سیدھا کچن میں چلا گیا۔ سیاہ ٹریک سوٹ میں ملبوس، آستینیں کہنی تک چڑھائے، بکھرے بالوں کے ساتھ وہ تھکن مٹانے کے لیے فریج کی طرف بڑھا۔ پانی کی بوتل اٹھائی، ڈھکن کھولا اور ایک لمبا گھونٹ بھرا۔ بوتل رکھتے ہی، جیسے ہی وہ مڑا، کسی سے ٹکرا گیا۔ ایک نرم سا ہاتھ اس کے سینے پر ٹکا اور اسے پیچھے دھکیل دیا۔

"دیکھ کر چلا کریں!" ماہ پارہ نے سپاٹ لہجے میں کہا، آنکھوں میں ایک عجیب سی سختی تھی۔

جہانگیر نے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ سجائی۔ "تم بھی تو دیکھ کر چل سکتی ہو۔"

ماہ پارہ نے بے نیازی سے کندھے اچکائے۔ "میں ٹھہری اندھی۔"

جہانگیر نے بھی اسی کے انداز میں کہا۔ "میں ٹھہرا اندھا۔"

دونوں ایک پل کے لیے ایک دوسرے کو تکتے رہے۔

"اب ہٹیں میرے راستے سے!" ماہ پارہ نے جھنجھلا کر اسے کندھے سے پیچھے دھکیلا اور کچن میں چلی گئی۔

جہانگیر نے سر جھٹکا اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

جیپ ہموار راستوں پر دوڑ رہی تھی۔ ماہ پارہ آنکھیں بند کیے ٹھنڈی ہواؤں کو محسوس کر رہی تھی۔ گلابی قمیض اور پاجامے میں، وہ ہوا میں بہتے کسی خوبصورت گلاب کی مانند لگ رہی تھی۔ جہانگیر سیاہ شلوار قمیض میں ملبوس تھا، حسبِ عادت آستینیں کہنی تک چڑھائی ہوئی تھیں، اور آنکھوں پر سیاہ چشمہ تھا جو اس کے چہرے کے خدوخال کو مزید سنجیدہ بنا رہا تھا۔ دونوں کے درمیان خاموشی تھی۔

اچانک، جہانگیر نے گاڑی ندی کنارے روک دی۔

ماہ پارہ نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ "یہاں کیوں لائے ہیں مجھے؟"

جہانگیر خاموشی سے نیچے اترا۔ ماہ پارہ کچھ لمحے حیران بیٹھی رہی، پھر وہ بھی اتر آئی۔ جہانگیر ندی کے کنارے جا کر بیٹھ گیا۔ پانی پر سکون تھا، اتنا صاف کہ

درختوں کے عکس پانی میں جھلک رہے تھے۔ ہوا میں ہلکی ہلکی خنکی تھی۔ ماہ پارہ بھی آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اس کے قریب جا کر بیٹھ گئی۔

ماہ پارہ اپنے گھٹنے کے گرد بازو پھیلائے، اپنا دائیاں گال کو گھٹنے پر ٹکا کر جہانگیر کو دیکھ رہی تھی۔ اسکی سنہری آنکھیں دھوپ میں چمک رہی تھیں۔

"آپ ناراض ہیں؟"

جہانگیر نے نظریں پانی پر گاڑھ دیں۔ "نہیں۔"

"تو پھر بات کیوں نہیں کر رہے ہیں؟"

جہانگیر نے ایک گہری سانس لی۔ پھر آہستہ سے بولا۔ "کیا تمہیں کبھی محبت ہوئی ہے؟"

ماہ پارہ نے چونک کر اسے دیکھا۔ پھر ہنس کر بولی۔ "مجھے محبت کا مطلب ہی نہیں پتا، تو محبت کیسے ہو سکتی ہے؟"

جہانگیر نے پہلی بار اس کی طرف دیکھا، پھر آہستہ سے کہا۔ "وہاں تمہارا کوئی دوست تو بنا ہوگا؟"

ماہ پارہ نے فوراً تصحیح کی۔ "دوست بنی تھی۔" پھر چند لمحے خاموشی رہی۔

"آپ کو تو محبت ہو گئی ہوگی؟" اس نے ہنستے ہوئے پانی میں اپنا عکس دیکھتے ہوئے پوچھا۔

جہانگیر نے دھیرے سے کہا۔ "ہاں، ہو گئی ہے۔" ماہ پارہ کی مسکراہٹ یک دم مدھم پڑ گئی۔

"جب سے محبت ہوئی ہے، ایسا لگتا ہے جیسے کسی نے میرا سکون چھین لیا ہو۔ مجھے اس کے علاوہ کچھ نظر نہیں آتا۔"

ماہ پارہ نے فوراً منہ پھیر لیا، اس کی نظریں پانی پر جمی تھیں لیکن دماغ کہیں اور تھا۔

"محبت کیا ہمارا سکون چھینتی ہے؟" وہ قدرے الجھن سے بولی۔

NOVEL HUT

"نہیں معلوم، لیکن مجھے سکون نہیں مل رہا ہے۔ جب سے میں نے اسے دیکھا ہے، ایسا لگتا ہے کہ اس کے بغیر جینا مشکل ہے۔"

جہانگیر کے لہجے میں کچھ ایسا تھا جو ماہ پارہ کے دل پر دستک دے رہا تھا، مگر وہ سمجھ نہ سکی۔

"آپ .... آپ کو کس سے محبت ہو گئی ہے؟"

جہانگیر کے لبوں پر دھیرے سے مسکراہٹ ابھری۔

"ہے ایک خوبصورت پری۔ اس کی آنکھیں بھی خوبصورت ہیں اور اس کی آواز بھی۔ وہ شروع سے مجھ پر جادو کرتی ہے۔ اب بھی کر رہی ہے۔ میں تو اکیلے میں اسے جادوگرنی کہتا ہوں۔"

ماہ پارہ نے ناراضی سے کہا۔ "پھر تو وہ بہت بری ہوگی، کیونکہ وہ جادو کرتی ہے نا!"

جہانگیر اس کی معصومیت پر بے ساختہ مسکرا دیا۔ "بہت بری ہے۔ بدتمیز بھی۔ ضدی بھی اور...."

"تو پھر اس سے کیوں کرتے ہیں آپ محبت؟" ماہ پارہ نے برا مان کر کہا۔

جہانگیر نے آہستہ سے کہا۔ "محبت پہ میرا اختیار ہی تو نہیں۔ خود ہو گیا۔ اب میں کیا کروں؟"

ماہ پارہ نے گہری سانس لی۔ وہ اب بھی نہیں سمجھ پائی تھی کہ جہانگیر کس کا ذکر کر رہا تھا۔

"لیکن ...." وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔ پھر جلدی سے موضوع بدل دیا۔ "آپ یہ بتائیں کہ میرے جانے کے بعد آپ نے کیا کیا؟ اور ذرا یہ بتائیں، زائشہ سے آپ اتنی دیر کمرے میں اکیلے بیٹھ کر کیا باتیں کر رہے تھے؟"

"یہ تم سے کس نے کہا؟"

ماہ پارہ نے آنکھیں جھپکائیں۔ "آ.... آپ میرے سوال کا جواب دیں!"

جہانگیر نے سر جھٹک کر ضبط سے کہا۔ "ایک تو یہ حسن تمہیں آدھی ادھوری بات بتاتا ہے!"

"تو آپ پوری بات بتائیں ناں !" ماہ پارہ نے خفگی سے کہا۔

"میں نے اسے صرف اتنا کہا تھا کہ میں اس کا نہیں ہو سکتا۔ وہ مجھ سے دور رہے تو بہتر ہے۔ مجھے حسن کے لیے ایک گھنٹہ اس کے ساتھ رہنا پڑا۔ میں نے اسے کہا کہ وہ آگے بڑھے۔ میں نے اسے بہت سمجھایا کہ میں اس کا کسی قیمت پر بھی نہیں ہو سکتا۔" جہانگیر آسمان کی طرف دیکھ کر کہہ رہا تھا۔ "وہ بڑی مشکل سے راضی ہوئی۔ پھر اس نے بابا کو بھی سمجھایا اور بابا نے پھر مجھے حسن کے سارے کاغذات دیے، اس کا ویزا پاسپورٹ تیار کرایا اور پھر سب کچھ تمہارے سامنے ہے۔" وہ جیسے پرانی باتوں کو یاد کر کے اداس ہوا تھا۔

(حسن نے میڈیکل کے شعبے کا انتخاب کیا۔ وہ نیورو سرجن بن گیا۔ داؤد کو حسن کا یہ فیصلہ پسند نہیں آیا، لیکن جہانگیر کو اس بات کی خوشی ہوئی کہ اس نے وہ انتخاب کیا جو وہ چاہتا تھا۔)

ماہ پارہ خاموشی سے سنتی رہی۔ "تو اس کے ساتھ اکیلے کمرے میں بیٹھنے کی کیا ضرورت تھی؟"

جہانگیر جھنجھلا گیا۔ "یہ سب چھوڑو ناں!" پھر وہ سنجیدگی سے بولا۔ "آگے کا کیا سوچا ہے تم نے؟"

ماہ پارہ نے پانی میں ہاتھ ڈال کر لہریں بناتے ہوئے کہا۔ "ابھی چند مہینے یہاں رہوں گی، پھر واپس لندن جاؤں گی۔"

جہانگیر نے تعجب سے اس کی طرف دیکھا۔

"میں ذاتی زندگی کی بات کر رہا ہوں، ہماری شادی شدہ زندگی کی۔" وہ ہمیشہ صاف گو تھا، اس لیے بغیر کسی جھجک کے کہہ گیا۔

ماہ پارہ کے ہاتھ کا پانی میں چلتا ہوا دائرہ وہیں رک گیا۔ پل بھر میں اس کے رخسار تپنے لگے۔ اس نے نظریں جھکائیں اور بے اختیار اپنے لب کاٹنے لگی۔ وہ اسے کیا جواب دیتی؟ وہ اس پہلو پر سوچنے کو تیار ہی نہیں تھی۔ ازدواجی زندگی اس کی ترجیح نہیں تھی، بلکہ یہی تو وہ سوال تھا جس سے وہ مسلسل فرار اختیار کر رہی تھی۔

NOVEL HUT

"میں چاہتا ہوں کہ تم آگے بڑھو۔ اگر مزید پڑھائی کرنا چاہتی ہو تو بے شک کرو، میں تمہیں کبھی نہیں روکوں گا۔ مجھے یہ حق ہے بھی نہیں۔ لیکن... تم نے کچھ اور بھی تو سوچا ہوگا؟" جہانگیر کی آواز میں اپنائیت تھی، نرمی تھی، مگر ماہ پارہ کے لیے یہی الفاظ بوجھ بن گئے۔

"ہمیں دیر ہو رہی ہے۔"

وہ اچانک ہی کپڑے جھاڑتی ہوئی اٹھی اور رخ موڑ لیا۔

جہانگیر نے اس کی آنکھوں میں الجھن اور گریز کو صاف محسوس کیا، مگر مزید کچھ کہے بغیر جیپ کی طرف بڑھ گیا۔

وہ اس کی خاموشی کو اپنی بے وقعتی سے تعبیر کر رہا تھا۔

کیا وہ واقعی اس کی ترجیحات میں کہیں بھی شامل نہیں تھی؟ جہانگیر کے لیے تو ماہ پارہ ہمیشہ اولین ترجیح رہی تھی، مگر ضروری تو نہیں کہ جسے ہم بے حد چاہیں، وہ بھی ہمیں بے حد چاہیں؟

اس نے پہلے کسی اور جگہ جانے کا سوچا تھا، لیکن حالات اب اس نہج پر پہنچ چکے تھے کہ وہ اس سے براہِ راست کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ اس لیے وہ اسے نور افزا کے پاس لے آیا، شاید ماں سے ملنے کے بعد اس کا مزاج کچھ سنبھل جائے۔

ماہ پارہ پورے راستے خاموش رہی۔ چہرے پر گہری سنجیدگی تھی۔ جہانگیر نے بھی اس کی خاموشی کی تائید کی۔

جہانگیر نے جیپ گھر کے سامنے روکی۔ وہ اسٹیئرنگ وہیل پر گرفت مضبوط کیے خاموش بیٹھا رہا، مگر ماہ پارہ نے ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر دروازہ کھولا اور نیچے اتر آئی۔ اس نے پلٹ کر جہانگیر کی طرف دیکھنے کی بھی زحمت نہیں کی۔

دو تین دستکوں کے بعد دروازہ کھلا۔ سامنے کرامت کھڑا تھا۔ ماہ پارہ کے ضبط کی دیواریں یکدم ٹوٹ گئیں۔ سالوں بعد بھائی کو یوں سامنے دیکھ کر آنسو بے اختیار بہنے لگے۔ کرامت حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اور پھر، وہ بنا کچھ کہے آگے بڑھی اور اس کے سینے سے جا لگی۔ کرامت شل کھڑا رہا۔

NOVEL HUT

جہانگیر نے جیپ گھر کے سامنے روکی۔ وہ اسٹیئرنگ وہیل پر گرفت مضبوط کیے خاموش بیٹھا رہا، مگر ماہ پارہ نے ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر دروازہ کھولا اور نیچے اتر آئی۔ اس نے پلٹ کر جہانگیر کی طرف دیکھنے کی بھی زحمت نہیں کی۔

دو تین دستکوں کے بعد دروازہ کھلا۔ سامنے کرامت کھڑا تھا۔ ماہ پارہ کے ضبط کی دیواریں یکدم ٹوٹ گئیں۔ سالوں بعد بھائی کو یوں سامنے دیکھ کر آنسو بے اختیار بہنے لگے۔ کرامت حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اور پھر، وہ بنا کچھ کہے آگے بڑھی اور اس کے سینے سے جا لگی۔ کرامت شل کھڑا رہا۔ اس کے بازو بے حس و حرکت رہے۔

"بھائی، آپ کو معلوم بھی ہے، میں نے سب سے زیادہ آپ کو یاد کیا ہے۔" وہ روتے ہوئے بولی۔

کرامت نے دھیرے سے اسے خود سے الگ کیا، جیسے تصدیق کرنا چاہتا ہو کہ وہ واقعی اس کے سامنے کھڑی ہے؟

"ماہ پارہ؟" ماہ پارہ نے نم آنکھوں سے مسکرا کر سر ہلایا۔ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ کیا ردعمل ظاہر کرے۔

"تم کیسی ہو؟ میں نے بھی تمہیں بہت یاد کیا۔ دس سال گزر گئے، تم سے اتنا بھی نہ ہوا کہ ایک بار اپنے بھائی سے ملنے چلی آتیں؟" اس کی آواز میں محبت بھی تھی، شکوہ بھی۔

ماہ پارہ نے اس کے ہاتھ تھام لیے، جیسے اسے یقین دلا رہی ہو کہ اب وہ کہیں نہیں جائے گی۔

"اب تو آگئی ہوں نا!"

کرامت نے اس کے آنسو صاف کیے اور اسے اندر لے جانے کا راستہ دیا۔ وہ خود بھی اس کے پیچھے چلنے لگا تھا جب جہانگیر نے دھیرے سے اس کا بازو تھاما۔

"اسے بچوں کے بارے میں مت بتانا۔"

(یہ ایک اور بات تھی جو جہانگیر نے اسے نہیں بتائی تھی۔)

اس نے ہلکی سی اثبات میں سر ہلا دیا اور اسے اندر آنے کا اشارہ دیا۔

گھر کے اندر قدم رکھتے ہی پرانی یادوں کی گرد جھڑنے لگی۔ وہ نظریں دوڑاتی رہی، کسی ایک چہرے کو ڈھونڈ رہی تھی۔ ماں کہیں نظر نہیں آئیں۔ لیکن... کچن میں ہریرہ کھڑی دکھائی دی۔ ماہ پارہ کی سانس جیسے رک گئی۔ بے اختیار قدم آگے بڑھے۔ ہریرہ روٹیاں بنانے میں مصروف تھی۔ قدموں کی آہٹ پر اس نے چونک کر سر اٹھایا۔ پہلے بھنویں الجھیں، پھر نظریں غور سے جمی رہیں۔ اور پھر، جیسے کسی گہرے احساس نے اسے جھنجھوڑا ہو۔

"ماہ پارہ؟!"

لمحے بھر میں چہرے پر بے یقینی کی جگہ خوشی نے لے لی۔ ہریرہ نے ہاتھ جھاڑ کر آگے بڑھ کر اسے مضبوطی سے خود میں بھینچ لیا۔ ماہ پارہ کی آنکھیں جب سے اس گھر میں داخل ہوئی تھیں، تب سے بھیگی ہوئی تھیں۔

"بدتمیز لڑکی! کہاں غائب ہو گئی تھی؟ میں نے تمہیں کتنا یاد کیا! میری خواہش تھی کہ میری شادی میں میری سب سے 'خاص' دوست میرے ساتھ

ہوتی، لیکن تم تب بھی نہیں آئی!" ماہ پارہ بس نم آنکھوں کے ساتھ مسکرا دی۔

"یہ تمہاری آنکھوں کو کیا ہوا؟" ہریرہ نے اس کی سرخ آنکھوں کو غور سے دیکھا۔

یہ پوچھنا تھا کہ جہانگیر فوراً اٹھ کر ان کے قریب آگیا۔

"دکھاؤ، کیا ہوا ہے؟" اس نے فکرمندی سے ماہ پارہ کے کندھے تھامے اور اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"تمہاری آنکھیں تو کچھ زیادہ ہی سرخ ہو رہی ہیں۔" جہانگیر کی آواز میں فکرمندی تھی۔

"کچھ نہیں ہوا ہے، جہانگیر، میں بالکل ٹھیک ہوں۔ بس رونے کی وجہ سے ایسا لگ رہا ہوگا۔"

ماہ پارہ نے نرمی سے اس کے ہاتھ اپنے کندھوں سے ہٹا دیے اور کرامت کی طرف مڑ گئی۔ جہانگیر لب بھینچ کر اسے دیکھتا رہا۔

(آخر وہ اتنی لاپرواہ کیوں ہے؟ اسے تکلیف میں دیکھ کر مجھے تکلیف ہوتی ہے، وہ یہ بات کیوں نہیں سمجھتی؟) اس نے گہری سانس خارج کی اور خاموشی سے پیچھے ہٹ گیا۔

"ملیں گے نہیں مجھ سے؟" کرامت مسکراتے ہوئے آگے بڑھا اور ماہ پارہ کو اپنے سینے سے لگا لیا۔

"بہت یاد کیا میں نے تمہیں۔ بہت!" ماہ پارہ بھی مسکرا دی۔

"اماں کہاں ہیں؟" اس کی نظریں اب بھی بے چینی سے اپنی ماں کو ڈھونڈ رہی تھیں۔

جہانگیر خاموشی سے جا کر چارپائی پر بیٹھ گیا، جیسے خود کو پس منظر میں لے آیا ہو۔

"کسی کام سے باہر گئی ہیں۔ آتے ہوئے وقت لگے گا، شاید رات کو آئیں۔" کرامت نے ماہ پارہ کا ہاتھ تھام کر اسے چارپائی کے پاس لے جاتے ہوئے کہا۔

"ماہ پارہ، میں تجھے تو ایک بات بتانا ہی بھول گئی !" ہریرہ کے لہجے میں جوش تھا۔ جہانگیر نے سر اٹھا کر کرامت کو دیکھا تو وہ اس کے پیچھے فوراً اٹھ کر گیا۔

ماہ پارہ آنکھیں سکیڑ کر نہ سمجھنے والے انداز میں اسے دیکھ رہی تھی۔ "کونسی بات؟"

کرامت فوراً ہریرہ کے قریب پہنچا اور دھیمی آواز میں سرگوشی کی۔

"اسے بچوں کے بارے میں مت بتانا، بلکہ کوئی بھی بات مت کرنا۔ جہانگیر نے منع کیا ہے۔" ہریرہ نے ایک لمحے کے لیے سوچا، پھر سمجھنے والے انداز میں سر ہلا دیا۔

"ہمم..." اس نے چائے کے کپ ٹرے میں رکھے اور صحن میں واپس چلی آئی۔

ماہ پارہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ "اب بتاؤ بھی !"

"پہلے چائے پی لو۔" ہریرہ نے چائے کا کپ اٹھا کر اس کی طرف بڑھایا، پھر جہانگیر کے پاس جا کر اسے بھی چائے دے دی۔ ماہ پارہ نے چائے کا گھونٹ لیا اور بے چینی سے ہریرہ کو دیکھنے لگی۔

"ہاں، تو میں یہ کہہ رہی تھی کہ ۔۔۔میں تم سے ایک بات پوچھنا بھول گئی! " ہریرہ نے چالاکی سے موضوع بدل دیا۔ "یہ بتاؤ، تم کب سے یہاں ہو؟"

"پرسوں سے۔" ماہ پارہ نے چائے کا ایک اور گھونٹ لیا۔

"اور ملنے آج آئی ہو؟ ویری نائس!" ہریرہ نے شرارت سے کہا۔

"میں مصروف تھی۔" ماہ پارہ نے کندھے اچکائے۔ جہانگیر خاموشی سے انہیں دیکھتا رہا۔

NOVEL HUT

بعد میں، ماہ پارہ اور جہانگیر الوداعی کلمات کہہ کر جیپ میں بیٹھ گئے۔ جہانگیر کو اب بھی اس کی فکر ہو رہی تھی، مگر ماہ پارہ بے نیازی سے گاؤں کی سڑکوں کا نظارہ کرنے میں مگن تھی۔ وہ پورے راستے مسکرا رہی تھی، جیسے کسی بوجھ سے

آزاد ہو گئی ہو۔ جہانگیر نے ایک نظر اس پر ڈالی اور اس کے چہرے پر وہ پرانی چمک دیکھ کر خود بھی مسکرا دیا۔

"اب ہم کہاں جا رہے ہیں؟" ماہ پارہ نے مسکراتے ہوئے سوال کیا۔ جہانگیر کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے۔ اس کے لبوں پر بے ساختہ مسکراہٹ آئی۔

"سرپرائز!"

تقریباً دس منٹ کے بعد، وہ اپنی منزل پر پہنچ چکے تھے۔ ماہ پارہ کی سنہری آنکھیں ایک عمارت پر جا ٹھہریں۔ ایک پل کے لیے اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا۔ وہ جو منظر دیکھ رہی تھی، وہ حقیقت تھی یا خواب؟ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں، اور منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"یہ....؟"

اس نے بے یقینی سے عمارت سے نظریں ہٹا کر جہانگیر کی طرف دیکھا، جو مسکرا کر اسی کی جانب دیکھ رہا تھا۔ اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ اس نے

ایسی کونسی نیکی کی تھی جس کے عوض خدا نے اسے جہانگیر جیسا ہمسفر دے دیا؟ اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ جہانگیر جیپ سے اترا، مگر وہ وہیں بیٹھی رہی۔ سامنے، میدان میں کھیلتی لڑکیوں کی ہنسی کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ جہانگیر نے ہاتھ بڑھایا، جو ماہ پارہ نے بے اختیار تھام لیا۔ وہ جیپ سے اتری اور اس کے ساتھ چلنے لگی۔ آنکھوں میں نمی لیے، وہ ہر منظر کو دل میں بساتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔

سرسبز و شاداب کھیتوں اور اونچے ڈولتے درختوں کے درمیان ایک خوبصورت عمارت کھڑی تھی۔ بڑی بڑی کھڑکیوں والی سبز اینٹوں سے بنی یہ عمارت، داخلی دروازے پر سجے رنگ برنگے پھول، کشادہ کھیل کا میدان۔ جس میں جھولے، سلائیڈز اور باسکٹ بال کورٹ تھے۔ سب کچھ کسی خواب کی مانند لگ رہا تھا۔

جہانگیر مسکراتا ہوا اسے اندر لے آیا۔ چھوٹے چھوٹے میزوں اور کرسیوں سے بھرے، صاف ستھرے کلاس رومز تھے۔ دیواروں پر طلبہ کے تیار کردہ

تعلیمی پوسٹرز اور آرٹ ورک آویزاں تھے۔ یہاں صرف لڑکیاں تھیں۔ ماہ پارہ کی گرفت جہانگیر کے ہاتھ پر مضبوط ہوگئی۔ اس کے بھیگی آنکھوں میں شکرگزاری کی چمک تھی۔ وہ جہانگیر کی طرف رشک بھری نگاہ سے دیکھنے لگی۔

"کیسا لگا؟" جہانگیر نے اسے بینچ کے قریب لے جا کر پوچھا۔ ماہ پارہ نے مسکراتے ہوئے سر جھکا لیا۔

"کیا الفاظ یہ بیان کر سکتے ہیں کہ میں کیسا محسوس کر رہی ہوں؟" جہانگیر کے لبوں پر مسکراہٹ گہری ہوگئی۔

"ابھی ایک اور سرپرائز باقی ہے۔" وہ بینچ پر بیٹھ کر ایک ٹانگ دوسری پر رکھی، اور پشت پر ہاتھ پھیلائے آرام سے بولا۔

"کیا؟ بتائیں ناں!" ماہ پارہ نے بے چینی سے پوچھا۔ جہانگیر نے نفی میں سر ہلایا۔

"ابھی نہیں، تھوڑا انتظار کرو۔" ماہ پارہ ضد کرتی رہی، لیکن وہ مسکراتا رہا۔

وہ گھٹنے ملائے بینچ پر بیٹھی تھی۔ اس کی آنکھوں کی سرخی اب قدرے کم ہو چکی تھی، مگر سورج کی روشنی میں اس کی سنہری آنکھیں چمک رہی تھیں۔ جہانگیر سکون سے ارد گرد دیکھ رہا تھا، جب اچانک ایک ننھی سی لڑکی اسکول کے اندرونی حصے سے باہر نکلی۔ وہ اپنے لنچ باکس کو ہاتھ میں پکڑے گنگنا رہی تھی۔ اس کے دو چوٹیاں بنائی گئی تھیں، اور وہ اسکول یونیفارم میں بہت پیاری لگ رہی تھی۔ وہ چلتی چلتی رُک گئی۔ پہلے اس کی نظریں جہانگیر پر گئیں، پھر ماہ پارہ پر۔ اور وہ ٹھہر گئی۔ اس کے دماغ میں جہانگیر کی باتیں گونجنے لگیں۔

"سنہری آنکھوں والی خوبصورت پری، جسے دیکھ کر ہی سمجھ جاؤ گی کہ یہی تمہاری پھوپھو ہے۔ اس کی آنکھیں جب دھوپ میں چمکتی ہیں تو اور خوبصورت لگتی ہیں۔ اس کی آواز سنو گی تو کسی اور کی آواز سننے کا دل ہی نہیں چاہے گا۔ وہ جب تمہارا نام لے گی تو ایسا لگے گا کہ اس نے تم پر جادو کر دیا ہے۔ وہ لفظوں اور آنکھوں سے جادو کرتی ہے، اس سے بچ کر رہنا !"

میرب کے ہونٹوں سے بے اختیار یہی الفاظ سرگوشی کی صورت میں ادا ہوئے۔وہ ایک پل کھڑی رہی، پھر دھیرے دھیرے چلتی ہوئی آگے آئی۔ جہانگیر نے ہاتھ کے اشارے سے اسے بلایا۔

ماہ پارہ نے ننھی پری کو اپنی طرف آتے دیکھا، اور بے اختیار مسکرا دی۔ میرب بینچ کے قریب آکر رکی، اور بغیر کچھ کہے، اپنا لنچ باکس جہانگیر کے ہاتھ میں تھما دیا۔ ماہ پارہ اٹھ کر گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی۔ ابھی وہ اس کے گال کھینچتی، کہ میرب نے خود آگے بڑھ کر اس کے گلے میں بازو ڈال دیے۔ ماہ پارہ حیرت میں گم، ساکت رہ گئی۔ پھر آہستہ آہستہ، اس نے بھی میرب کو اپنے بازوؤں میں بھر لیا۔ پانچ منٹ تک وہ یونہی ماہ پارہ کے گلے لگی رہی۔ پھر آہستہ سے پیچھے ہوئی، لیکن اس کے بازو اب بھی ماہ پارہ کے گرد تھے۔

میرب نے اپنے چھوٹے ہاتھوں سے اس کے گالوں کو تھاما، اور نرمی سے چوما۔ ماہ پارہ حیرت سے اسے دیکھتی رہ گئی۔ جہانگیر مسکراتے ہوئے یہ سب دیکھ رہا تھا۔

"السلام علیکم، پھوپھو۔ کیسی ہیں آپ؟ آخر کار آپ نے جہانگیر انکل پر رحم کر ہی دیا، لیکن آپ نے بہت دیر لگا دی!" میرب کی معصومیت سے لبریز آواز سن کر جہانگیر نے سر پکڑ لیا۔ (اوہ یہ لڑکی!)

ماہ پارہ کے بھنویں حیرت سے سکڑ گئیں۔ "پھوپھو؟ میں؟"

میرب نے زور سے سر ہلایا۔ ماہ پارہ نے غصے بھری نظروں سے جہانگیر کو دیکھا۔

"لیکن مجھے تو کسی نے بتایا نہیں!" وہ اداسی سے بولی۔

"آپ کو یہ بھی نہیں پتا ہوگا کہ میرا ایک دو سال کا شرارتی، بدتمیز بھائی بھی ہے!" ماہ پارہ نے نفی میں سر ہلایا۔

اس کے گال پر دو آنسو لڑھک گئے۔ "تمہارے جہانگیر انکل بہت برے ہیں! وہ مجھے کچھ نہیں بتاتے! بہت برے ہیں!"

جہانگیر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ "لو، ہو گئی دوبارہ ناراض!"

میرب نے اس کے گالوں سے آنسو پونچھے۔ "اوہ پھوپھو، ڈونٹ کرائے !"

ماہ پارہ نے اسے گود میں اٹھا لیا، اور بینچ پر بیٹھ گئ۔

"اور کچھ ؟ ابھی بتا دیں۔"

"ایک آخری سرپرائز ابھی باقی ہے، لیکن وہ میں آج نہیں، کل دکھاؤں گا۔"

جہانگیر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

ماہ پارہ نے سرد مہری سے رخ موڑ لیا۔ "میں آپ سے بات نہیں کر رہی۔"

جہانگیر نے ہلکی سرگوشی میں کہا۔ "میں معذرت چاہتا ہوں کہ میں نے تم سے اتنی باتیں چھپائیں۔"

ماہ پارہ نے آنکھیں سکیڑ کر اسے گھورا، مگر کچھ بولی نہیں۔ وہ میرب سے باتوں میں مصروف ہوگئ، جبکہ جہانگیر مسکراتے ہوئے اسے دیکھتا رہا۔

میرب کے ساتھ وقت گزارنے کے بعد، وہ اسے اس کے گھر چھوڑنے گئے۔ ماہ پارہ کی ناراضی ابھی باقی تھی، خاص طور پر ہریرہ سے۔ واپسی پر وہ کبیر سے بھی ملی، اور نور افزا، جو خلاف توقع جلدی آگئ تھیں، نے ماہ پارہ کو دیکھتے

ہی اسے اپنے گلے لگا لیا۔ ان کی آنکھوں میں آنسو تھے، اور ان کا چہرہ جذبات سے بھیگ چکا تھا۔

ماہ پارہ نے ان سے طویل گفتگو کی۔ وہ دس سال کہاں رہی، کیسے گزرا اس کا وقت، کیسے حیدر اور یاسمین نے اس کا خیال رکھا، وہ کس طرح ڈاکٹر بنی، کن لوگوں کو یاد کیا، کن لمحوں کو سنبھال کر رکھا۔ اس نے سب کچھ تفصیل سے بیان کیا، جیسے وہ برسوں کا بوجھ اتار رہی ہو۔

گھر واپسی کا وقت قریب آیا تو دونوں روانہ ہونے لگے۔ رائین گھر میں اکیلی تھی، اور چونکہ وہ وہاں کسی کو زیادہ جانتی نہیں تھی، اس لیے انہیں جلدی پہنچنا تھا۔ جہانگیر نے ڈرائیونگ کرتے ہوئے ایک نظر ماہ پارہ پر ڈالی، جو کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر ایک سکون تھا۔

* * * * * *

حویلی ویسے ہی ویران تھی۔ دو بیٹوں کی موجودگی کے باوجود ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے یہاں صرف بوڑھے ماں باپ رہتے ہوں۔ گاؤں کی ساری ذمہ داری داؤد علوی نے سنبھال لی تھی، اور اس وقت وہ ڈیرے پر موجود تھے۔

اینہ لاونج میں بیٹھی ہوئی تھیں، گہری اداسی ان کے چہرے سے عیاں تھی۔ اتنے میں سیف سیڑھیاں اترتا دکھائی دیا۔ اینہ کی آنکھیں چمک اٹھیں، وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئیں اور اس تک آئیں۔

"سیف بیٹا، میں سوچ رہی تھی کہ کل گھر پر ایک چھوٹی سی دعوت رکھیں۔" ان کے لہجے میں امید تھی۔

سیف نے محبت سے ان کے کندھوں پر ہاتھ رکھا۔ "ممی، جیسا آپ چاہیں، ویسا کریں۔ جو آپ کو خوشی دے، وہی بہتر ہے۔"

اینہ کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھری، مگر پھر فوراً وہی فکرمندی لوٹ آئی۔ "لیکن جہانگیر؟"

"وہ آجائے گا، ممی۔ آپ فکر مت کریں۔" وہ ان کے ساتھ چلتے ہوئے صوفے تک آیا اور نرمی سے بولا۔ "وہ تو ماہ پارہ کو بھی لے آئے گا۔"

اینہ نے ناگواری سے رخ موڑ لیا۔ "وہ یا تو میرے بیٹے کا پیچھا چھوڑ دے یا اس کے ساتھ اپنا رشتہ آگے بڑھائے۔ میرا بیٹا اس کے پیچھے برباد ہو رہا ہے!" ان کی آواز میں بے بسی اور درد تھا۔

اسی لمحے ماہ پارہ، جہانگیر کے ساتھ اندر داخل ہو رہی تھی۔ اس نے یہ تمام باتیں سن لی تھیں۔ اس کی نظریں فوراً جہانگیر کی طرف اٹھیں، جو اسے آنکھوں ہی آنکھوں میں تسلی دینے لگا۔ وہ پھر سے وہی باتیں سن کر تھک چکی تھی۔ کہ اس کی وجہ سے جہانگیر کی زندگی برباد ہو رہی ہے۔

"ممی، رہنے دیں نا۔ وہ جیسے بھی جی رہے ہیں، کم از کم خوش تو ہیں۔" سیف نے لاپرواہی سے صوفے کے پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے کہا۔

جہانگیر نے گہری سانس لی۔ "ماں سا، سیف ٹھیک کہہ رہا ہے۔ میرے اور ماہ پارہ کے درمیان ایسا کیا ہے جو آپ کو ٹھیک نہیں لگ رہا؟" وہ ماہ پارہ کا ہاتھ تھامے ان کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

امینہ نے نگاہوں میں سختی لا کر اسے دیکھا، پھر آگے بڑھیں۔ "اچھا، تو پھر یہ دو دن آرام سے گھر پر کیوں نہیں بیٹھتی؟ اگر یہ اس گھر کی بہو ہے تو بہو بن کر دکھائے!"

"ممی، وہ اپنا کام۔۔۔"

"نہیں! میں یہ سب نہیں سننا چاہتی۔" انہوں نے انگلی اٹھا کر سخت لہجے میں کہا۔ "کل ہمارے کچھ خاص مہمان آرہے ہیں، اور میں چاہتی ہوں کہ ان کے استقبال اور انتظامات کی ذمہ داری تمہاری بیوی سنبھالے۔ سب کو بھی پتہ چلے کہ بڑا بھائی شادی شدہ ہے، تبھی ہم دوسرے کی بات پکی کر رہے ہیں۔"

جہانگیر کے چہرے پر حیرت کے آثار نمایاں ہو گئے۔ "کیا؟ بات پکی؟ کس کی؟ اور یہ آپ ابھی، ایک دن پہلے بتا رہی ہیں؟"

سیف بھی حیران رہ گیا۔ "ممی، بھائی کی بات کل پکی ہو رہی ہے؟ پہلے بتا دیتیں، میں اپنے کام دیکھ لیتا!"

اینہ نے بے نیازی سے شانے جھٹک دیے۔ "میں نے اس سے پہلے ہی اس بارے میں بات کر لی تھی۔ وہ کل آرہا ہے اور اس نے حامی بھی بھر لی ہے۔"

جہانگیر نے کچھ بولنے کے لیے لب کھولے، مگر اینہ نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا۔ "اور اس سب کا انتظام گھر کی بڑی بہو کرے گی، تو بہتر ہوگا۔"

جہانگیر نے گہری سانس لی اور ماہ پارہ کے ہاتھ پر اپنی گرفت مضبوط کر دی۔ "ٹھیک ہے، کوئی مسئلہ نہیں۔ وہ سب کر لے گی۔"

ماہ پارہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔ اس کے دل میں ایک اضطراب سا پھیل گیا۔ وہ جانتی تھی کہ وہ یہ سب نہیں کر سکتی۔

اینہ ایک سخت نظر ماہ پارہ پر ڈال کر اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ سیف نے کندھے اچکائے، پھر سر جھٹک کر باہر نکل گیا۔ اب وہ کیا ہی کہتا؟

ماہ پارہ نے جہانگیر کو گھور کر دیکھا، ہاتھ جھٹک کر آزاد کروایا اور سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ وہ اندر ہی اندر غصے سے بھری ہوئی تھی۔

جہانگیر نے بے بسی سے سر جھٹکا اور اس کے پیچھے چل دیا۔ وہ اسے ناراض نہیں کر سکتا تھا۔ پہلے ہی وہ اپنی ماں اور بیوی کے درمیان بری طرح پس چکا تھا۔

ماہ پارہ نے اپنے کمرے کا دروازہ کھولا ہی تھا کہ جہانگیر نے اس کی کلائی تھام کر اسے روک لیا اور بنا کچھ کہے اسے سیف کے کمرے میں لے آیا۔

"خاموشی سے میری بات سنو گی؟" وہ اسے اپنے سامنے کھڑا کر کے بولا۔

ماہ پارہ نے ضبط سے لب بھینچ لیے۔ "آپ اپنی ماں سا کو انکار کر سکتے تھے، مگر آپ نے ایسا نہیں کیا! کیونکہ آپ چاہتے ہیں کہ سب میرا مذاق اڑائیں کہ دیکھو، جہانگیر کی بیوی کو کچھ نہیں آتا!"

جہانگیر ایک قدم آگے بڑھا، آنکھوں میں نرمی تھی۔ "میں کبھی نہیں چاہوں گا کہ میری بیوی کا کوئی مذاق اڑائے۔" اس کے لہجے میں یقین تھا۔

"لیکن جب کل میں کچھ بنا ہی نہیں پاؤں گی، تو لوگ کیا کہیں گے۔۔۔؟"

"شش !" جہانگیر نے انگلی ہونٹوں پر رکھ کر اسے چپ کرایا۔ "کوئی کچھ نہیں کہے گا، کیونکہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ کل بھی، آج بھی، اور ہمیشہ رہوں گا۔ میرے ہوتے تمہیں بالکل بھی فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔"

ماہ پارہ کی آنکھیں نم ہوگئیں، مگر اس بار ان میں شکوہ نہیں تھا۔ وہ مسکرا دی۔ "شکریہ، جہانگیر۔" وہ مدھم سرگوشی میں بولی، اور بے ساختہ اس کے گرد بازو حمائل کر دیے۔

جہانگیر لمحے بھر کے لیے شاکڈ رہ گیا۔ وہ شاید یہ توقع نہیں کر رہا تھا۔

ماہ پارہ نے آنکھیں بند کر کے سرگوشی کی۔ "آپ نے شروع سے لے کر آج تک میرے لیے جو کچھ کیا ہے، وہ شاید کوئی اور کرتا، یا شاید نہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ کوئی اور کر ہی نہیں سکتا تھا۔ میں بہت خوش نصیب ہوں کہ مجھے آپ جیسا ہمسفر ملا۔"

NOVEL HUT

جہانگیر اسے حیرت سے دیکھ رہا تھا، مگر اس کے چہرے پر ایک مطمئن مسکراہٹ تھی۔ "تمہارے لیے کچھ بھی۔" وہ بس اتنا ہی کہہ سکا۔

ماہ پارہ پیچھے ہٹی، اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ہنوز برقرار تھی۔ جہانگیر نے اس کا ہاتھ تھاما، لبوں سے لگایا، چند ثانیے وہیں رکھا، اور پھر خاموشی سے پیچھے ہٹ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

ماہ پارہ بھی اپنی مسکراہٹ کے ساتھ اپنے کمرے میں چلی گئی۔

*****

حویلی کی خاموش فضا میں اگر کسی کمرے کی طرف نظر دوڑائی جائے تو ماہ پارہ جائے نماز تہہ کر کے اپنی جگہ پر رکھ رہی تھی۔ صبح کی تازگی اس کے چہرے پر پھیلی ہوئی تھی۔

رامین بھی جاگ چکی تھی اور اس وقت باغ میں کھڑی پودوں کا مشاہدہ کر رہی تھی۔ جہانگیر واک کے لیے باہر جا چکا تھا۔

NOVEL HUT

ماہ پارہ جب نیچے آئی تو اسے حیرت ہوئی کہ گھر میں کوئی ملازمہ نظر نہیں آرہی تھی۔ وہ چند لمحے سوچتی رہی، پھر باہر نکلی، جہاں ڈرائیور داؤد کی گاڑی صاف کر رہا تھا۔ وہ اس کے قریب آئی۔

"آج گھر میں کوئی ملازمہ نظر نہیں آرہی، کیوں؟" ماہ پارہ نے استفسار کیا۔

ڈرائیور کا ہاتھ گاڑی صاف کرتے کرتے رک گیا۔ وہ قدرے ہچکچاہٹ کے ساتھ بولا۔ "بی بی جی، بڑی بی بی نے سب ملازمین کو آج نہ آنے کا کہہ دیا ہے۔"

ماہ پارہ کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ گو کہ وہ سمجھ چکی تھی کہ ایسا کیوں ہوا، پھر بھی اس نے پوچھا۔ "تمہیں معلوم ہے ایسا کیوں کہا؟"

"نہیں بی بی جی، ہم کچھ نہیں جانتے۔ میں بھی بس ابھی جا رہا ہوں۔" وہ نظریں چراتے ہوئے بولا اور دوبارہ گاڑی پر کپڑا پھیرنے لگا۔

ماہ پارہ گہری سوچ میں پڑ گئی۔ کیا واقعی اب سارا انتظام اسے خود سنبھالنا تھا؟ وہ ایک پل کو الجھن میں مبتلا ہو گئی۔

اسی لمحے حویلی کے بیرونی دروازے سے جہانگیر اندر داخل ہوا۔ وہ سرمئی ٹریک سوٹ میں ملبوس تھا، ہاتھ میں بندھی گھڑی پر ایک نظر ڈال کر اس نے ماہ پارہ کے پریشان چہرے کو بغور دیکھا اور فوراً اس کے قریب آگیا۔

"پریشان لگ رہی ہو؟" اس نے نرمی سے پوچھا۔

ماہ پارہ نے سر ہلایا۔ "آنٹی نے آج تمام ملازمین کی چھٹی کر دی ہے، اب سارے انتظامات مجھے ہی سنبھالنے ہوں گے۔"

جہانگیر ہلکا سا مسکرایا۔ "جب میں کہتا ہوں کہ میں تمہارے ساتھ ہوں، تو پھر فکر کیسی؟"

آسمان پر ہلکی نیلگوں روشنی پھیل چکی تھی۔ پرندے چہچہاتے ہوئے ادھر اُدھر اُڑ رہے تھے۔ ابھی وہ بات کر ہی رہے تھے کہ راین مسکراتی ہوئی ان کی طرف آتی دکھائی دی۔ اس کے ہاتھ میں دو سرخ گلاب تھے۔ وہ نیلی جینز اور ہلکی فراک میں تھی، ماتھے پر کٹے بال بکھرے ہوئے، اور چہرے پر ہمیشہ کی طرح چمکدار مسکراہٹ تھی۔

جہانگیر اور ماہ پارہ نے اسے خوش دلی سے دیکھا۔

"یہ پھول میرے پھول کے لیے۔" اس نے شوخی سے کہتے ہوئے ماہ پارہ کو گلاب تھمایا، پھر دوسرا پھول جہانگیر کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔ "اور یہ آپ کے لیے، جہانگیر بھائی۔"

"شکریہ میری جان۔" ماہ پارہ نے مسکراتے ہوئے اس کے گال پر ہاتھ پھیرا۔

جہانگیر نے شرارت سے پوچھا۔ "کیا میں بھی یہ پھول اپنی پھول کو دے سکتا ہوں؟ تم ناراض تو نہیں ہوگی؟"

رامین نے ہنسی دباتے ہوئے نفی میں سر ہلایا، جبکہ ماہ پارہ کا چہرہ گلاب کی طرح سرخ پڑ گیا۔ جہانگیر مسکرایا اور گلاب کا پھول ماہ پارہ کی طرف بڑھا دیا۔

ماہ پارہ نے نظریں جھکائے ہوئے نرمی سے پھول لے لیا۔

"رامین، ناشتہ کرو گی؟" جہانگیر نے اس سے نظریں ہٹا کر رامین سے پوچھا۔

رامین نے فوراً اثبات میں سر ہلایا، تو وہ دونوں اسے لے کر اندر چلے گئے۔

وہ لوگ ناشتہ ختم کر چکے تھے۔ رامین نے برتن سمیٹ کر کچن میں رکھے، اور ماہ پارہ کلینک کے انتظامات دیکھنے جا چکی تھی۔ جہانگیر لاؤنج میں آیا اور صوفے پر بیٹھ گیا۔ رامین بھی وہیں موجود تھی، اپنی کتاب میں محو۔ جہانگیر نے چشمہ لگایا اور کتاب کے اوراق پلٹنے لگا۔

اتنے میں داؤد اور اینہ ناشتے کے لیے آئے۔ اینہ نے رک کر ان سے ناشتہ کرنے کا پوچھا، مگر دونوں نے انکار میں سر ہلا دیا۔ وہ خود اور داؤد کے لیے ناشتہ بنانے لگی۔

سیف اور رنزہ زیادہ تر شہر میں ہی رہتے تھے۔ سیف اپنے کاروبار میں مصروف، اور رنزہ کالج کی الجھنوں میں گھری ہوئی۔ اس وقت بھی وہ دونوں شہر میں موجود تھے۔ داؤد ناشتہ ختم کر کے ڈیرے چلا گیا، اور اینہ اپنی دوست کی عیادت کے لیے روانہ ہو گئی۔

رامین بھی کچھ دیر بعد اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ لاؤنج میں خاموشی پھیل گئی۔ جہانگیر کتاب بند کر کے میز پر رکھ چکا تھا اور بے مقصد خلا میں گھور رہا تھا۔

اسی لمحے زائشہ اندر داخل ہوئی۔ اس کی موجودگی نے یکدم فضا میں بوجھل پن گھول دیا۔ جہانگیر نے اسے دیکھ کر مٹھیاں بھینچ لیں۔ وہ یہاں آتی تو تھی، مگر اس وقت گھر میں کسی بڑے کی غیر موجودگی میں اس کا یوں آنا، جہانگیر کو سخت ناگوار گزرا۔

"کیسے ہو، جہانگیر؟" وہ ایک ٹانگ دوسری پر چڑھائے صوفے پر بیٹھی۔

"گھر پر کوئی نہیں ہے، تمہیں یہاں سے چلے جانا چاہیے۔" جہانگیر کی آواز سخت تھی۔

"میں تو تمہاری خیریت پوچھنے آئی ہوں، گھر والوں کی نہیں۔" اس نے کندھے اچکائے، جیسے جہانگیر کی ناگواری سے کوئی فرق نہیں پڑا۔

"کیا مسئلہ ہے تمہارے ساتھ؟" وہ جھنجھلا اٹھا۔

"سنا ہے، تمہاری بیوی آگئی ہے؟" وہ مسکراہٹ دبائے پوچھ رہی تھی۔

جہانگیر کی آنکھیں مزید سخت ہو گئیں۔ "ہاں، اور اس سے دس فٹ دور رہنا۔ ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔"

"افوہ، کیا ہوگیا ہے جہانگیر؟ شادی کے بعد تو تمہارے تیور ہی بدل گئے۔" وہ مصنوعی خفگی سے بولی۔

"فلحال یہاں سے چلی جاؤ، بعد میں آجانا۔" جہانگیر نے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

"چائے ناشتے کا نہیں پوچھو گے؟" وہ بے شرمی سے مسکرائی۔

جہانگیر کا ضبط جواب دے گیا۔ "میں نے کہا، یہاں سے نکل جاؤ، زائشہ!"

لیکن زائشہ کے چہرے پر کوئی گھبراہٹ نہیں آئی۔ اس کے ہونٹوں پر ایک معنی خیز مسکراہٹ ابھری اور وہ اٹھ کر جہانگیر کے قریب آگئی۔ پھر ایک لمحے میں سب کچھ بدل گیا۔ زائشہ نے اس کے گلے میں بازو ڈال دیا۔

جہانگیر کا دماغ سن ہو گیا۔ سب کچھ اتنا اچانک ہوا کہ وہ چند سیکنڈ کے لیے ساکت رہ گیا، مگر پھر فوراً ہوش میں آکر اس نے زائشہ کو جھٹکے سے دور دھکیل دیا۔ تبھی دروازے پر کھڑی ماہ پارہ سب دیکھ چکی تھی۔

جہانگیر کی پشت اس کی طرف تھی، لیکن زائشہ کے چہرے پر پھیلی جیت کی خوشبو اس بات کی گواہ تھی کہ اس نے یہ سب جان بوجھ کر کیا تھا۔

"تمہارے ساتھ وقت گزار کر بہت اچھا لگا، جہانگیر۔ سی یو سون۔" زائشہ کے لبوں پر ایک زہریلی مسکراہٹ تھی۔ جاتے جاتے اس نے ماہ پارہ کی طرف ایک نظر ڈالی، اور پھر باہر نکل گئی۔

جہانگیر نے پلٹ کر ماہ پارہ کی جانب دیکھا، اور ٹھہر گیا۔

اس کے چہرے پر خاموشی تھی۔ آنکھوں میں اشتعال ضرور تھا، مگر لب مقفل تھے۔ وہ کچھ نہیں کہہ رہی تھی، بس کھڑی تھی۔

(تو اس نے جان بوجھ کر ماہ پارہ کو دیکھ کر یہ سب کیا؟) وہ شل کھڑا رہا۔ اب وہ کن الفاظوں میں اسے سمجھائے کہ اس کی غلطی نہیں تھی۔

NOVEL HUT

جہانگیر کا دل ڈوبنے لگا۔

"وہ خود آئی تھی... میں نے... میں نے اسے کہا کہ..." وہ بری طرح گھبرا گیا تھا۔ الفاظ الجھنے لگے۔

ماہ پارہ نے دکھ بھری نظروں سے اسے دیکھا اور نفی میں سر ہلاتے ہوئے سیڑھیاں چڑھنے لگی۔

جہانگیر کے اندر ہلچل مچ گئی۔ وہ فوراً اس کے پیچھے بھاگا۔ ماہ پارہ کمرے میں آ کر الماری کے سامنے رک گئی۔ پٹ کھولا اور کپڑے نکالنے لگی۔

جہانگیر آہستہ آہستہ اس کے قریب آیا۔ "میری بات تحمل سے سنو گی؟"

"نہیں۔" فوراً انکار۔

جہانگیر کا دل ڈوب گیا۔ ماہ پارہ کپڑے نکالنے کے بعد پلٹی ہی تھی کہ اس کا وجود جہانگیر سے ٹکرا گیا۔ وہ بے حد قریب کھڑا تھا۔

"ذرا پیچھے ہٹیں !" وہ خفگی سے بولی۔ وہ ہینگر سے کپڑے نکالنے لگی۔ "مجھے معلوم ہے کہ قصور آپ کا نہیں، پھر آپ خود کو شرمندہ کیوں کر رہے ہیں؟"

"اگر تمہیں معلوم ہے کہ میری غلطی نہیں، تو پھر کیوں منہ پھیر کر آئی؟"

ماہ پارہ رک گئی۔ وہ کپڑے تہہ کر کے بازو میں ڈالے، اس کے بالکل سامنے آکھڑی ہوئی۔

"کیونکہ 'آپ' کو مجھ پر یقین نہیں تھا۔" جہانگیر خاموش ہو گیا۔ "میں آپ کو ایسی لگتی ہوں کہ آپ پر شک کروں گی؟"

یہ کہہ کر وہ جیسے ہی واش روم کی طرف بڑھی، جہانگیر نے فوراً اس کی کلائی تھام لی۔ دو قدم کا فاصلہ پل میں مٹ گیا، اور وہ نرمی سے اسے اپنے قریب لے آیا۔ اس کی ٹھوڑی ماہ پارہ کے کندھے پر ٹک گئی، اور اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھ میں تھام کر ہلکے سے دبایا۔ ماہ پارہ کا سانس گویا رک سا گیا۔ اس کی پلکیں لرزنے لگیں۔

جہانگیر نے گہری سانس لی اور دھیمے لہجے میں بولا۔ "میں ڈر گیا تھا... اگر تم مجھ پر شک کرتیں اور مجھے چھوڑنے کا کہتیں تو؟"

ماہ پارہ کی اٹکی ہوئی سانس بحال ہوئی۔ اس نے نرمی سے مسکرا کر کہا۔ "کم از کم کسی لڑکی کے معاملے میں، میں آپ پر کبھی شک نہیں کر سکتی۔"

جہانگیر کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ "واقعی؟"

"بالکل! کیونکہ آپ کی عمر زیادہ ہو گئی ہے۔ میرے علاوہ کسی نے ویسے بھی آپ کو منہ نہیں لگانا۔ زیادہ سے زیادہ لڑکیاں فلرٹ کریں گی، لیکن اس سے آگے نہیں بڑھیں گی۔"

جہانگیر کی مسکراہٹ ایک لمحے میں غائب ہو گئی۔ آنکھوں میں خفگی در آئی۔

"میری عمر اتنی بھی زیادہ نہیں ہوئی!" اس نے برا مانتے ہوئے کہا۔

ماہ پارہ کو لگا کہ اب وہ اسے چھوڑ دے گا، مگر جہانگیر کی گرفت ویسی ہی مضبوط رہی۔

"اچھا، چھوڑیں مجھے!" اس نے مزاحمت کی کوشش کی، مگر بے سود۔

"پکی بات؟ میرے قریب آنا اچھا نہیں لگتا؟" جہانگیر کے انداز میں غیر معمولی سنجیدگی تھی۔

ماہ پارہ پل بھر کو ٹھٹک گئی۔ "میرا... وہ..." وہ الجھ گئی، سمجھ نہیں آیا کہ کیا کہے۔

جہانگیر نے آہستہ سے اپنی ٹھوڑی اس کے کندھے سے ہٹائی، اس کا ہاتھ چھوڑا، اور دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔ ماہ پارہ نے پلٹ کر اسے دیکھا۔ وہ مسکرا رہا تھا، جیسے اسے کوئی گلہ نہ ہو، جیسے وہ اسے آزما رہا ہو۔ ماہ پارہ گہری سوچ میں پڑ گئی۔ آخر کوئی اتنا اچھا کیسے ہو سکتا ہے؟ اس بار ماہ پارہ نے خود دو قدم کا فاصلہ مٹایا۔

اس نے اپنی سنہری آنکھوں سے جہانگیر کو دیکھا، پھر نرمی سے اس کا دائیاں ہاتھ تھاما اور اپنی ہتھیلی اس پر رکھ دی۔ جہانگیر ایک بار پھر ان آنکھوں میں کھو گیا۔

پھر وہی جادو، پھر وہی سحر... جیسے وہ اسے ہپناٹائز کر رہی ہو۔

"میں کہیں نہیں جا رہی۔ میں یہیں ہوں، آپ کے پاس... ہمیشہ۔" ماہ پارہ کے لہجے میں بلا کا یقین تھا۔

جہانگیر کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔ وہ لمحہ ٹھہر سا گیا۔ اچانک مطالعہ خانہ کا دروازہ کھلا۔ ماہ پارہ اور جہانگیر چونک کر پیچھے مڑے۔ رامین ہاتھ میں دو کتابیں لیے اندر آئی تھی، اس کی نظریں کتاب پر تھیں۔ ماہ پارہ سنبھلی اور پھر فریش ہونے چلی گئی۔

******

جب تک وہ فریش ہوتی، جہانگیر کچن میں چلا گیا۔ اس نے ماہ پارہ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اس کی مدد کرے گا۔ وہ آدھا کام خود کرنے اور باقی ماہ پارہ پر چھوڑنے کا سوچ رہا تھا، لیکن وہ صرف سوچ ہی سکتا تھا۔

ماہ پارہ بھی فریش ہو کر نیچے آگئی تھی۔ گھٹنوں تک آتی قمیض کے ساتھ اس نے ڈھیلا ڈھالا پاجامہ پہن رکھا تھا۔ بالوں کو جوڑے میں باندھ کر وہ سیڑھیاں اترنے لگی۔

رامین، جہانگیر کو مزے سے کھانا پکاتے دیکھ رہی تھی۔ وہ دونوں ہلکی پھلکی باتیں بھی کر رہے تھے۔ ماہ پارہ چوکھٹ پر آکر کھڑی ہو گئی۔ وہ منظر دیکھ کر اس کی آنکھوں کے سامنے ایک اور منظر چلنے لگا، جہاں وہ یوں ہی کچن کے سلیب سے ٹیک لگا کر، سینے پر بازو باندھے، جہانگیر کو کھانا پکاتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ وہ مسکرائی۔ اس کی سنہری آنکھیں بھی مسکرا رہی تھیں۔

"آپی، آپ وہاں کیا کھڑی ہیں؟ ادھر آئیں اور دیکھیں جہانگیر بھائی کھانا پکاتے ہوئے کتنے اچھے لگ رہے ہیں!" رامین نے اسے دروازے پر ہی کھڑا پا کر کہا۔

جہانگیر مسکرایا۔ "میں نے تمہارا سارا کام کر لیا ہے، بس کھانا پکانا باقی ہے، وہ تم شام کو کر لینا۔" وہ کپڑے سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے پیچھے ہٹ گیا۔

"مگر... مجھے کھانا پکانا ہی تو نہیں آتا۔" اس نے تھوک نگلا۔

"کیا؟ تمہیں کھانا پکانا نہیں آتا؟" وہ چونک گیا۔ "کیا تم نے وہاں جا کر بھی کھانا بنانا نہیں سیکھا؟"

"کیا آپ نے وہاں مجھے... کھانا بنانے کے لیے بھیجا تھا یا پڑھائی کے لیے؟" اس نے مدافعانہ انداز میں کہا۔

"ظاہر ہے، پڑھنے کے لیے بھیجا تھا۔" اس کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑے۔

"لیکن تم کھانا بنانا بھی تو سیکھ سکتی تھیں۔" اب کی بار اس کا لہجہ دھیما تھا۔

وہ چلتی ہوئی اس کے سامنے آکھڑی ہوئی۔

"رامین سے پوچھ لیں، یاسمین بھابھی مجھے کچن میں قدم رکھنے بھی نہیں دیتی تھیں، کہاں میں کھانا بناتی!" اس نے سر جھٹکا۔ وہ ناراض ہو رہی تھی۔

"تو اب یہ مجھے کرنا ہوگا؟" جہانگیر نے تھکے ہوئے انداز میں سینے پر بازو باندھتے ہوئے پوچھا۔

"جی، بالکل!" ماہ پارہ نے بھی سینے پر بازو باندھ لیے۔ "یہ کل کون کہہ رہا تھا کہ میرے ہوتے ہوئے مجھے کسی چیز کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں؟"

رامین لب بھینچے ان کی نوک جھونک دیکھ رہی تھی۔

"ٹھیک ہے، مجھے کوئی مسئلہ نہیں۔" جہانگیر نے کندھے اچکائے۔

"چلو رامین، ہم بازار جاتے ہیں۔ رات کو پہننے کے لیے مجھے خوبصورت لباس بھی تو خریدنا ہے۔" وہ اسے نظر انداز کرتے ہوئے رامین سے مخاطب ہوئی۔

"صفائی کر کے جانا، آج ملازمہ نہیں آئی۔" جہانگیر نے جتانے والے انداز میں کہا۔ "ویسے بھی، وہ تو آتا ہی ہوگا، نا؟"

وہ آگے بڑھنے ہی والا تھا کہ ماہ پارہ نے اسے کہنی سے پکڑ کر واپس اپنے سامنے کھڑا کر دیا۔

"کہاں جا رہے ہیں؟" اس نے آبرو چڑھا کر پوچھا۔

NOVEL HUT

"ضروری کام سے فیکٹری جانا ہے۔ شام میں آکر کر لوں گا۔"

"صفائی کون کرے گا؟ آپ نے ہی کہا تھا نا کہ میرے ہوتے ہوئے کس بات کی فکر!" ماہ پارہ نے سنجیدگی سے کہا۔ اس کے لہجے سے بالکل ایسا نہیں لگ رہا تھا کہ وہ مذاق کر رہی ہے۔

"ماہ پارہ، وہ تو تم بھی کر سکتی ہو نا؟ آخر اتنا بڑا مسئلہ تو نہیں ہے۔" جہانگیر نے نرمی سے کہا۔

"آپ نے سنا نہیں؟ میں بازار جا رہی ہوں۔" اس نے بات کاٹتے ہوئے زور دے کر کہا۔

"پر... ٹھیک ہے، اوکے، جاؤ تم۔ میں سب کر لوں گا۔" جہانگیر نے بے بسی سے ہار مانتے ہوئے کہا۔

رامین کے لیے اپنی مسکراہٹ چھپانا مشکل ہو رہا تھا۔ اچانک وہ زور سے ہنس پڑی۔ جہانگیر اور ماہ پارہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"رامین، تم ہنس رہی ہو؟" جہانگیر کو جھٹکا لگا۔

"جہانگیر بھائی، آپ کتنا ڈرتے ہیں اپنی بیوی سے! بابا تو کبھی مما کے لیے ایسا نہ کریں!" رامین نے شرارت سے کہا۔

ماہ پارہ جھینپ گئی۔ "رامین، زیادہ باتیں نہ کرو اور چلو میرے ساتھ۔" وہ جلدی سے اس کا ہاتھ پکڑ کر باہر لے گئی، جبکہ جہانگیر سر تھام کر رہ گیا۔

وقت گزرتا گیا۔ صبح سے دوپہر ہو چکی تھی۔ وہ دونوں شاپنگ کر کے واپس آ چکی تھیں۔ ہاتھوں میں شاپنگ بیگز لیے، وہ تھکن سے چور ہو کر صوفے پر بیٹھ گئیں۔ ماہ پارہ نے سر صوفے کی پشت سے ٹکایا، پیر میز پر رکھے اور آنکھیں موند لیں۔ رامین کا بھی کچھ یہی حال تھا۔

دفعتاً، انہیں گاڑی کی آواز سنائی دی۔ دونوں نے چونک کر ایک دوسرے کو دیکھا۔

"رامین، جلدی سے یہ سب میرے کمرے میں رکھ آؤ!" ماہ پارہ نے گھبراہٹ میں سارے بیگز رامین کے حوالے کیے، جو فوراً انہیں لے کر اوپر چلی گئی۔

NOVEL HUT

تبھی اینہ صوفے کی طرف آگئیں۔ ڈرائیور کو بیگز میز پر رکھنے کا اشارہ دے کر وہ خود بھی بیٹھ گئیں۔ ماہ پارہ نے مؤدب انداز میں انہیں سلام کیا، جس کا جواب انہوں نے محض سر ہلا کر دیا۔

اینہ نے نظریں گھما کر پورے گھر کا جائزہ لیا۔ سجاوٹ کافی عمدہ تھی، جو انہیں پسند آئی، مگر انہوں نے اپنے تاثرات ظاہر نہیں کیے۔ (انہیں کیا معلوم کہ یہ سب ان کے لاڈلے بیٹے کا کیا دھرا ہے!)

"آج رات کچھ خاص مہمان آرہے ہیں، اس لیے میں تمہارے لیے دو جوڑے لے آئی ہوں۔ انہیں پہننا، اور شام کو میرے کمرے میں آکر کچھ زیور بھی لے جانا۔" ان کا لہجہ سرد تھا۔ "اتنی سادگی سے ان کے سامنے جاؤ گی تو کسی کو یقین نہیں آئے گا کہ تم اس گھر کی بہو ہو۔" یہ کہہ کر انہوں نے ایک شاپر اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔

ماہ پارہ نے رسمی مسکراہٹ کے ساتھ بیگز پکڑ لیے۔

"آج میں تمہیں جہانگیر کی بیوی کے طور پر مہمانوں سے متعارف کروانا چاہتی ہوں۔ کوشش کرنا کہ ان سے اچھے سے پیش آؤ، اور زیادہ سے زیادہ ان کے ساتھ رہو۔"

وہ سامان اٹھا کر کمرے کی طرف چلی گئیں۔

ماہ پارہ نے بے بسی سے سر جھٹکا اور بڑبڑائی۔ "آخر سب مجھے ہی مجرم ٹھہرانا کب بند کریں گے؟" یہ سوچتے ہوئے وہ بھی اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

******

حویلی روشنی میں نہائی ہوئی تھی۔ پورا گھر جگمگا رہا تھا۔

ماہ پارہ ایک گھنٹے کے لیے سو گئی تھی، شدید تھکن محسوس کر رہی تھی۔

(حالانکہ جہانگیر کو ہونا چاہیے تھا!)

جہانگیر فیکٹری سے آچکا تھا۔ آرام کیے بغیر سیدھا کچن میں چلا گیا۔ جب بھی گھر میں مہمان آتے، اینہ کمرے سے نہ نکلتی تھیں۔ وہ بس تیار ہونے میں مصروف رہتی تھیں۔

اس وقت وہ نیم اندھیرے کمرے میں گہری نیند سو رہی تھی جب رائین دروازہ کھول کر اندر آئی۔

"آپی، اٹھ جائیں، مہمان آتے ہی ہوں گے! آپ تو ابھی تک تیار بھی نہیں ہوئیں!" وہ ماہ پارہ کے پاس بیٹھ کر اسے جگانے لگی۔

"کیا وقت ہو رہا ہے؟" ماہ پارہ نے خوابیدہ لہجے میں پوچھا۔

"چھ بج چکے ہیں! اور بیچارے جہانگیر بھائی سب کچھ اکیلے سنبھال رہے ہیں۔ یہ آپ نے ٹھیک نہیں کیا۔ جائیں، ان کی مدد کریں!" رائین پردے ہٹاتے ہوئے بولی۔

ماہ پارہ نے آنکھیں بند کیے ہی کہا۔ "تم جاؤ، میں پانچ منٹ میں آتی ہوں۔" رائین جا چکی تھی۔

پانچ منٹ بعد، وہ کچن کے سلیب سے ٹیک لگائے کھڑی تھی، بار بار جمائی روکنے کی کوشش کر رہی تھی۔ جہانگیر خاموشی سے اپنا کام کر رہا تھا۔ وہ کھانے بنانے میں خاصی مہارت رکھتا تھا۔

"تمہیں نیند آ رہی ہے؟ تو میں تمہارے لیے کافی بنا دوں؟" اس نے ایک نظر ماہ پارہ پر ڈالتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں، آپ پہلے ہی میرے لیے اتنا کر چکے ہیں، اب مزید آپ کو کیا پریشان کرنا۔" وہ ندامت سے بولی۔

جہانگیر کے ہاتھ رک گئے۔ آنکھوں میں خفگی ابھری۔ ہاتھ کپڑے سے صاف کرتے ہوئے وہ اس کے قریب آیا۔ ماہ پارہ اسے قریب آتے دیکھ کر بے اختیار پیچھے ہوئی۔

جہانگیر نے اپنے دونوں ہاتھ اس کے دائیں بائیں رکھ دیے۔ وہ اپنی سیاہ آنکھوں سے اس کی سنہری آنکھوں میں دیکھ رہا تھا، جیسے ایک بار پھر اس میں

کھو جانا چاہتا ہو۔ ماہ پارہ کی پلکیں لرزنے لگیں۔ نیند کا نام و نشان تک نہ رہا۔

اس نے نظریں نہیں جھکائیں۔

"پریشان تو تم نے پہلے ہی کر دیا تھا، لیکن میں مزید تمہارے لیے پریشان ہونا

چاہتا ہوں۔" جہانگیر کی آواز مدھم اور گہری تھی۔

"جہانگیر، کیا کر رہے ہیں آپ؟ پیچھے ہٹیں!" وہ اپنے دل کی تیز دھڑکن کو

چھپانے کی ناکام کوشش کر رہی تھی، جو جہانگیر آسانی سے محسوس کر سکتا تھا۔

"کیا کر رہا ہوں؟" وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔

"مہمان آتے ہی ہوں گے، مجھے تیار بھی ہونا ہے۔ اور دیکھیں، اب مجھے

نیند بھی نہیں آ رہی!"

جہانگیر مسکراتے ہوئے پیچھے ہٹ گیا۔ کافی نہ سہی، اس طرح وہ اس کی نیند

تو اڑا چکا تھا۔

******

اینہ نے دو ملازم شام کے وقت بلا لیے تھے تاکہ وہ کھانے کا انتظام دیکھیں۔ سیف اور رنزہ بھی گھر آ چکے تھے۔ حسن کو آنے میں ابھی خاصا وقت تھا۔ ماہ پارہ سر پر تولیہ باندھے واش روم سے باہر آئی۔

ڈریسنگ ٹیبل کے قریب پہنچ کر اس نے تولیے سے اپنے بالوں کو آزاد کیا، پھر دراز سے ڈرائر نکال کر بال سکھانے لگی۔ اسی دوران دروازے پر دستک ہوئی۔ اجازت ملنے پر سیف اندر چلا آیا۔

"جہانگیر کہاں ہے؟" ماہ پارہ نے مشین بند کرتے ہوئے پوچھا۔

"وہ نہا رہے ہیں۔" سیف دراز کھول کر کچھ ڈھونڈنے لگا۔ "بھائی کا وہ مہنگا والا پرفیوم کہاں ہے؟"

"مجھے نہیں پتا۔" وہ کندھے اچکاتے ہوئے بیگ کی طرف بڑھی۔

"مل گیا!" سیف نے بوتل اٹھا کر خوشی سے کہا۔ ماہ پارہ کپڑے لے کر واش روم چلی گئی۔

NOVEL HUT

سیف نے پرفیوم کی بوتل کھولی، آئینے میں اپنا عکس دیکھا، گردن پر دو سے تین بار اسپرے کیا، اور سانس اندر کھینچا۔ وہ غور سے بوتل پر درج نام پڑھنے لگا۔ دل کیا کہ یہ چوری کر کے لے جائے!

واش روم کھلنے کی آواز آئی تو اس نے آخری بار اپنی کلائی پر اسپرے کیا اور دوسری کلائی سے رگڑ لیا۔

"تم ابھی تک یہی ہو؟" ماہ پارہ ڈریسنگ ٹیبل کے پاس آکر رک گئی، اسے ہلکا سا دھکا دیا۔

"جب تمہارے شوہر میرا کمرہ، میرا باتھ روم اور میرا سامان استعمال کر سکتے ہیں تو میں یہاں کیوں نہیں آسکتا؟" وہ طنزیہ مسکراتے ہوئے بولا۔

"فضول انسان!" وہ بڑبڑائی اور بالوں میں برش چلانے لگی۔

سیف آخری بار آئینے میں اپنا عکس دیکھ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

اسی وقت سیف کمرے سے نکلا اور جہانگیر اندر آیا۔ جہانگیر نے ماہ پارہ کو مسکراتے ہوئے دیکھا، پھر تولیے سے سر رگڑتے ہوئے آگے بڑھا، مگر پھر رک

گیا۔ ماہ پارہ اس وقت مہرون رنگ کی قمیض اور پاجامہ میں ملبوس تھی، جس پر سنہری کڑھائی تھی۔ وہ اس لباس میں بہت حسین لگ رہی تھی۔

جہانگیر صوفے پر جا کر بیٹھا۔ وہ اس وقت بھورے رنگ کی قمیض شلوار میں ملبوس تھا۔ خلافِ عادت، اس نے آستینیں کہنی تک نہیں چڑھائی ہوئی تھیں۔کھلے کف، ماتھے پر بکھرے بال، اور تھکاوٹ اس کے حلیے سے صاف جھلک رہی تھی۔ یہ کوئی مہمانوں کے سامنے جانے والا حلیہ ہرگز نہیں لگ رہا تھا۔

ماہ پارہ آئینہ کے دیے ہوئے زیورات پہننے لگی۔ سب کچھ پہننے کے بعد، جب وہ آخر میں کنگن پہن رہی تھی، تو جہانگیر نے آنکھیں کھول دیں اور سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ جیسے ہی ماہ پارہ کنگن پہن کر مڑی، جہانگیر کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ وہ اسے حیرت سے دیکھنے لگا۔ یہ تو طے تھا کہ جہانگیر کو اس کا بھاری لباس پہننا اور زیورات سے آراستہ ہونا بالکل پسند نہیں تھا۔ اگرچہ اس کا لباس زیادہ بھاری نہیں تھا، مگر زیورات کافی نمایاں لگ رہے تھے۔

"یہ تم نے کیا پہنا ہوا ہے؟ ادھر آؤ۔" جہانگیر نے نرمی سے اسے اپنے پاس صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"آنٹی نے کہا تھا کہ پہنوں، تاکہ میں آپ کی بیوی لگ سکوں۔" وہ آہستہ قدم اٹھاتی ہوئی اس کے پاس بیٹھ گئی۔

جہانگیر نے کوئی جواب نہیں دیا، بس اس کی طرف مڑ کر اس کے کانوں سے بالیاں اتاریں، پھر اس کے گلے سے ایک ہار، پھر دوسرا، اور آخر میں ہاتھوں سے کنگن بھی اتار دیے۔ ماہ پارہ خاموشی سے اس کی تمام حرکات دیکھتی رہی۔ وہ آنکھیں بند کر کے ایک گہری سانس اندر کھینچ کر رہ گئی۔ جب اس نے آنکھیں کھولیں، تو جہانگیر کو دیکھا جو سارے زیورات میز پر رکھ رہا تھا۔

"آئندہ میں تمہیں یہ سب پہنے نہ دیکھوں۔" وہ دوبارہ صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

"جہانگیر، میرا دل بھی تو چاہتا ہے یہ سب پہننے کا۔"

"لیکن میں منع کر رہا ہوں، نا؟"

"آپ بھی دوسرے شوہروں کی طرح حکم دے رہے ہیں؟" اس کے لہجے میں شکوہ تھا۔

جہانگیر نے آنکھیں بند کر کے ایک لمحے کو سکون لیا۔ "ہمم، جیسے تم سمجھو۔" وہ اسے کیسے بتاتا کہ وہ سادگی میں ہی سب سے زیادہ خوبصورت لگتی ہے؟

ماہ پارہ نے خفگی سے اسے دیکھا۔ "جائیں، میں آپ سے بات نہیں کرتی!" وہ کھڑی ہونے لگی ہی تھی کہ جہانگیر نے اس کی کلائی تھام کر اسے دوبارہ بٹھا دیا۔

"ویسے بھی کہاں کرتی ہو بات؟" اس نے آبرو اچکاتے ہوئے کہا۔

"آپ تیار ہو جائیں، یہ کیا حلیہ بنایا ہوا ہے؟" اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے، وہ زیورات سمیٹنے لگی۔

"مجھ میں ہمت بالکل نہیں ہے، میں ایسے ہی ٹھیک ہوں۔"

یہ سن کر ماہ پارہ نے زیورات دراز میں رکھ دیے اور پلٹ کر اس کے قریب آگئی۔ وہ خاموشی سے اس کا ہاتھ تھام کر اس کے کھلے کف باندھنے لگی، حالانکہ

NOVEL HUT

وہ جانتی تھی کہ جہانگیر ہمیشہ اپنی آستینیں کہنی تک چڑھاتا ہے۔ اس نے ایک بار بھی اس کی طرف نظریں اٹھا کر نہیں دیکھا تھا، لیکن جہانگیر کی نظریں بس اسی پر جمی رہیں۔

پھر وہ ہاتھ کی کنگھی سے اس کے ماتھے پر بکھرے بالوں کو پیچھے سیٹ کرنے لگی۔ جہانگیر نے بھنویں سکیڑ کر اسے دیکھا اور اگلے ہی لمحے سمجھ گیا کہ وہ کیا کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

******

حویلی مہمانوں سے بھرنے لگی تھی۔ ماہ پارہ خوش دلی سے سب کا استقبال کر رہی تھی، مگر جیسے ہی زائشہ اندر داخل ہوئی، اس کی مسکراہٹ پھیکی پڑ گئی۔ ذوالقرنین بھی اس کے ساتھ تھے۔ ماہ پارہ نے مؤدب انداز میں انہیں سلام کیا۔ وہ سر کے ہلکے سے خم کے ساتھ جواب دے کر آگے بڑھ گئے۔

رنزہ اپنی عمر کی لڑکیوں کے ساتھ بیٹھی خوش گپیوں میں مصروف تھی۔ دوسری طرف، سیف اور جہانگیر مہمان کمرے میں مردوں کے ساتھ بیٹھ گئے

تھے، جبکہ اینہ نے آدھے سے زیادہ مہمانوں سے ماہ پارہ کا تعارف کروا دیا تھا۔ کچھ لوگ اس کی طویل غیر حاضری کے بارے میں استفسار کر رہے تھے، تو کچھ اس کی تعریفوں میں مصروف تھے۔

ماہ پارہ اس وقت سب سے ہٹ کر ایک صوفے پر بیٹھی تھی، لیکن اس کے قریب بیٹھی ایک ادھیڑ عمر خاتون سرگوشی کے انداز میں اس سے مخاطب تھیں۔

اسی لمحے، جہانگیر مہمانوں کے کمرے سے نکلتے ہوئے نظر آیا۔ ماہ پارہ نے اسے نہیں دیکھا، مگر اس کی نگاہ سب سے پہلے اسی پر پڑی۔ اس نے ماہ پارہ کے چہرے پر پریشانی کے آثار محسوس کیے اور متفکر نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

رامین عین اسی وقت اس کے پاس سے گزرنے والی تھی جب جہانگیر نے اسے روک لیا۔

"رامین، ماہ پارہ اتنی پریشان کیوں لگ رہی ہے؟"

رامین مسکرا کر بولی۔ "آپ کی بیوی کو یہاں کی عورتوں نے سوالات پوچھ پوچھ کر بے حال کر دیا ہے۔" کہہ کر وہ آگے بڑھ گئی۔

جہانگیر کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ وہ بے اختیار چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا ہوا ماہ پارہ کی طرف بڑھنے لگا۔

"بیٹا، دیکھو تمہارا شوہر کتنا اچھا آدمی ہے، ماشاءاللہ! اس نے تمہارا دس سال انتظار کیا، ورنہ آج کل کے شوہر کہاں اتنا انتظار کرتے ہیں؟ وہ تو فوراً دوسری شادی کر لیتے ہیں، مگر دیکھو تمہارا شوہر..."

"ماشاءاللہ، بہت اچھے انسان ہیں، اللہ انہیں نظرِ بد سے محفوظ رکھے۔" اس سے پہلے کہ وہ خاتون اپنی بات مکمل کرتیں، سیف نے ان کی بات کاٹ دی اور دانت پیستے ہوئے کہا۔

جہانگیر ایک دم رک گیا۔ وہ مزید آگے نہیں بڑھ سکا۔ سیف کی غیر متوقع آمد نے اسے وہیں روک دیا۔

"ہاں، میں بھی یہی کہہ رہی تھی۔" انھوں نے پہلو بدلا۔ ماہ پارہ نے مشکل سے اپنی ہنسی ضبط کی۔

اتنے میں اینہ کی خاص دوست جہانگیر کے پاس آئیں، اور وہ ان سے بات چیت میں مصروف ہو گیا۔

"اگر آپ کی اجازت ہو، تو ان محترمہ کے شوہر انہیں بلا رہے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی پرسنل بات کرنی ہو، جو کہ آپ سب کی مسلسل موجودگی میں ممکن نہیں ہو رہی، تو..." سیف کی بات ابھی مکمل بھی نہیں ہوئی تھی کہ وہ خاتون سرخ چہرہ لیے وہاں سے اٹھ گئیں۔

ماہ پارہ کی مسکراہٹ پل بھر میں غائب ہو گئی۔ اس کی آنکھوں میں اشتعال ابھرا۔ اس کا دل چاہا کہ سیف کی اس حرکت پر اسے مار ڈالے۔ غصے میں، اس نے زور سے اس کے کندھے پر تھپڑ مارا۔ سیف نے بھنویں سکیڑ کر کندھے پر ہاتھ رکھا اور اسے گھور کر دیکھا۔

"وہ دیکھو، تمہارا شوہر واقعی میں تمہارا انتظار کر رہا ہے۔ عجیب !" وہ عتاب بھرے لہجے میں کہہ کر وہاں سے اٹھ کر چلا گیا۔

ماہ پارہ کی نظریں بے اختیار جہانگیر کو ڈھونڈنے لگیں۔ جیسے ہی ان کی نظریں ملیں، دونوں نے فوراً نظریں چرا لیں۔ جہانگیر اوپر اپنے کمرے میں چلا گیا۔

ماہ پارہ نے دروازے کی طرف نظر دوڑائی تو ایک چھوٹے بچے کو بے چینی سے کھڑے پایا۔ وہ کسی کی تلاش میں تھا۔ اس کی آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو جھلملا رہے تھے، جو کسی بھی لمحے بہنے کو بے تاب تھے۔ ماہ پارہ نے اسے پریشان دیکھا تو فوراً اٹھ گئی۔ وہ بچے کے قریب پہنچی تو اس نے تیزی سے اپنی آنکھیں رگڑ لیں۔

"کافی پریشان لگ رہے ہو، کیا ہوا ہے؟" ماہ پارہ نے اس کے بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے نرمی سے پوچھا۔

"میری بہن کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، بڑی مشکل سے حویلی آیا ہوں۔ محلے والوں سے سنا کہ یہاں کوئی قابل ڈاکٹر ہے، تو..."

"کیا ہوا تمہاری بہن کو؟" ماہ پارہ نے بے چینی سے اس کی بات کاٹ دی۔

"وہ صبح سے الٹیاں کر رہی ہے اور اسے کافی تیز بخار ہے۔" بچہ شدید پریشان نظر آ رہا تھا۔ وہ دس گیارہ سال کا لگ رہا تھا، مگر چہرے پر فکر اور بے بسی کے آثار واضح تھے۔

"پانچ منٹ رکو، میں آتی ہوں۔" وہ تیزی سے سیڑھیاں چڑھ کر اوپر چلی گئی۔

جہانگیر صوفے پر گردن پیچھے گرائے، آنکھیں بند کیے بیٹھا تھا۔

"جہانگیر؟" اس کی پکار پر اس نے فوراً آنکھیں کھول دیں۔

"مجھے ابھی باہر جانا ہے، وہ بچہ نیچے میرا انتظار کر رہا ہے۔ کیا آپ یہاں سب کچھ سنبھال لیں گے؟"

جہانگیر نے نا سمجھی سے بھنویں سکیڑ لیں۔ "کون بچہ؟ کہاں جانا ہے اور اس وقت...؟"

"ابھی ان سب سوالوں کا وقت نہیں ہے جہانگیر۔" ماہ پارہ نے جھنجھلا کر کہا۔ "بس اتنا بتائیں، اگر میں جاؤں تو آپ سب کچھ دیکھ لیں گے یا نہیں؟"

"لیکن ہوا کیا ہے؟" اب وہ واقعی پریشان ہو گیا تھا۔

"وہ بچہ کہہ رہا ہے کہ اس کی بہن کی طبیعت بہت زیادہ خراب ہے۔ وہ بہت امید سے میرے پاس آیا تھا، میں انکار نہیں کر سکی۔"

جہانگیر خاموش ہو گیا۔ ماہ پارہ اس کے جواب کی منتظر تھی۔

"کیسے جاؤ گی تم؟ ٹھہرو، میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔" وہ اٹھ کر چابی لینے ہی لگا تھا کہ ماہ پارہ جلدی سے اس کے قریب آئی۔

"اگر ہم دونوں چلے گئے تو یہاں سب کو کون دیکھے گا؟ میں ڈرائیور کے ساتھ چلی جاؤں گی جہانگیر۔" اس نے ملتجی لہجے میں کہا۔

NOVEL HUT

جہانگیر ایک لمحے کے لیے رکا، پھر سر ہلاتے ہوئے بولا۔ "ٹھیک ہے، لیکن جلدی واپس آجانا، اس سے پہلے کہ ماں سا کو پتہ چلے۔"

"میں آکر سب کچھ بتا دوں گی، فکر نہ کریں۔" وہ ہلکا سا مسکراتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئی۔

سیڑھیاں اترتے ہی اس کی نظر دروازے کے قریب کھڑے بچے پر پڑی، جو بے چینی سے اس کی راہ دیکھ رہا تھا۔

"میرے پیچھے آؤ۔" وہ آگے بڑھتے ہوئے بولی، اور بچہ تابداری سے اس کے پیچھے چلنے لگا۔

ماہ پارہ گاڑی کے پاس آئی اور خاموشی سے ڈرائیور کو گاڑی نکالنے کا اشارہ کیا۔ وہ پچھلی سیٹ پر جا بیٹھی، اور بچہ بھی اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔ اگر آج وہ اس بچے کی مدد کے لیے نہ جاتی تو ڈاکٹر بننے کا اس کا خواب محض ایک مشغلہ رہ جاتا۔ دس سال پہلے جو جذبہ تھا، کہ وہ گاؤں کی ہر لڑکی کے لیے موجود ہوگی، وہ

سب بے معنی ہو جاتا۔ جونہی گاڑی بچے کے گھر کے سامنے رکی، ماہ پارہ تیزی سے باہر نکلی۔ بچہ بھی اس کے پیچھے لپکا۔ وہ قدم بڑھاتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔

سامنے چارپائی پر ایک کمزور سی لڑکی لیٹی ہوئی تھی۔ اس کی ماں پریشانی سے اس کے پاس بیٹھی تھی۔ ماہ پارہ فوراً آگے بڑھی، تو وہ خاتون احتراماً کھڑی ہو گئیں۔ وہ چارپائی کے قریب بیٹھ گئی اور نرمی سے لڑکی کے ماتھے پر ہاتھ رکھا۔ اس کا جسم تپ رہا تھا۔ وہ شدید بخار میں مبتلا تھی۔

"اسے صرف بخار ہے؟" ماہ پارہ نے بچی کا ماتھا چھوتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں، وہ وقفے وقفے سے الٹیاں بھی کر رہی ہے۔" اس کی ماں نے فکرمند لہجے میں جواب دیا۔

"آپ نے ابھی تک کوئی دوائی دی ہے؟" ماہ پارہ نے ایک نظر بچی پر ڈالی، جو شدید بخار کی حالت میں بے سدھ لیٹی تھی۔

"ہاں، ہم سرکاری ڈاکٹر کے پاس گئے تھے، انھوں نے یہ دوائیاں دی تھیں۔" انھوں نے پاس رکھی میز سے ایک کاغذ اٹھا کر اس کی طرف بڑھایا۔

ماہ پارہ نے پرچی پر درج دوائیوں کے نام پڑھے تو چونک گئی۔ یہ غلط دوائیاں تھیں!

"یہ تو غلط دوائی ہے۔" اس نے سر اٹھا کر اس کی ماں کو دیکھا۔

"اب کیا کریں؟" وہ خوفزدہ ہو کر بولیں۔

"اس نے کھانے میں ایسا کیا کھایا تھا؟ کوئی ایسی چیز جس سے پیٹ میں انفیکشن ہو سکتا ہو؟"

"ہاں، اس نے دو دن پرانا باسی کھانا کھایا تھا۔" انھوں نے شرمندہ لہجے میں جواب دیا۔

"کوئی بات نہیں۔ میرے کلینک میں دواخانہ ہے، میں وہاں سے صحیح دوائی لے آتی ہوں۔ جیسے ہی وہ دوا لے گی، صبح تک بہتری آجائے گی۔" ماہ پارہ نے انہیں تسلی دی۔

"لیکن یہ دوائی..."

"یہ غلط تجویز کی گئی ہے۔ میں اس کے لیے مناسب دوا لے آتی ہوں۔" ماہ پارہ نے گہری سانس لی۔ یہ ڈاکٹرز کب صحیح دوائیاں دینا سیکھیں گے؟

وہ فوراً باہر نکلی، گاڑی میں بیٹھتے ہی ڈرائیور کو کلینک لے جانے کا کہا۔ کلینک پہنچ کر مطلوبہ دوا لی، اسے شاپر میں ڈالا اور واپس روانہ ہوگئی۔

بچی کے گھر پہنچ کر اس نے دوائی دی اور خاتون کو اس کے استعمال کے بارے میں تفصیل سے بتایا۔ ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ اگر کوئی مسئلہ ہو تو وہ کلینک آ سکتی ہیں۔

"بیٹا، میں بہت شرمندہ ہوں کہ تم میری بیٹی کی وجہ سے اپنی تقریب چھوڑ کر آئی ہو۔" خاتون نے ممنون نظروں سے اسے دیکھا۔

"کیسی باتیں کر رہی ہیں، یہ میرا فرض تھا۔" ماہ پارہ نے مسکرا کر کہا اور گاڑی کی طرف بڑھ گئی۔

******

"اینہ، تمہاری بہو کہیں نظر نہیں آ رہی؟" اینہ کی بڑی بہن نے ہاتھ میں جوس کا گلاس تھامے، قدرے حیرانی سے پوچھا۔

"وہ یہیں ہوگی۔" اینہ نے زبردستی مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"مجھے تو ملوایا ہی نہیں۔ جب شادی ہوئی تو میں پاکستان میں نہیں تھی، اور اب جب موقع ملا تو وہ غائب ہے!" بہن نے خفگی سے کہا اور جوس کا گھونٹ بھر لیا۔

اینہ نے بے اختیار مٹھیاں بھینچ لیں۔ ماہ پارہ پر ان کا غصہ بڑھتا جا رہا تھا۔ بہن کو کسی طرح مطمئن کرنے کے بعد وہ تقریب سے نکل آئیں۔ اب ان کا مقصد جہانگیر کو تلاش کرنا تھا۔ جہانگیر کو ڈھونڈتے ہوئے ان کی ملاقات زائشہ سے ہو گئی۔

"السلام علیکم، آنٹی! کیسی ہیں آپ؟" زائشہ نے مسکراتے ہوئے کہا اور ان کے گلے لگ گئی۔

"وعلیکم السلام، میں بالکل ٹھیک ہوں۔" اینہ نے شفقت سے اس کے گال پر ہاتھ رکھا۔ "تم سناؤ، کیسی ہو؟ اور زارون کہاں ہے؟"

"آنٹی، آپ کو تو معلوم ہے کہ وہ کام کے سلسلے میں یہاں نہیں ہوتے۔" زایشہ نے ہلکی سی اداسی سے جواب دیا۔

"اوہو، چلو کوئی بات نہیں۔ تم پارٹی کا لطف اٹھاؤ۔" اینہ نے اس کا گال تھپتھپایا اور جانے ہی والی تھیں کہ زایشہ نے انہیں روک لیا۔

"آنٹی، آپ جہانگیر کو ڈھونڈ رہی ہیں؟"

"ہاں، تم نے اسے کہیں دیکھا ہے؟"

زایشہ نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ قریب ہو کر دھیمی آواز میں کہا۔

"وہ تو کچن میں ہوگا نا! اب بیوی اگر اتنی رات کو باہر گھومے گی، تو شوہر کو اپنی عزت بچانے کے لیے یہ سب کرنا ہی پڑے گا۔"

اینہ کا چہرہ غصے سے سرخ پڑ گیا۔ زایشہ نے بات جاری رکھی۔ "اور آپ کو معلوم ہے، یہ ساری سجاوٹ اور کھانا جہانگیر نے خود کیا ہے؟ میں ان کے کمرے کے پاس سے گزرتے ہوئے سب سن چکی ہوں۔"

اینہ حیران رہ گئیں۔ دل میں اٹھتے وسوسے ان کے غصے کو مزید ہوا دے رہے تھے۔

"آپ کو نہیں لگتا کہ ماہ پارہ جہانگیر کو اپنے اشاروں پر نچا رہی ہے؟ اور وہ بخوشی ناچ بھی رہا ہے!" زایشہ نے چالاکی سے جلتی پر تیل ڈالنے کی کوشش کی اور پھر مسکراتے ہوئے وہاں سے آگے بڑھ گئی۔

اینہ الجھن میں پڑ گئیں۔ ایک لمحے کے لیے سوچا کہ شاید زایشہ صرف بڑھکانے کی کوشش کر رہی ہے، مگر پھر دل نے وسوسوں کے آگے ہتھیار ڈال دیے۔ وہ غصے میں کچن کی طرف بڑھیں۔

"جہانگیر؟" انہوں نے سخت لہجے میں پکارا۔

جہانگیر، جو چولہے کے پاس کھڑا تھا، اچانک چونک کر پیچھے ہٹ گیا۔

"جی ماں سا؟" اس نے گھبرا کر جواب دیا۔

"ماہ پارہ کہاں ہے؟ اور تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" اینہ نے خود کو پر سکون ظاہر کرنے کی کوشش کی، مگر آواز میں برہمی واضح تھی۔

"وہ... کمرے میں ہوگی۔" جہانگیر نے ہاتھ کپڑے سے صاف کرتے ہوئے نظریں چرائیں۔

اینہ کو اس کے جھوٹ پر بے حد حیرانی ہوئی، مگر وہ خاموش رہیں۔

"میں نے یہ بھی پوچھا ہے کہ تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" انہوں نے لفظ "تم" پر زور دیا۔

"وہ... مجھے بھوک لگی تھی، تو بس یوں ہی کچھ لینے آگیا تھا۔" جہانگیر نے گڑبڑا کر جواب دیا۔

اینہ نے سخت نظروں سے اسے دیکھا، مگر مزید کچھ کہے بغیر بولیں۔ "حسن ابھی تک نہیں آیا۔ دیکھو تو کہاں رہ گیا ہے۔"

"جی ماں سا، ابھی دیکھتا ہوں۔" جہانگیر فوراً وہاں سے نکلا۔ اس کا اصل ارادہ ماہ پارہ کا انتظار کرنے کا تھا، اس سے پہلے وہ کہیں جا نہیں سکتا تھا۔

* * * * * *

وہ ان کے گھر سے واپس آ رہی تھی۔ سردی بڑھ رہی تھی، اس نے خود کو اچھی طرح شال میں لپیٹ لیا تھا۔ وہ سوچوں میں گم تھی کہ گاڑی اچانک رک گئی۔ وہ جو سیٹ سے پشت ٹکائے آنکھیں موندے بیٹھی تھی، چونک کر سیدھی ہو گئی۔

"بی بی جی، گاڑی شاید خراب ہو گئی ہے۔ آپ وہیں بیٹھی رہیں، میں دیکھتا ہوں۔" ڈرائیور نے پیچھے مڑ کر کہا اور گاڑی سے باہر نکل گیا۔

ماہ پارہ پریشان ہو گئی۔ "اب یہ کیا مصیبت آ گئی!" وہ بے چینی سے بڑبڑائی۔

کچھ ہی دیر بعد ڈرائیور واپس آیا۔ "بی بی جی، گاڑی میں مسئلہ ہو گیا ہے، وقت لگے گا۔ آپ یہیں بیٹھی رہیں، باہر مت نکلیے گا۔"

"نہیں، میں پیدل چلی جاتی ہوں۔ میں زیادہ دیر یہاں نہیں رک سکتی!" ماہ پارہ فوراً بولی۔

"بی بی جی، یہاں سے پیدل جائیں گی تو آدھے گھنٹے سے زیادہ لگے گا۔ اور میں آپ کو اکیلا نہیں جانے دے سکتا، ورنہ صاحب مجھے نوکری سے نکال دیں گے۔" ڈرائیور نے مؤدب انداز میں کہا۔

ماہ پارہ بے بسی سے لب بھینچ کر بیٹھی رہی۔

جہانگیر کو اب حسن اور ماہ پارہ دونوں کی فکر ہونے لگی تھی۔ اگر وہ حسن کو لینے چلا جاتا، تو ماہ پارہ یہاں اکیلی رہ جاتی۔ اور اگر وہ ماہ پارہ کے لیے رک جاتا، تو حسن کی خیریت کی پریشانی اسے بے چین کیے رکھتی۔ وہ مضطرب نظر آ رہا تھا۔

اچانک اسے خیال آیا کہ وہ سیف سے کہہ سکتا ہے کہ وہ حسن کو لے آئے۔ وہ تیزی سے کمرے سے نکلا اور سیف کو ڈھونڈنے لگا۔ اوپر ریلنگ سے جھانک کر نیچے دیکھا، تو سیف اینہ کی بہن سے مسکراتے ہوئے باتوں میں مشغول تھا۔

جہانگیر نے فوراً سیڑھیاں اتر کر اس کی طرف قدم بڑھائے۔ جب وہ نیچے پہنچا، تو سیف اب اکیلا کھڑا تھا۔

"سیف، کیا تم حسن کو لینے جا سکتے ہو؟ مجھے یہاں ضروری کام ہے۔" جہانگیر نے سنجیدگی سے پوچھا۔

سیف نے تیوری چڑھاتے ہوئے کہا۔ "کیوں بھائی؟ میں کیوں جاؤں؟ آپ کی تو شادی ہو چکی، بھائی کی بھی ہو جائے گی، اب بچا کون؟ میں!" اس نے انگلی سے اپنی طرف اشارہ کیا۔ "اور اگر میں یہاں سے چلا گیا، تو کسی کی نظروں میں بھی نہیں آؤں گا۔" جہانگیر نے دانت پیس لیے۔

"اگر تم اگلے پانچ منٹ میں یہاں سے نہ نکلے، تو میں تمہارا ایسا حال کر دوں گا کہ تم کسی لڑکی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہو گے!" اس نے دبے دبے غصے سے دھمکی دی۔

سیف نے گھبرا کر فوراً ہاتھ اٹھائے۔ "دھمکی دے .... جا رہا ہوں نا! بس ایسے کھا جانے والی نظروں سے نہ دیکھیں!"

جہانگیر نے اسے گھورا، تو وہ مزید کچھ کہے بغیر وہاں سے چل دیا۔

******

وقت گزرتا گیا۔ آہستہ آہستہ تمام مہمان کھانے سے فارغ ہو کر جانے لگے۔ حسن کے نہ آنے کے باوجود، اینہ نے اس کا رشتہ طے کر دیا تھا۔ جب فیصلہ انہی کا چلنا تھا تو ہاں کہنے میں دیر کیوں کرتیں؟ آدھے سے زیادہ مہمانوں سے ماہ پارہ کی ملاقات نہ ہونے پر انہیں بے حد غصہ آیا۔ وہ سمجھ رہی تھیں کہ اس دعوت کے انعقاد سے وہ سب کے منہ بند کر دیں گی، مگر نتیجہ اس کے برعکس نکلا۔

سڑک کے بیچوں بیچ کھڑی گاڑی آخر کار ٹھیک ہو چکی تھی۔ ماہ پارہ بے چینی سے گاڑی کے باہر، دروازے سے ٹیک لگائے کھڑی تھی۔ اس کا دل بس یہی سوچ کر ڈوب رہا تھا کہ اس وقت گھر میں کیا ہو رہا ہوگا۔

"بی بی جی، گاڑی ٹھیک ہو گئی ہے۔" ڈرائیور کے بتانے پر اس نے ایک سلگتی ہوئی نظر اس پر ڈالی، جو پچھلے چالیس منٹ سے گاڑی ٹھیک کرنے میں لگا تھا۔

ڈرائیور نے سر خم کیا۔ ماہ پارہ نے غصے سے گاڑی کا دروازہ کھولا اور زور سے بند کیا۔ شال کو خود پر اچھی طرح لپیٹ کر، شیشے پر سر ٹکائے آنکھیں موند لیں۔ سردی لگنے کے باوجود، وہ باہر انتظار کرنے لگی تھی۔ ڈرائیور بھی گاڑی میں بیٹھ چکا تھا۔

داؤد آخری مہمان کو رخصت کرنے کے بعد گیسٹ روم سے نکل کر دروازے کی طرف بڑھے۔ آج انہوں نے اپنے پرانے دوست کے ساتھ وقت گزارا تھا، اسی لیے انہیں وقت کا اندازہ نہیں ہوا۔ جیسے ہی وہ دروازے سے واپس آئے تو جہانگیر اور اینہ کے پریشان چہرے دیکھ کر چونک گئے۔

"کیا ہوا؟ تم دونوں اتنے پریشان کیوں لگ رہے ہو؟" وہ صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولے۔

NOVEL HUT

"اپنے بیٹے سے پوچھیں، اس کی بیوی اتنی رات کو باہر کیا کر رہی ہے؟" اینہ غصے سے بولیں اور جہانگیر کی طرف دیکھا، جو کافی دیر سے صبر کا گھونٹ پی رہا تھا۔

"کیا ہوا؟ کہاں گئی ہے وہ؟ اور یہ حسن ابھی تک کیوں نہیں آیا؟"

"بابا، ایک بچہ آیا تھا۔ اسے ارجنٹ جانا پڑا۔۔۔" جہانگیر سر جھکائے دھیمی آواز میں بولا۔

"اینہ، وہ اپنے پیشے کے سلسلے میں گئی تھی اور تم نے جانے کیا کیا کہہ دیا اس کے بارے میں۔" داؤد کو اینہ کے الفاظ پر افسوس ہوا۔

"اگر وہ ایک دن کے لیے اپنا پیشہ چھوڑ دیتی تو کوئی قیامت نہیں آ جاتی!" اینہ نے تلخی سے کہا۔

"تم سے بحث کرنا فضول ہے!" داؤد نے موضوع بدل دیا۔ "رنزہ اور رامین کہاں ہیں؟"

"بابا، رامین رنزہ کے ساتھ تھی، اسی کے کمرے میں سو گئی ہے۔" جہانگیر اضطراب سے پیر ہلانے لگا۔

داؤد نے چند لمحے اسے دیکھا، پھر مسکرائے۔ "اتنی فکر ہو رہی ہے تو جا کر اسے لے آؤ۔"

"اگر میں چلا گیا اور وہ میرے بعد یہاں پہنچ گئی تو؟" جہانگیر کی الجھن واضح تھی۔

اینہ کی نظریں دروازے پر جمی تھیں۔ اچانک، انہوں نے حسن اور سیف کو آتے دیکھا۔ فوراً اٹھ کھڑی ہوئیں۔ داؤد نے پہلے اینہ کی بے چینی دیکھی، پھر ان کے تعاقب میں دروازے کی جانب دیکھا اور خود بھی کھڑے ہو گئے۔ اینہ تیز قدموں سے حسن کی طرف بڑھیں، آنکھوں میں نمی اور لبوں پر مسکراہٹ تھی۔ حسن بھی مسکرا کر انہیں گلے لگا لیا۔ سیف اس کا سامان کمرے میں رکھنے چلا گیا۔

جہانگیر اپنی نشست سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"آپ ایسے مل رہی ہیں جیسے میں دس سال بعد آیا ہوں، ابھی پچھلے سال ہی تو آیا تھا !" حسن مسکراتے ہوئے بولا اور پھر داؤد سے گلے ملا۔

"کیسا رہا سفر؟ تھک تو نہیں گئے؟"

"تھک تو گیا ہوں، اور پھر کئی راتوں سے سو بھی نہیں سکا۔"

"اپنا خیال رکھا کرو، بیٹا ! ایک تو تم دونوں خود کی پرواہ نہیں کرتے۔ ابھی تو تمہاری سرجری ہوئی ہے، اور یہ لاپرواہی !" داؤد نے افسوس سے نفی میں سر ہلایا۔

"بابا، میں اپنا خیال رکھ رہا ہوں، آپ لوگ خوامخواہ پریشان ہو رہے ہیں۔" حسن نے مسکراتے ہوئے کہا اور جہانگیر کے قریب آیا۔

جہانگیر نے اسے مضبوطی سے گلے لگا لیا۔ "تمہیں تکلیف تو نہیں ہو رہی؟"

"نہیں، آپ کے لیے کچھ بھی !" حسن کی بات پر جہانگیر مسکرا دیا۔

امینہ نے حسن کے بالوں کو دیکھا۔ "یہ کیا حال بنا رکھا ہے؟"

"بالکل بھی اچھے نہیں لگ رہے، میں نے کہہ دیا ہے کہ کل پہلی فرصت میں اپنے بال کٹوائیں۔" سیف نے لاؤنج میں آتے ہی تبصرہ کیا۔

"بکواس بند کرو !" حسن نے برا مانتے ہوئے کہا۔

"میرے بیٹے کو تنگ مت کرو !" امینہ نے حسن کے گال پر شفقت سے ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "جا کر آرام کرو، تھک گئے ہو۔ کل تم سے بات کروں گی۔"

"یہ بھی خوب ہے، پہلے جہانگیر بھائی اتنے سال دور رہے، انہیں بے تحاشا پیار ملا۔ پھر حسن بھائی باہر گئے، انہیں بھی ویسا ہی پیار ملا، اوپر سے ایک بیوی بھی ! اور میں؟ بیچارہ۔۔۔" سیف نے آہ بھری تو سب ہنس پڑے۔

حسن اپنے کمرے میں چلا گیا۔ جہانگیر مزید صبر نہ کر سکا اور باہر جانے لگا، مگر ٹھیک اسی لمحے ماہ پارہ سامنے سے چلتی ہوئی آتی دکھائی دی۔ جیسے ہی اسے دیکھا، اس کے دل کو سکون کا احساس ہوا، مگر وہ آگے نہیں بڑھا۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ آج وہ ماہ پارہ کو اپنی ماں کے قہر سے نہیں بچائے گا۔

"کہاں تھیں تم؟" انھوں نے سرد لہجے میں پوچھا۔ داؤد نے نفی میں سر ہلایا، گویا اب اسے کوئی نہیں بچا سکتا تھا۔ سیف مسکرا رہا تھا، مگر باقی سب کے چہرے سخت تھے۔

"میں۔۔۔ وہ۔۔۔ میں۔۔۔" ماہ پارہ کی زبان لڑکھڑائی۔

"کیا 'میں میں' لگا رکھا ہے؟ تمہیں اندازہ بھی ہے کہ مجھے سب کے سامنے کتنی شرمندگی اٹھانی پڑی؟ سب کی چھوڑو، کم از کم میری آپا کے سامنے تو شرمندہ نہ کرتی!"

ماہ پارہ نے ایک نظر جہانگیر کو دیکھا، جو اسے نظرانداز کیے سر جھکائے کھڑا تھا۔ اس کا دل ڈوب گیا۔ کیا وہ ان سب کے سوالوں سے بچا کر، ہمیشہ کی طرح، آج بھی اسے اپنے پیچھے نہیں چھپائے گا؟

"اور جو کام میں نے تمہیں دیا تھا، وہ تم نے میرے بیٹے سے کروایا؟ میرے پھول جیسے بیٹے سے، جسے میں نے آج تک پانی کا ایک گلاس تک اٹھانے نہیں دیا!"

ماہ پارہ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ جہانگیر نے بھی چونک کر نظر اٹھائی، (انہیں کیسے پتہ چلا؟) وہ ماہ پارہ کی جانب دیکھ کر ایک پل کو رکا، پھر فوراً نظریں جھکا لیں۔

ماہ پارہ گھبرا کر بولی۔ "جی، ایسا کچھ..."

"خاموش رہو! جب میں بات کر رہی ہوں، تو درمیان میں مت بولو!" اینہ نے غصے سے اس کی بات کاٹ دی۔

"رہنے دو ناں، اینہ! بچی ہے، آئندہ خیال رکھے گی۔" داؤد کے نرم لہجے پر ماہ پارہ دنگ رہ گئی۔

سیف اپنی جگہ سے اٹھ کر اینہ کے پاس آیا، جبکہ جہانگیر نے ضبط سے مٹھیاں بھینچ رکھی تھیں۔

"کیا رہنے دوں؟ کون سی بیوی اپنے شوہر پر ایسا ظلم کرتی ہے؟ اس نے میرے بیٹے سے کھانا بنوایا، گھر صاف کروایا، اس کے ساتھ غلاموں جیسا

سلوک کیا، اور آپ کہتے ہیں رہنے دوں؟" ان کی آواز غصے سے بھری ہوئی تھیں۔

ماہ پارہ کے آنکھوں میں آنسو بھرنے لگے۔ ماہ پارہ کی آنکھوں میں آنسو چمکنے لگے۔ جہانگیر نے بے بسی سے لب بھینچ لیے۔ اس کی سنہری آنکھوں میں موجود آنسو، جہانگیر کے دل میں نوک دار چبھن کی طرح پیوست ہو رہے تھے۔

"ممی، پلیز! آپ جائیں، اس وقت آپ غصے میں ہیں۔" سیف نے نرمی سے اینہ کے کندھوں کو تھام کر انہیں ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔

ماہ پارہ کو جہانگیر پر غصہ آیا۔ وہ جان بوجھ کر تو دیر سے نہیں آئی تھی! اینہ ایک آخری نظر ماہ پارہ پر ڈال کر چلی گئیں۔

"بیٹا، تم بھی جاؤ، بہت دیر ہو چکی ہے۔ کل ہم اس بارے میں تفصیل سے بات کریں گے۔" انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور چلے گئے۔

ماہ پارہ نے بمشکل ضبط کیے ہوئے آنسو بہنے دیے۔ اینہ کی باتوں سے زیادہ، اسے غصہ جہانگیر پر آ رہا تھا۔ اس نے ایک نظر ماہ پارہ پر ڈالی، اور جہانگیر کو لگا کسی نے اس کا دل مٹھی میں بھینچ لیا ہو۔

وہ سیڑھیوں کی طرف بڑھنے لگی کہ جہانگیر کی بھاری آواز نے سناٹے کو چیر دیا۔

"ماہ پارہ!" اس کے قدم تھم گئے، مگر اس نے ان سنی کر دی اور دوبارہ آگے بڑھنے لگی۔

"میں نے کہا رکو!" جہانگیر کی آواز اتنی سخت تھی کہ ماہ پارہ نے بے یقینی سے پلٹ کر اسے دیکھا۔

"بھائی، کیا ہو گیا ہے؟" سیف کو جہانگیر کی اس حرکت پر حیرانی ہوئی۔

ماہ پارہ نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ جہانگیر اس سے اس لہجے میں بات کرے گا۔

"آپ..." جب اس نے کہنا شروع کیا تو اس کی آواز لرز گئی۔ "اس وقت مجھ سے بات کرنے کی کوشش بھی مت کیجیے گا!" بے دردی سے اپنی آنکھوں سے آنسو پونچھتے ہوئے وہ سیڑھیاں چڑھنے لگی۔

جہانگیر بس خالی نظروں سے اسے جاتا دیکھتا رہا۔ سیف نے سر جھٹکا اور صوفے کی طرف بڑھا، جب کہ جہانگیر بھی گہری سانس بھر کر وہیں بیٹھ گیا۔

"یہ کیا کیا آپ نے، بھائی؟"

"مجھ سے غلطی ہو گئی... اب کیا کروں؟" وہ بے بس نظر آیا۔ "صرف اونچی آواز پر اس نے ایسا ردِ عمل دیا، اگر میں اسے ڈانٹتا تو؟ اب میں کیا کروں گا؟" اس نے تھکن سے چہرہ ہاتھوں میں چھپا لیا۔

"بیوی سے ڈر لگتا ہے؟" سیف نے ہنسی دباتے ہوئے چھیڑا۔

"اس سے نہیں، اس کی ناراضگی سے ڈر لگتا ہے۔" جہانگیر نے آنکھیں بند کر کے گہری سانس لی۔

"میرا کمرہ دستیاب ہے، اگر چاہیں تو وہاں سو سکتے ہیں۔" سیف نے شوخ لہجے میں کہا۔

"تمہارے ہی کمرے میں تھا۔" جہانگیر نے زچ ہو کر جواب دیا۔

"تو پھر؟ ابھی منائیں گے یا کل؟"

"کل... آج نہیں۔" وہ افسردگی سے کہتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

وہ کمرے میں داخل ہوا تو ماہ پارہ بستر پر آنکھوں پر بازو رکھے لیٹی تھی۔ وہ خاموشی سے الماری کی طرف بڑھا، کپڑے نکالے اور بنا کوئی آواز پیدا کیے واش روم چلا گیا۔

چند لمحوں بعد وہ آرام دہ لباس میں ملبوس باہر نکلا۔ اس نے ہاتھوں سے اپنے بال بکھیرے، آستینیں کہنیوں تک لپیٹیں، اور اپنی داڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے خود کو پرسکون کرنے کی کوشش کی۔

پھر وہ بستر کی طرف بڑھا، گہری سانس لیتے ہوئے تکیہ درست کیا اور لیٹ گیا۔ جیسے ہی وہ لیٹا، ماہ پارہ نے بازو ہٹا کر کروٹ بدلی۔ جہانگیر نے گردن موڑ کر

اسے دیکھا، پھر نرمی سے اس کا بازو تھام کر اسے اپنی طرف موڑ دیا۔ ماہ پارہ کی سوجی آنکھیں دیکھ کر اس کے دل میں ٹھیس اٹھی۔

ماہ پارہ نے استفہامیہ نظروں سے اسے دیکھا، جیسے کچھ کہنے کو تھی، مگر جہانگیر نے بنا کوئی لفظ کہے اسے اپنی بانہوں میں بھر لیا۔ اس کا سر اپنے سینے پر ٹکایا اور بازوؤں کا نرمی سے حصار بنایا۔ اس نے گہری سانس لی۔

ماہ پارہ اس کی جسارت پر ششدر رہ گئی، مگر اس میں مزاحمت کی ہمت نہیں تھی۔ نہ ہی شاید کوئی خواہش۔ جہانگیر نے آنکھیں بند کر لیں۔

ماہ پارہ اس کے دل کی دھڑکنیں صاف سن سکتی تھی۔ مضبوط، مگر بے ترتیب۔ خاموش، ساکت کمرے میں اس کی گہری چلتی سانسیں ماہ پارہ کے دل میں اتر رہی تھیں۔ چند لمحے بعد، اس نے بھی آنکھیں موند لیں۔

ان کا رشتہ ایسا ہی تھا۔

یہ ایک دوسرے سے زیادہ دیر ناراض نہیں رہ سکتے تھے۔

اور انہیں ناراضگی ختم کرنے کے لیے الفاظ کی بھی ضرورت نہیں تھی...

* * * * * *

صبح سورج کی کرنیں ہر سو پھیل چکی تھیں۔ ماہ پارہ فجر کے وقت سے ہی جاگی ہوئی تھی۔ وہ سنگھار میز کے سامنے کھڑی آہستہ آہستہ برش سے اپنے بال سنوار رہی تھی۔ جہانگیر ابھی تک سو رہا تھا۔ کل کا دن خاصا تھکا دینے والا تھا۔

ماہ پارہ نے برش رکھ دیا اور بالوں کی چوٹیاں بنانے لگی۔ اسے نیچے جانے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ اگر جہانگیر ساتھ ہوتا، تو اسے قدرے سکون محسوس ہوتا، لیکن کل رات اس کا یوں خاموش رہنا اسے کھٹک رہا تھا۔ چوٹیاں بنانے کے بعد وہ خاموشی سے سٹڈی روم میں چلی گئی۔

کمرے میں نگاہ دوڑاتے ہوئے اس کی نظر ایک شیلف پر پڑی۔ وہی شیلف، جس کے قریب جانے سے سالوں پہلے جہانگیر نے سختی سے منع کر دیا تھا۔ وہ آہستہ قدموں سے آگے بڑھی اور شیلف کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ وہاں زیادہ تر نان فکشن کتابیں رکھی تھیں۔ اس نے بے دلی سے چند کتابیں

اٹھا کر دیکھیں اور واپس رکھ دیں۔ اسی دوران، اس کی نظر چند پرانے رسالوں پر پڑی، اور بے اختیار اس کے لبوں پر مسکراہٹ آگئی۔ وہ خوشی سے ایک رسالہ نکال کر جہانگیر کی کرسی پر بیٹھ گئی۔

جتنی دیر وہ رسالہ پڑھتی رہی، اتنی دیر میں جہانگیر بھی جاگ چکا تھا۔ وہ تولیے سے سر خشک کرتا ہوا واش روم سے باہر آیا، اس کے ماتھے پر بھیگے بال بکھرے ہوئے تھے۔ پہلے تو وہ نیچے جانے کا سوچ رہا تھا، لیکن پھر کچھ خیال آنے پر رک گیا۔ وہ جانتا تھا کہ کل رات کے واقعے کے بعد ماہ پارہ تنہا نیچے نہیں جائے گی۔ وہ سیدھا سٹڈی روم کی طرف چل دیا۔

دروازہ کھلنے کی آواز پر ماہ پارہ نے چونک کر سر اٹھایا۔ جہانگیر مسکراتے ہوئے اندر داخل ہوا اور اس کے سامنے والی کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

"ناراض ہو؟" اس نے کہنیاں میز پر رکھ کر ہتھیلیاں آپس میں پھنسا لیں، بالکل ویسے ہی جیسے دس سال پہلے ماہ پارہ نے اسی جگہ بیٹھ کر اس سے پوچھا تھا۔

ماہ پارہ نے کوئی جواب نہ دیا اور دوبارہ رسالہ پڑھنے لگی۔

"تو اس کا مطلب ہے کہ تم ناراض ہو؟" وہ کرسی سے ٹیک لگا کر بولا۔

ماہ پارہ نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"تو پھر بات کیوں نہیں کر رہی؟"

"میری مرضی۔" اس نے بے پروائی سے جواب دیا اور اٹھ کر رسالہ واپس شیلف میں رکھ دیا۔

جہانگیر اس کے پیچھے آیا۔ ماہ پارہ جیسے ہی پلٹی، وہ قریب کھڑا نظر آیا۔ وہ گھبرا کر ایک قدم پیچھے ہٹی اور اس کی پشت شیلف سے جا لگی۔ جہانگیر نے اس کے دائیں اور بائیں ہاتھ رکھ کر اسے اپنی نظروں کے حصار میں لے لیا۔

"جب بھی میں تمہاری آنکھوں میں دیکھتا ہوں، ایسا لگتا ہے جیسے میرے ارد گرد سب کچھ دھندلا گیا ہو۔" اس کی گہری نظریں ماہ پارہ کی آنکھوں میں اترتی چلی گئیں۔

"اور جب میں ان آنکھوں میں جھانکتا ہوں، تو خود کو ہمیشہ ان میں کھویا ہوا پاتا ہوں۔ تمہاری آنکھوں نے مجھ پر جادو کر دیا ہے، یار۔" یہ وہ الفاظ تھے، جو جہانگیر نے دس سال میں ایک بار بھی نہیں کہے تھے، لیکن آج ماہ پارہ کی سنہری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہہ دیے تھے۔ ماہ پارہ دم بخود کھڑی رہی۔

"فلرٹ کر رہے ہیں؟" اس نے بمشکل خود کو سنبھالا اور شرارت سے کہا۔

جہانگیر ہلکا سا مسکرایا۔ "بیوی سے کون فلرٹ کرتا ہے، یار؟"

"پیچھے ہٹیں، آپ دور سے بات نہیں کر سکتے کیا؟" ماہ پارہ نے دونوں ہاتھوں سے اسے پیچھے دھکیلنے کی کوشش کی۔

"میری عمر ہو گئی ہے نا، آواز دور سے سنائی نہیں دیتی۔" وہ شوخی سے بولا۔

"کوئی بات نہیں، میں اونچی آواز میں بول لیا کروں گی، بس آپ پیچھے رہ کر بات کریں۔"

جہانگیر نے ہنستے ہوئے ہاتھ ہٹائے اور پیچھے ہو گیا۔

"ناشتہ کرنے چلیں؟ مجھے بھوک لگ رہی ہے، اور پھر تم نے رات کو کچھ کھایا بھی نہیں تھا۔" وہ اس کا ہاتھ تھام کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

وہ دونوں ڈائننگ ٹیبل کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ سب پہلے سے موجود تھے اور ناشتہ جاری تھا۔ جہانگیر نے ایک کرسی کھینچ کر ماہ پارہ کو بٹھایا اور خود اس کے برابر والی کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس کے عین سامنے اینہ بیٹھی تھیں۔ ماہ پارہ نے نظریں جھکا لیں۔

جہانگیر اور سیف آنکھوں ہی آنکھوں میں اشاروں کے ذریعے بات کر رہے تھے۔ حسن بھی کمرے سے نکل کر ان کے ساتھ آبیٹھا۔ سب خاموشی سے ناشتہ کر رہے تھے جب اینہ کی آواز نے خاموشی توڑی۔

"حسن کا نکاح اس جمعہ کو ہوگا، اور ولیمہ جہانگیر اور حسن دونوں کا ایک ساتھ ہوگا۔"

چند لمحے کے لیے خاموشی چھا گئی۔ حسن اور جہانگیر چونک کر اینہ بیگم کو دیکھنے لگے، مگر اس کے برعکس ماہ پارہ بالکل پرسکون تھی۔

"ممی، میں نے تو صرف نکاح کے لیے ہاں کہا تھا، ولیمہ ابھی نہ کریں۔" حسن نے بے بسی سے کہا۔

"کیوں؟ تم نے اپنی عمر دیکھی ہے؟ ہمارے اور بھی بچے ہیں، ان کی شادیاں بھی کرنی ہیں۔" اینہ کے لہجے میں قطعیت تھی۔

سیف کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ابھری اور اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

"ٹھیک ہی کہہ رہی ہیں تمہاری ماں۔ جلد یا بدیر تو شادی کرنی ہی ہے۔" داؤد صاحب نے سنجیدگی سے کہا۔

"ماں سا، آپ پہلے بتا دیتیں! میں تو آج رات کی فلائٹ سے جا رہا ہوں۔ انتظامات آپ لوگوں کو ہی سنبھالنے ہوں گے۔ اگر پہلے معلوم ہوتا کہ نکاح اتنی جلدی ہونے والا ہے، تو میں جانے کا ارادہ ہی نہ کرتا۔ جہانگیر نے جوس کا گلاس لبوں سے لگاتے ہوئے کہا۔

ماہ پارہ نے گردن موڑ کر اسے دیکھا، اس کی آنکھوں میں خفگی در آئی۔

"کیوں؟ خیریت؟" داؤد صاحب نے پوچھا۔

"جی بابا، ایک دوست کا مسئلہ ہو گیا ہے، اس کا کیس لڑنا ہے۔" جہانگیر نے وضاحت دی۔

"بھائی، میں چلا جاتا ہوں آپ کی جگہ۔" سیف نے فوراً کہا۔

"مسئلہ یہ ہے کہ جس کا کیس میں لڑ رہا ہوں، وہ میرا قریبی دوست ہے اور چاہتا ہے کہ میں ہی اس کا مقدمہ لڑوں۔" جہانگیر نے کندھے اچکائے۔

ماہ پارہ اب بھی اسے خاموشی سے دیکھ رہی تھی۔ جہانگیر کو معلوم تھا کہ وہ اسے ہی دیکھ رہی ہے، اس لیے اس نے اس سے نظریں ملانے کی غلطی نہیں کی۔

"واپسی کب تک ہوگی؟" حسن نے پوچھا۔

"تمہارے نکاح سے پہلے پہنچ جاؤں گا۔" جہانگیر نے اطمینان سے کہا۔

حسن نے 'اوکے' کہہ کر جوس کا گلاس ہونٹوں سے لگا لیا۔ ماہ پارہ بدستور خاموش رہی۔ اس نے ناشتہ ختم کر دیا تھا۔ داؤد صاحب فیکٹری کے لیے روانہ ہو گئے۔

"ماہ پارہ، جا کر رامین اور رنزہ کو جگا دو، کہو آکر ناشتہ کر لیں۔" جہانگیر نے ماہ پارہ کی مسلسل نظریں خود پر محسوس کرتے ہوئے کہا۔

ماہ پارہ نے خفگی سے اسے گھورا اور وہاں سے اٹھ کر رنزہ کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

ماہ پارہ کے جانے کے بعد امینہ نے جہانگیر کو مخاطب کیا۔

"جہانگیر، اپنی بیوی سے کہہ دینا کہ آج کہیں نہ جائے، مجھے اس سے کچھ کام ہے۔"

جہانگیر نے سر ہلایا اور امینہ بیگم اپنے کمرے میں چلی گئیں۔

"ممی کو کیا ہوا؟" حسن نے حیرت سے پوچھا۔

"آپ کو نہیں پتا؟" اس سے پہلے کہ جہانگیر کچھ کہتا، سیف ڈرامائی انداز میں بولا۔

"کل کیا ہوا تھا؟" حسن نے الجھے ہوئے انداز میں پوچھا۔

"بس، کل ممی کو تھوڑا سا غصہ آگیا تھا۔" وہ فوراً جہانگیر کی گھوری کا نشانہ بن گیا۔

"تمہاری مصر والی گرل فرینڈ کا کیا بنا، حسن؟" جہانگیر نے اچانک سوال داغا۔

"طلاق دے دی .... میرا مطلب ہے، بریک اپ ہو گیا، بھائی۔" حسن نے فوراً اپنی بات درست کی، مگر دیر ہو چکی تھی۔ سیف کا قہقہہ پورے کمرے میں گونجا۔

جہانگیر کے لبوں پر ہنسی آتے آتے رک گئی۔

"گرل فرینڈ کو طلاق؟ بھائی، آپ ....؟" سیف ایک بار پھر بے ساختہ ہنسا۔

"سیف، بند کرو اپنی ہنسی، سخت زہر لگ رہے ہو اس وقت!" حسن نے غصے سے کہا۔

جہانگیر نے افسوس سے سر نفی میں ہلایا۔

جہانگیر نے افسوس سے سر نفی میں ہلایا۔

"تمہارے یہاں شاید گرل فرینڈ کو طلاق دی جاتی ہے اور بیوی سے بریک اپ کیا جاتا ہے؟" یہ سنتے ہی سیف کا ایک اور قہقہہ گونجا۔

"سیف، اگر تم نے اب ہنسی، تو میں تمہاری شادی سے پہلے ہی تمہیں طلاق دلواؤں گا!" حسن جھنجھلا گیا۔ سیف کی ہنسی فوراً رک گئی۔

"استغفر اللہ! ٹھیک ہے، نہیں ہنستا۔" وہ بڑبڑاتا ہوا وہاں سے اٹھ گیا۔

حسن نے جیسے سکون کا سانس لیا۔

"جی، سب پتا چل گیا مجھے۔" اس نے حسن کی سوالیہ نظروں کے جواب میں کہا۔

"یہ سب آپ کی بیوی نے کہا تھا مجھے کرنے کو۔" حسن نے وضاحت دینے کی کوشش کی۔

NOVEL HUT

"جی، یہ بھی معلوم ہے مجھے۔ اب تم آرام کرو، میں نہیں چاہتا کہ تمہاری طبیعت ذرا بھی خراب ہو۔" جہانگیر نے ہدایت دی اور اٹھ کر کمرے میں چلا گیا۔ اسے اپنا سامان بھی پیک کرنا تھا۔

رنزہ کا رویہ اب ماہ پارہ کے ساتھ قدرے بہتر ہو چکا تھا۔ ماہ پارہ، رامین اور رنزہ کو ناشتہ کروا کر جب اپنے کمرے میں آئی، تو جہانگیر کو سامان پیک کرتے دیکھ کر اس کا دل بجھ سا گیا۔ وہ محض دو دن کے لیے جا رہا تھا، لیکن ان چند دنوں میں ماہ پارہ کو اس کی عادت ہو گئی تھی۔ نادانستہ طور پر ایک آنسو اس کے گال پر پھسل آیا۔

"میں یہاں اکیلی کیسے رہوں گی؟" وہ جیسے کسی ٹرانس کی کیفیت میں بولی۔

جہانگیر نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور پھر ٹھہر گیا۔

"اکیلی تو نہیں ہو، سب ہیں نا۔" اس نے فوراً نظریں ہٹا لیں۔

"پر آپ تو نہیں ہوں گے۔" ماہ پارہ نے مدھم لہجے میں کہا۔

NOVEL HUT

"دو دن کی بات ہے، جب واپس آؤں گا، تو پھر ایک بار رات کو شہر گھومنے نکلیں گے۔" وہ مسکرا کر بولا اور بیگ کی زِپ بند کر دی۔

ماہ پارہ بدستور خاموش رہی۔ جہانگیر نے گہری سانس لی اور اس کے قریب آکر نرمی سے اس کے ہاتھ تھام لیے۔

"اور اگر آنٹی نے مجھے پھر سے کچھ کہا تو؟"

"نہیں کہیں گی کچھ.... اور اگر کہہ بھی دیا تو ماں سمجھ کر درگزر کر دینا۔" وہ دھیرے سے بولا۔

"میں انہیں ماں ہی سمجھتی ہوں، بس اچھا نہیں لگتا جب وہ مجھ پر غصہ کرتی ہیں۔" ماہ پارہ نے نظریں جھکا کر ناک سکوڑتے ہوئے کہا۔

"تو پھر میری طرح انہیں 'ماں سا' کہنا شروع کر دو، پھر دیکھنا، وہ کچھ نہیں کہیں گی۔"

جہانگیر کے کہنے پر ماہ پارہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

NOVEL HUT

******

ان چند دنوں میں ماہ پارہ نے جہانگیر کو شدت سے یاد کیا تھا۔ اسے ہر لمحہ اس کی کمی محسوس ہو رہی تھی۔ دو دن کا کہہ کر وہ تین دن گزار چکا تھا، اور آج چوتھا دن تھا، مگر وہ اب تک کہیں دکھائی نہیں دیا تھا۔

آج ڈھولکی کی محفل لڑکیوں کے اصرار پر رکھی گئی تھی۔ گھر کو ہلکے، لطیف پھولوں سے آراستہ کیا گیا تھا۔ اس وقت گھر میں صرف عورتوں کا ہجوم تھا۔ ماہ پارہ رابین کے ساتھ صوفے پر بیٹھی تھی۔ رابین خوشی خوشی اپنے ہاتھوں پر مہندی لگوا رہی تھی، جبکہ رنزا بھی اس کے ساتھ بیٹھ کر قہقہے لگا رہی تھی۔ ان چند دنوں میں رابین اور رنزا کی اچھی دوستی ہو چکی تھی۔ اینہ کا رویہ بھی اب ماہ پارہ کے ساتھ نرم پڑ چکا تھا۔

ماہ پارہ فیروزی لباس میں ملبوس تھی، اس کے بال جوڑے میں بندھے ہوئے تھے، اور چہرے کے اطراف چند نرم لٹیں اس کی گالوں کو چھو رہی تھیں۔ زیور کے نام پر بس سونے کے کنگن پہن رکھے تھے، جو اینہ کے اصرار

پر اس نے پہن لیے تھے۔ اس کی نظریں دروازے پر جمی ہوئی تھیں، وہ بے صبری سے جہانگیر کا انتظار کر رہی تھی۔

"مہندی لگوانی ہے؟" مہندی والی نے اس سے پوچھا۔

ماہ پارہ نے اثبات میں سر ہلایا اور اپنی ہتھیلیاں اس کے سامنے پھیلا دیں۔

ڈھولکی کی آواز، لڑکیوں کی ہنسی، مہندی کی خوشبو، اور انواع و اقسام کے کھانوں کی مہک نے گھر میں خوشگوار ماحول پیدا کر دیا تھا۔ ادھر سیف، حسن اور داؤد مردان خانے میں بیٹھے مہمانوں کے ساتھ محوِ گفتگو تھے۔ اینہ، جو پہلے ماہ پارہ کو کسی سے ملوانے کے حق میں نہ تھیں، اب اسے سب سے روشناس کرا رہی تھیں۔

"آپی، کل ماما بابا آجائیں گے نا؟" رائین نے ماہ پارہ کے سامنے آکر پوچھا۔

"جی، انہوں نے تو یہی کہا ہے۔"

"آپی، پلیز ان سے کہیں کہ مزید ایک ہفتہ رک جائیں۔" رائین نے معصومیت سے آنکھیں جھپکائیں۔

ماہ پارہ مسکرا دی۔ "ظاہر ہے، میری جان! اگلے ہفتے ہمارا ولیمہ ہے، وہ کیسے نہیں رکیں گے؟"

"میں مہندی دھو لوں؟" رائین نے اپنے ہاتھوں پر نظر ڈالتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں، دھو لو۔" ماہ پارہ نے بھی اپنے ہاتھوں کی طرف دیکھا، مہندی خشک ہو چکی تھی۔

"آپی، آپ نے صرف ہتھیلی پر مہندی کیوں لگوائی ہے؟"

"کیونکہ جہانگیر نے ایسا کہا تھا۔" وہ مسکرا دی۔

"اوہ، تبھی تو...." رائین نے شرارت سے کچھ کہنا چاہا، مگر ماہ پارہ نے فوراً آنکھیں دکھائیں۔

"اچھا آپی، میں جا رہی ہوں، رنزا میرا انتظار کر رہی ہوگی۔" وہ کہہ کر وہاں سے چلی گئی۔

رات بیت گئی۔ لڑکیاں مہندی لگوانے کے بعد کھانے سے فارغ ہو کر اپنے کمروں میں جا چکی تھیں۔ صبح جلدی جاگنا تھا، اس لیے سب گہری نیند سو گئے تھے۔ نکاح کی تقریب قریب تھی، جس میں صرف قریبی عزیزوں کو مدعو کیا گیا تھا۔ کچھ مہمان پہلے ہی پہنچ چکے تھے۔

ماہ پارہ صوفے سے ٹیک لگائے آنکھیں بند کیے جہانگیر کے انتظار میں تھی۔ انتظار کرتے کرتے وہ نیند کی وادی میں جا پہنچی۔ اس کے ہاتھوں کی مہندی مکمل طور پر خشک ہو چکی تھی، مگر اس نے ابھی تک دھوئی نہیں تھی۔

کچھ دیر بعد جہانگیر گھر میں داخل ہوا۔ اس کا سامان گاڑی میں رکھا تھا، اور وہ تھکن کے آثار لیے اندر بڑھا۔ اس کی شرٹ کی آستینیں کہنیوں تک چڑھی ہوئی تھیں۔ جیسے ہی اس کی نظر سامنے پڑی، وہ ٹھہر گیا۔

صوفے پر بیٹھی ماہ پارہ، جو نیند میں محو تھی، اسے دیکھ کر وہ حیران ہوا۔ اس کے چہرے پر ایک نرم مسکراہٹ ابھری۔

(میری موجودگی میں تو کبھی یوں تیار نہیں ہوتی !) اس نے دل میں سوچا، یہ جانے بغیر کہ سادگی کی شرط بھی اسی نے رکھی تھی۔

وہ دھیرے سے آگے بڑھا اور اس کے قریب بیٹھ کر مدھم سرگوشی کی۔

"ماہ پارہ، اٹھ جاؤ، میں آگیا ہوں۔"

ماہ پارہ ہلکی سی کسمسائی، مگر آنکھیں نہ کھولیں۔ جہانگیر کے لبوں پر دبی دبی مسکراہٹ آگئی۔ اس نے آہستہ سے اس کے مہندی زدہ ہاتھ تھامے، انہیں ناک کے قریب لے جا کر مہندی کی خوشبو محسوس کی، اور پل بھر کو آنکھیں موند لیں۔

ماہ پارہ نے نیم وا آنکھوں سے اسے دیکھا، اسے لگا جیسے کوئی خواب دیکھ رہی ہو۔ وہ ہلکا سا مسکرا کر دوبارہ آنکھیں موند گئی۔

جہانگیر بے ساختہ ہنس پڑا۔ اس کی آواز سن کر ماہ پارہ کی آنکھیں پوری کھل گئیں۔ وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

NOVEL HUT

"آپ آ گئے؟" اس کے لہجے میں حیرانی تھی، وہ تو سمجھ رہی تھی کہ وہ آج بھی نہیں آئے گا۔

"زیادہ دن تک دور رہ کر اپنی بیوی کو ناراض تو نہیں کر سکتا تھا نا۔" جہانگیر کی اس بات پر ماہ پارہ کے رخسار سرخ پڑ گئے۔ اس کا ہاتھ ابھی تک جہانگیر کی گرفت میں تھا۔

"اگر میری ناراضی کی اتنی ہی فکر تھی، تو دو دن کا کہہ کر دو دن میں ہی آ جاتے! چار دن لگانے کی ضرورت کیا تھی؟ پتا نہیں کون سی نئی بیوی شہر میں آ بسی تھی جس سے ملنے گئے تھے!" وہ خفگی سے بولی اور ہاتھ چھڑوانے کی کوشش کرنے لگی، مگر بے سود۔

جہانگیر کو اس کے الفاظ پر حیرت ہوئی۔ "لڑنے کا دل چاہ رہا ہے؟"

"آپ مجھے لڑاکا کہہ رہے ہیں؟" وہ منہ پھلا کر سر جھکا گئی۔

جہانگیر اس کی معصوم ناراضگی پر محظوظ ہوا۔ نرمی سے اس کے ہاتھ چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔ ماہ پارہ نے گمان کیا کہ شاید وہ برا مان گیا، مگر اگلے ہی لمحے جہانگیر نے اپنی ہتھیلی اس کے سامنے پھیلا دی۔

ماہ پارہ نے ہچکچاتے ہوئے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دیا اور کھڑی ہو گئی۔

"مہندی دھو کر سو جاؤ، صبح جلدی اٹھنا ہے۔" ماہ پارہ نے اس کی بات پر سر جھٹکا۔

******

ماہ پارہ سنگھار میز کے سامنے کھڑی آخری بار آئینے میں خود کو سر سے پاؤں تک دیکھ رہی تھی۔ وہ سرمئی رنگ کے ریشمی کامدار لباس میں ملبوس تھی، اس کے آدھے بال کیچر میں بندھے ہوئے تھے۔ دوسری طرف، جہانگیر بھی اسی رنگ کی شلوار قمیض پہنے کھڑا تھا، حسبِ معمول اس کی آستینیں کہنی تک چڑھی ہوئی تھیں۔ وہ سنگھار میز تک آیا، ایک نگاہ ماہ پارہ پر ڈالی اور پھر بے پرواہی سے اپنے بال ہاتھ سے بکھیر دیے۔

ماہ پارہ نے اس کی اس عادت پر آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھا، مگر جہانگیر نے اسے نظر انداز کرتے ہوئے اپنی توجہ اپنے کام پر مرکوز رکھی۔ اس نے دراز کھولی اور اندر سے اپنا پسندیدہ پرفیوم نکال کر خود پر چھڑکا۔ خوشبو اتنی لطیف اور دلکش تھی کہ جو بھی اس کے قریب سے گزرتا، بے اختیار اس مہک کو اپنے اندر اتارنے لگتا۔ اس سے پہلے کہ وہ دوبارہ پرفیوم چھڑکتا، ماہ پارہ نے جھٹ سے اس کے ہاتھ سے پرفیوم کی شیشی لے لی۔

"بس کریں جہانگیر!"

"میں نے کیا کیا؟" وہ معصومیت سے بولا۔

"میں تو تمہارے لیے سنور رہا ہوں۔ میرے بال دیکھو، کیا یہ انداز تمہیں پسند نہیں؟" وہ اسے اپنے حصار میں لیے دھیمے لہجے میں بولا۔

"یہ آپ کو کس نے کہا؟"

"کہنے کی ضرورت نہیں، میں سب سمجھ لیتا ہوں۔"

"ہٹیں اب، بھابھی نے کہا تھا کہ تیار ہو کر فوراً ان کے کمرے میں آ جاؤں۔" وہ نرمی سے اس سے دور ہوتے ہوئے بولی۔

یاسمین اور حیدر صبح کی پرواز سے ہی پہنچ چکے تھے۔ ماہ پارہ کمرے سے نکل کر یاسمین کے کمرے کی طرف بڑھی۔

"بھابھی، آپ کو کسی چیز کی ضرورت تو نہیں؟" اس کے سوال پر یاسمین نے مسکرا کر نفی میں سر ہلا دیا۔

"مجھے ضرورت ہے، آپی! دیکھیں نا، دوپٹہ صحیح سے نہیں سنوارا جا رہا۔" وہ واش روم سے نکل کر بے ساختہ کہنے لگی۔

"رکو، میں درست کر دیتی ہوں۔" ماہ پارہ محبت سے اس کا دوپٹہ سنوارنے لگی۔

یاسمین تیار ہو کر نیچے چلی گئی۔ چند لمحے بعد دروازے پر دستک ہوئی۔ ماہ پارہ نے اجازت دی تو رنزہ اندر داخل ہوئی۔

"آپ کو مما دولہن کے کمرے میں بلا رہی ہیں۔"

"تم جاؤ، میں بس دوپٹہ ٹھیک کر آتی ہوں۔" ماہ پارہ نے نرمی سے جواب دیا۔

"آپ رہنے دیں، میں دیکھ لوں گی۔ مجھے آتا ہے۔" رنزہ آگے بڑھی، اور ماہ پارہ وہاں سے نکل گئی۔

نکاح کی مبارک گھڑی آن پہنچی تھی۔ ماہ پارہ، حورین کا ہاتھ تھامے اسے نیچے لے آئی۔ حسن کا نکاح ابینہ کی بڑی بہن کی چھوٹی بیٹی سے طے پایا تھا۔ حسن کو اس پر کوئی اعتراض نہ تھا، کیونکہ وہ ہمیشہ اپنی ماں کے فیصلے کو اولین ترجیح دیتا تھا۔

آج حویلی کو نہایت دلکش انداز میں سجایا گیا تھا۔ جہانگیر کے وقت جو کمی رہ گئی تھی، ابینہ وہ سب حسن کے نکاح میں پورا کر رہی تھیں۔

لاؤنج کے بیچوں بیچ دو کرسیاں آمنے سامنے رکھی گئیں، جن کے درمیان سرخ اور سفید گلابوں کی حسین چادر حائل تھی۔ پورے گھر کو انہی رنگوں کے

NOVEL HUT

تازہ گلابوں سے خوشبوؤں میں بسایا گیا تھا۔ چونکہ نکاح کی تقریب مختصر تھی، اس لیے زیادہ مہمان مدعو نہ کیے گئے، جس کے باعث ہجوم بھی کم تھا۔

ذوالقرنین کسی مجبوری کے تحت نہ آسکے، مگر انہوں نے زائشہ کو زبردستی بھیج دیا۔

حسن اپنی کرسی پر بیٹھ چکا تھا۔ ماہ پارہ نے حورین کو اس کے سامنے بٹھا دیا اور اس کے کندھے پر نرمی سے ہاتھ رکھا، جیسے اسے حوصلہ دے رہی ہو۔

ماہ پارہ کی نظر زائشہ پر پڑی، جو ایک پل کے لیے بھی جہانگیر سے نگاہیں نہیں ہٹا رہی تھی۔ ماہ پارہ نے بے ساختہ صبر کا گھونٹ بھرا اور سر جھٹک دیا۔ جہانگیر کو کوئی بھی دیکھے، اسے اس کی پرواہ نہ تھی، بس یہ اہم تھا کہ جہانگیر کس کو دیکھ رہا تھا۔

راین اور رنزہ بھی آچکی تھیں اور یاسمین کے ساتھ جا کھڑی ہوئیں۔ حیدر، داؤد اور سیف قریب ہی موجود تھے، جبکہ جہانگیر ان سب سے ذرا فاصلے پر خاموش کھڑا تھا۔

حسن نے گھونگھٹ میں لپٹی، سفید لباس میں ملبوس دلہن کو سرسری نظر سے دیکھا۔ اگرچہ اس کا چہرہ گھونگھٹ کی اوٹ میں تھا، مگر اس کے لرزتے ہاتھوں کی کپکپاہٹ نمایاں تھی۔ حسن نے نظر جھکا لی۔

اینہ، حورین کے دائیں جانب، جبکہ عدیلہ اس کی بائیں طرف جا کھڑی ہوئیں۔ ماہ پارہ نے خود کو جہانگیر کے قریب پایا، اتنے فاصلے پر کہ اگر وہ کچھ کہے تو اس کی آواز بخوبی سنائی دے۔

قاضی صاحب نکاح کے بابرکت کلمات دہرانے لگے۔

"ہم بھی دوبارہ نکاح کر لیں؟" جہانگیر نے دھیمی آواز میں سامنے دیکھتے ہوئے کہا۔

"جہانگیر، وقت اور موقع کی نزاکت سمجھا کریں، یہ مذاق کرنے کا وقت نہیں۔" ماہ پارہ نے ہونٹ بھینچ کر بظاہر مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہمارے نکاح کے وقت یہ سب اہتمام نہیں تھا نا، تبھی کہہ رہا ہوں کہ دوبارہ نکاح کر لیتے ہیں۔"

"ہمارے نکاح کے وقت حالات بھی ایسے نہیں تھے کہ یہ سب کیا جاتا۔"

ماہ پارہ نے سخت نظروں سے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

جہانگیر نے اسے بغور دیکھا، تو ماہ پارہ ہلکا سا مسکرا دی۔

حسن اور حورین کا نکاح بخیر و خوبی انجام پا چکا تھا۔ دونوں نے نکاح نامے پر دستخط ثبت کر دیے۔ خوشی کے اس موقع پر سب ایک دوسرے کو مبارکباد دے رہے تھے۔

جہانگیر، حسن کے قریب آیا اور گلے لگا لیا۔ حسن، خوشی خوشی سب سے بغل گیر ہو رہا تھا۔

ماہ پارہ دولہن کے پاس جا بیٹھی۔ نکاح کی تقریب اپنے اختتام کو پہنچی۔ عدیلہ بیگم، اپنی بیٹی کو ہمراہ لے کر واپس روانہ ہو چکی تھیں۔ دو دن بعد ان چاروں کا ولیمہ تھا۔

* * * * * *

"جہانگیر، میں سوچ رہی تھی کہ کل اسکول میں فری طبی معائنے کے کیمپ کا اہتمام کروں۔" وہ بیڈ پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"ہوں۔" مختصر سا جواب آیا۔ وہ خاصا تھکا ہوا تھا اور سونے کے ارادے سے لیٹا تھا، مگر ماہ پارہ کی گفتگو نے اس کی نیند کو روکے رکھا۔

"میں جب سے آئی ہوں، مجھے تو بچوں پر توجہ دینے کا مناسب وقت بھی نہیں ملا۔" وہ مایوسی سے بولی۔

"کوئی بات نہیں، ابھی پوری زندگی خدمت کے لیے باقی ہے۔" وہ کروٹ لیتے ہوئے نیند سے بوجھل آواز میں بولا۔

"لیکن جہانگیر، اگر کوئی نہ کلینک آسکا اور نہ ہی حویلی، تب کیا کریں گے؟" ایک نئی فکر نے اسے آگھیرا۔

"اس کے بارے میں پھر کبھی سوچیں گے۔" اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔

ماہ پارہ نے ایک نظر اس کے پرسکون چہرے پر ڈالی، پھر چراغ کی واحد بتی بجھا دی اور کمبل اوڑھ کر خود بھی خوابوں کی وادی میں کھو گئی۔

******

صبح حسبِ معمول وہ جلدی جاگ گئی۔ چند لمحے چھت کو تکتے رہنے کے بعد بستر سے اٹھی اور الماری سے کپڑے نکال کر باتھ روم چلی گئی۔ آج اسے اسکول میں مفت طبی کیمپ کا انتظام کرنا تھا، جس کا وہ کئی دنوں سے سوچ رہی تھی، مگر موقع نہیں مل سکا تھا۔

وہ نہا کر نکلی تو جہانگیر کو ابھی تک سوتے پایا۔ وہ اس کے قریب آئی اور آہستہ سے اس کا کندھا ہلایا۔

"جہانگیر، اٹھ جائیے نا، آج ہمیں اسکول جانا تھا۔"

"ہوں۔" وہ جاگ چکا تھا مگر آنکھیں بند کیے لیٹا رہا، البتہ اس کی آواز سنتے ہی فوراً اٹھ بیٹھا۔

ماہ پارہ آئینے کے سامنے کھڑی بالوں میں کنگھی کر رہی تھی۔ جب وہ مکمل طور پر تیار ہو گئی، تو جہانگیر بھی تازہ دم ہو کر باتھ روم سے باہر آیا۔ وہ الماری سے اپنے کپڑے نکال رہا تھا جب ماہ پارہ اس کے پیچھے جا کر کھڑی ہو گئی۔

"ناشتا بنا دوں؟" ماہ پارہ نے نرمی سے پوچھا۔

جہانگیر نے حیرت سے پلٹ کر اسے دیکھا۔ "تمہیں ناشتا بنانا آتا ہے؟"

"امی نے سکھایا تھا۔ کہہ رہی تھیں کہ اگر شوہر کو خوش رکھنا ہے تو اسے مزیدار کھانے پکا کر کھلانا چاہیے۔" وہ ہلکی سی مسکراہٹ دبا کر بولی۔

جہانگیر نے ایک قدم آگے بڑھایا اور نرمی سے کہا۔ "مجھے خوش کرنے کے لیے تمہیں یہ سب کرنے کی ضرورت نہیں۔ بس اپنا خیال رکھو اور اپنی ذات پر توجہ دو، یہی میرے لیے سب سے بڑی خوشی ہوگی۔"

ماہ پارہ کھلکھلا کر مسکرا دی۔ "تو پھر ناشتا رہنے دوں؟"

جہانگیر نے آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھا اور مسکراتے ہوئے بولا۔ "ناشتاپیٹ بھرنے کے لیے بناؤ، مجھے خوش کرنے کے لیے نہیں۔"

ماہ پارہ ہنستے ہوئے کمرے سے نکل گئی تاکہ ناشتا بنا سکے۔

******

ماہ پارہ نے کیمپ کے انتظامات کے تحت ایک بڑے خیمے کو عارضی طبی کلینک میں تبدیل کر دیا تھا۔ اندر مختلف حصے چیک اپ کی مختلف سرگرمیوں کے لیے مخصوص کیے گئے تھے۔ جہانگیر تمام ضروری انتظامات مکمل کرنے کے بعد فیکٹری چلا گیا تھا، جبکہ ماہ پارہ کے ساتھ چند دیگر افراد بھی موجود تھے۔ وہ بچوں کے طبی معائنے میں مصروف تھی۔

یہ سب منظر وہاں موجود لڑکیوں کے لیے نیا اور حیرت انگیز تھا۔ بچوں کو خوش رکھنے کے لیے ماہ پارہ نے کھلونوں اور گیمز کے ساتھ ایک پلے ایریا بھی تیار کیا تھا۔ وہ باری باری بچوں کا چیک اپ کر رہی تھی اور ہر بچے کا نام لکھ کر اس کی ضروریات، طبی ہدایات، اور احتیاطی تدابیر کو بھی نوٹ کر رہی تھی۔

مزید برآں، ماہ پارہ نے والدین کو تسلی دی کہ ان کے بچوں کا ہر ماہ مفت چیک اپ کیا جائے گا۔ اگر انہیں کسی بھی وقت ڈاکٹر کی ضرورت محسوس ہو تو

وہ بلا جھجک اپنے بچوں کو اس کے پاس لا سکتے ہیں۔ والدین کے چہروں پر خوشی اور اطمینان جھلک رہا تھا۔ آج وہ اپنے فیصلے پر مطمئن دکھائی دے رہے تھے۔

ماہ پارہ کو یقین تھا کہ جو والدین اب تک اپنی بچیوں کو اسکول بھیجنے سے ہچکچا رہے تھے، وہ بھی اس خبر کے بعد بے فکر ہو جائیں گے۔ وہ ہر بچے کے والدین سے الگ الگ ملاقات کر رہی تھی۔ ابھی وہ ایک بچی کے والدین سے گفتگو میں مصروف تھی کہ اچانک میرب اور کبیر بھاگتے ہوئے اس سے آکر لپٹ گئے۔

ماہ پارہ نے نرمی سے ان سے معذرت کی اور محبت بھرے انداز میں انہیں خود سے ذرا فاصلے پر کیا۔ پھر وہ گھٹنوں کے بل بیٹھ کر ان کے چہروں پر ہاتھ رکھتے ہوئے مسکرا کر گویا ہوئی۔

"کیسے ہیں میرے بچے؟"

"پھوپھو، آپ اس دن کے بعد سے ہمارے گھر نہیں آئیں، میں آپ سے ناراض ہوں۔" میرب نے سینے پر بازو باندھتے ہوئے کہا۔

"ہاں، اور آپ نے ہمیں چاکلیٹ بھی نہیں دی۔" کبیر نے بھی میرب کے انداز میں کہا۔ کیمپ کے بارے میں سن کر اس نے بھی آنے کی ضد کی تھی۔

"پھوپھو کو معاف کردو، پھوپھو مصروف رہتی ہیں نا۔ پھوپھو جلد ہی ملنے آئیں گی اور دونوں کو چاکلیٹس بھی لا کر دیں گی۔" ماہ پارہ نے دونوں کے گالوں کو باری باری چوما۔

"اب پھوپھو باقی بچوں کا چیک اپ کریں؟ آپ دونوں کا سب سے آخر میں کروں گی، اوکے؟" دونوں نے اثبات میں سر ہلایا۔

"تب تک آپ دونوں جا کر کھیلو۔" وہ مسکرا کر کہتی ہوئی اٹھی۔

چیک اپ سے فارغ ہونے کے بعد، وہ میرب اور کبیر کو ساتھ لے کر ان کے گھر چلی گئی۔ راستے میں وہ دونوں اس سے باتیں کر رہے تھے، اور ماہ پارہ دلچسپی سے ان کی باتیں سن رہی تھی۔ وہ ان کے عجیب و غریب سوالوں کا

جواب دیتی اور پھر ان کی غیر منطقی باتوں پر ہنستی۔ جیسے تیسے کر کے وہ گھر پہنچ گئے۔

"ماہ پارہ! کیا سرپرائز دیا ہے تم نے!" ہریرہ نے دروازہ کھولتے ہی اسے گلے لگا لیا۔ بچے دوڑتے ہوئے اندر چلے گئے تھے۔ "کیا تم شادی شدہ زندگی میں اتنی مصروف ہو گئی ہو کہ دو منٹ کے لیے بھی نہیں آسکتی؟"

وہ اس سے الگ ہوئی۔ "ایسی بات نہیں ہے۔" اسے سائیڈ میں کرتی ہوئی وہ اندر چلی گئی۔

نور افزا صحن میں رکھی چارپائی پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ ماہ پارہ بھاگتے ہوئے ان تک گئی۔ اسے دیکھ کر وہ بھی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ ماہ پارہ نے سلام کیا اور انہیں گلے لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔ چند لمحے یوں ہی گلے لگائے رکھنے کے بعد وہ ان سے الگ ہوئی۔

"اماں، کیسی ہیں آپ؟"

"اگر اماں کی فکر ہوتی تو تم ہفتے میں ایک دو بار چکر لگا لیتی۔" وہ آزردگی سے کہہ کر واپس چارپائی پر بیٹھ گئیں اور ماہ پارہ کو پاس بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"اماں، اگر مصروف نہ ہوتی تو ضرور آتی۔ ابھی بھی مجھے واپس حویلی جانا ہے۔ پرسوں ولیمہ ہے، آپ لوگوں کو مدعو کرنے آئی تھی۔" یہ کہہ کر اس نے ہریرہ کے ہاتھ سے پانی کا گلاس لیا۔

"محترمہ ! یہ بات تم ابھی بتا رہی ہو؟" وہ اس کے پاس جا کر بیٹھ گئی۔

"پرسوں ہے نا ولیمہ، تم کہتی ہو تو آج تمہارے ساتھ شاپنگ پہ چلی جاتی ہوں۔"

اس نے پانی کا گلاس لبوں سے لگایا۔

"ہاں، یہ بھی ٹھیک ہے۔" اس نے کندھے اچکائے۔ "نہیں، بلکہ میں کرامت کے ساتھ ہی چلی جاؤں گی۔" اس نے فوراً اپنا فیصلہ بدلا۔ ماہ پارہ نے آنکھیں چھوٹی کر کے اسے گھورا۔

"اماں، میں آپی سے بھی ملنے جاؤں گی۔ آپ ساتھ چلیں گی؟"

"نہیں، ہم پرسوں ہی مل کر آئے تھے۔ وہ تمہارا پوچھ بھی رہی تھی۔ تم سے ناراض ہے، کہہ رہی تھی کہ اتنا عرصہ ہوگیا ہے تمہیں آئے ہوئے اور تم اس سے ملنے بھی نہیں آئی۔"

"مجھے سامنے دیکھیں گی نا تو ساری ناراضگی دور ہوجائے گی۔" وہ اعتماد سے بولی۔

"پھوپھو، یہ دیکھیں! یہ میں نے بنائی ہے۔" میرب نے اسے اپنی ڈرائنگ دکھائی۔

"واؤ! یہ تو بہت خوبصورت ہے!"

"پھوپھو، آپ کو پتہ ہے؟ میں اپنی کلاس کی سب سے ذہین بچی ہوں۔" وہ فخریہ انداز میں بولی۔ اس کے انداز پر ماہ پارہ مسکرائی۔

"اسے ذہین نہیں، چالاک لومڑی کہتے ہیں۔" ہریرہ نے تصحیح کی۔

"پھوپھو، آپ ان کی باتوں پر دھیان نہ دیں، مما مجھ سے جلتی ہیں۔ ایسا میں نہیں، بابا کہتے ہیں!" وہ منہ بسور کر بولی۔

"بابا کی خبر تو میں آج لے کر ہی رہوں گی، پتہ نہیں کیا کیا کہتے رہتے ہیں۔" وہ بڑبڑائی۔

ہریرہ کے بہت اصرار پر وہ تھوڑی دیر مزید رک گئی۔ بچوں کے ساتھ خوب اچھا وقت گزارا۔ ہریرہ کے ساتھ کچن میں مدد کرتی رہی اور اپنے بچپن کے قصے سنائے۔ وہ اسے بتا رہی تھی کہ وہ لندن میں کیسے رہی، کیا کرتی تھی۔ وہ ان کے ساتھ کھانا کھا کر واپس حویلی لوٹ آئی۔

آتے ہوئے شام ہو گئی تھی۔ وہ اندر جا کر صوفے پر گرنے کے انداز میں بیٹھی۔ تھوڑی دیر بعد اسے معلوم ہوا کہ اس وقت حویلی میں کوئی موجود نہیں تھا۔

"سب کہاں گئے ہیں؟" ایک ملازمہ اس کے سامنے سے گزری تو ماہ پارہ نے اس سے پوچھا۔

"بی بی جی، سب لڑکی والوں کی طرف گئے ہیں۔ وہ آپ کا انتظار کر رہے تھے، لیکن چھوٹے صاحب نے انکار کر دیا۔"

"انہوں نے انکار کیوں کیا؟ مجھے بھی جانا تھا !" اس نے حیرانی سے کہا۔

ملازمہ نے کندھے اچکائے۔

"انکار اس لیے کیا ہے کیونکہ آج تمہیں میرے ساتھ شاپنگ کرنے جانا ہے۔" جہانگیر سیڑھیاں اترتے ہوئے بولا۔

"شاپنگ کرنے کبھی بھی جا سکتے تھے، لیکن..." وہ ملال سے کہتے ہوئے رک گئی۔

"تمہارا دن کیسا گزرا؟" وہ موضوع بدل کر اس کے ساتھ جا کر صوفے پر بیٹھ گیا۔

"پہلے تو آپ مجھ سے دور ہو جائیں، دوسری بات، میرا دن آپ کے بغیر بہت اچھا گزرا، اور تیسری اور آخری بات، میں آپ کے ساتھ شاپنگ کرنے نہیں جا رہی ہوں !" وہ غصے سے اس سے تھوڑا دور کھسک کر بولی۔

"اچھا، ٹھیک ہے، جیسے تمہاری مرضی۔ میں اکیلے ہی چلا جاتا ہوں۔" اس نے کندھے اچکائے۔ وہ اٹھنے ہی والا تھا کہ ماہ پارہ نے اس کا بازو پکڑ کر اسے واپس بیٹھا دیا۔

"میں نے کہا تھا نا، کوئی تو ہے شہر میں جس سے آپ یوں ملنے جاتے ہیں۔ مطلب، میں نے انکار کر دیا تو آپ مجھے منائیں گے بھی نہیں؟" جہانگیر اس کی حرکت پر مسکرا دیا۔

"یار، چلو نا! اتنے نخرے کیوں دکھا رہی ہو؟" وہ بچوں جیسا چہرہ بنا کر بولا۔

"ایک ہی شوہر ہے میرا، اگر آپ کو نخرے نہیں دکھاؤں گی تو کس کو دکھاؤں؟" روانی میں اس کے منہ سے جو نکلا، اس نے کہہ دیا۔

"میڈم، 'ایک شوہر' سے کیا مراد ہے آپ کی؟" وہ جیسے ناراض ہوا۔

"نخرے پھر دکھاتی رہنا، ابھی میرے ساتھ چلو نا۔" وہ پھر سے منت کرنے پر اتر آیا۔

NOVEL HUT

وہ اس طرح بولا کہ ماہ پارہ کا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ جہانگیر کبھی بھی نہیں چاہتا تھا کہ ماہ پارہ اس سے لڑے۔ وہ ہمیشہ کوشش کرتا تھا کہ تحمل سے بات کرے۔ کوئی ناراضگی ہو تو فوراً معافی مانگ کر ختم کر دیتا تھا، چاہے غلطی اس کی نہ بھی ہو۔

ماہ پارہ سب کچھ بھول کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اب چلیں بھی!" کیا ادائیں تھیں جو وہ جہانگیر کو دکھا رہی تھی! جہانگیر کے لبوں پر تبسم ابھرا۔

وہ دونوں شہر کے خوبصورت بازار میں موجود تھے۔ ماہ پارہ نے ولیمے کی ساری شاپنگ اینہ کے ساتھ کی تھی، لیکن جہانگیر پرانی یادیں تازہ کرکے نئی یادیں بنانا چاہتا تھا۔ اس لیے وہ اسے اسی بازار میں لے آیا جہاں وہ اسے ایک بار پہلے بھی لے کر آیا تھا۔

ماہ پارہ مبہوت ہو کر آویزاں جھمکوں، دکانوں پر سجے زیورات اور اسٹینڈ پر لگی چوڑیوں کو دیکھ رہی تھی۔ وہ ان سب چیزوں کو دلچسپی سے دیکھ رہی تھی،

جبکہ جہانگیر اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ ایک دکان کے پاس رکی اور اوپر آویزاں جھمکوں میں سے ایک نکال کر دیکھا۔ پھر ایک جھمکا کان کے پاس لے جا کر پلٹ کر جہانگیر کو دکھایا۔ وہ بھاری اور بڑے جھمکے تھے۔ جہانگیر نے فوراً نفی میں سر ہلایا۔ ماہ پارہ مایوسی سے واپس پلٹی اور دوسرے جھمکے دیکھنے لگی۔ تبھی جہانگیر نے اس کے سامنے ایک ہلکا لیکن خوبصورت جھمکا پیش کیا۔

ماہ پارہ مسکرائی۔ اس نے جھمکا اس کے ہاتھ سے لے کر کان سے لگایا اور آبرو کے اشارے سے جہانگیر سے پوچھا۔

"کیسا لگ رہا ہے؟"

جہانگیر اس کے قریب آیا اور دھیمی آواز میں بولا۔ "بہت خوبصورت۔"

اس نے مزید ماہ پارہ کے لیے اپنی پسند کے جھمکے خریدے۔

ماہ پارہ چوڑیوں کی دکان پر گئی۔ اس کی آنکھیں رنگ برنگی چوڑیوں کو دیکھ کر چمک رہی تھیں۔ وہ ہر قسم کی چوڑیوں کو اٹھا کر دیکھ رہی تھی، لیکن جب اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ کون سی لے تو اس نے پلٹنا چاہا۔ اس سے پہلے کہ وہ کوئی

فیصلہ کر پاتی، جہانگیر نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ وہ ماہ پارہ کے ہاتھ میں سرخ چوڑیاں پہنانے لگا۔ ماہ پارہ دم بخود اسے دیکھتی رہی۔

اس نے ماہ پارہ کے دونوں ہاتھوں میں چوڑیاں پہنائیں، جن سے اس کی کلائیاں سرخ چوڑیوں سے سج گئیں۔ پھر اس نے دو تین مزید چوڑیاں خریدیں۔ ماہ پارہ آگے بڑھ گئی۔ دکاندار کو پیسے دے کر وہ بھی آگے بڑھ گیا۔

اب وہ جوتوں کی دکان کی طرف بڑھے۔ وہ دونوں مستطیل کرسی پر بیٹھ گئے۔ دکاندار نے مختلف قسم کے جوتے نکال کر دکھانے شروع کیے۔ اس سے پہلے کہ دکاندار ماہ پارہ کو جوتے پہنانے لگتا، جہانگیر نے فوراً ماہ پارہ کے ہاتھ سے جوتا لے لیا۔ وہ اٹھ کر اس کے سامنے پنجوں کے بل بیٹھا۔

یہ سٹرپس والے جوتے تھے، جنہیں باندھنا ضروری تھا۔ ماہ پارہ نے پاؤں پیچھے کرنا چاہا، لیکن جہانگیر نے ایک نظر اسے دیکھا تو اس نے اپنی کوشش ترک کر دی۔

"پتہ نہیں ان لوگوں کو دوسروں کی بیویوں کو جوتے پہنانے کا کیا شوق چڑھا رہتا ہے۔" وہ بڑبڑاتے ہوئے اسے جوتے پہنانے لگا۔

ماہ پارہ ہنس دی۔ "کیونکہ جہانگیر، ان کے ساتھ ان کے شوہر نہیں آتے نا ! اب ہر کوئی آپ جیسا تو نہیں ہوتا۔"

جہانگیر مسکرایا اور سٹرپس باندھ کر تھوڑا پیچھے ہوا، پھر بدمزگی سے بولا۔ "بیکار ہے ! اس کی سٹرپس سے تمہیں تکلیف ہو سکتی ہے، اور یہ ہیل ہے، تو ہم یہ ہرگز نہیں لے رہے ہیں۔"

"لیکن جہانگیر..." وہ کچھ کہنا چاہتی تھی، مگر جہانگیر نے اس کی بات سننے کے بجائے جوتے نکال کر دکاندار کو واپس کر دیے۔

"ماہ پارہ، میں کتنی بار کہوں کہ تم سادگی میں زیادہ اچھی لگتی ہو؟ سادگی تم پر خوب جچتی ہے۔" وہ اس کے بجھے ہوئے چہرے کو دیکھ کر بولا۔

ماہ پارہ نے 'ہونہہ' کر کے سر جھٹک دیا۔

اسی لمحے اس کی نظر گول گپے کی دکان پر پڑی۔ جہانگیر نے اس کی نظروں کا تعاقب کیا۔ اس سے پہلے کہ وہ جہانگیر کی طرف دیکھتی، وہ پہلے ہی اس کا ہاتھ تھام کر گول گپے کی دکان کی طرف لے جا رہا تھا۔

ماہ پارہ نے محبت بھری نظروں سے اسے دیکھا۔ آخر یہ شخص اس کی ان کہی بات کیسے سن لیتا تھا؟

جہانگیر نے گول گپے کی پلیٹ اس کی طرف بڑھائی۔ ماہ پارہ نے بیگز جہانگیر کو پکڑا دیے اور پلیٹ ہاتھ میں لے کر کھانے لگی۔ وہ مزے سے پگول گپے کھا رہی تھی۔ اس نے جہانگیر کی طرف پلیٹ بڑھائی تو اس نے نفی میں سر ہلایا۔ وہ بس اسے دیکھ رہا تھا۔

ماہ پارہ کھانے میں اتنی مگن تھی کہ اسے جہانگیر کے اچانک غائب ہونے کا احساس ہی نہیں ہوا۔ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہ وہاں نہیں تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ پریشان ہوتی، جہانگیر واپس آگیا۔ اس کے ہاتھ میں قلفی اور جلیبی تھی۔

(کیا دس سال کے بعد بھی انہیں یاد ہے کہ مجھے کیا پسند ہے اور کیا نہیں؟ کیا کوئی شخص کسی کا اس حد تک خیال رکھ سکتا ہے؟)

وہ کھوئے ہوئے انداز میں جہانگیر کو دیکھ کر سوچ رہی تھی۔ جہانگیر نے آبرو کے اشارے سے اسے جلیبی اور قلفی پکڑنے کو کہا۔ ماہ پارہ تخیل کی دنیا سے باہر آگئی۔ یہ حقیقت تھی۔ جہانگیر حقیقت تھا۔

وہ اس کے ہاتھ سے قلفی اور جلیبی لے کر کھانے لگی۔

جہانگیر جیپ کی طرف بڑھا۔ ماہ پارہ بھی قلفی اور جلیبی کھاتے ہوئے اس کے پیچھے چل دی۔ جہانگیر نے سامان پیچھے رکھا اور گھوم کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ ماہ پارہ بھی گاڑی میں بیٹھ گئی۔

جہانگیر نے گاڑی اسٹارٹ کرنے سے پہلے ماہ پارہ کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر وہی خوشی تھی جو دس سال پہلے قلفی کھاتے وقت تھی۔ ماہ پارہ نے اسے دیکھا۔

NOVEL HUT

اس کی سنہری آنکھیں جہانگیر کی سیاہ آنکھوں سے ملیں، اور جیسے وقت تھم گیا ہو۔ وہ براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔ ایک ٹھنڈی ہوا کا جھونکا انہیں چھو کر گزرا۔ ماہ پارہ نے فوراً نظریں ہٹا لیں۔ گاڑی اسٹارٹ ہو چکی تھی۔

ماہ پارہ نے جہانگیر کو بتایا تھا کہ اسے مروا سے ملنے جانا ہے، اور وہ اسے مروا کے گھر لے گیا تھا۔ ناراضگی کے باوجود مروا اسے سامنے دیکھ کر سب کچھ بھول گئی۔

ماہ پارہ بچوں سے بھی ملی۔ پھپھو اور خالہ بننے کا احساس ہی کچھ اور تھا۔ وہ دونوں رات گئے تک باتیں کرتی رہیں۔ مروا اس کے لیے بے حد خوش تھی۔

ماہ پارہ نے مایوسی کے بجائے اللہ سے اچھی امید رکھی تھی، اور آج اس کے خواب پورے ہو چکے تھے۔ اسے وہ شخص مل گیا تھا جسے وہ اپنے لیے چاہتی تھی۔

* * * * * *

ولیمے کا دن

سنہرے رنگ کا لہنگا پہنے ماہ پارہ صوفے پر بیٹھی تھی۔ اس کے ساتھ حورین بھی موجود تھی، جس نے فیروزی رنگ کا خوبصورت لہنگا پہن رکھا تھا۔ وہ بہت حسین لگ رہی تھی۔ حورین حسن سے صرف سات آٹھ سال چھوٹی تھی اور عدیلہ کی سب سے لاڈلی بیٹی تھی۔ جب اس کی شادی حسن سے طے ہوئی تو اس نے کسی اعتراض کا اظہار نہیں کیا۔ وہ بے حد معصوم تھی، جو بھی بات کہی جاتی، وہ سر جھکا کر قبول کر لیتی۔ لیکن ماہ پارہ ایسی نہیں تھی۔ وہ ہمیشہ وہی کرتی جو اس کا دل چاہتا تھا۔

ماہ پارہ اور حورین آپس میں باتیں کر رہی تھیں۔ کمرے میں صرف وہی دونوں موجود تھیں۔ اچانک دروازہ کھلا اور یاسمین اندر داخل ہوئی۔ وہ دونوں کو دیکھ کر مسکرا دی۔

" صحیح معنوں میں تو اب تم دلہن بنی ہو۔" یاسمین نے ماہ پارہ کا سر سے پاؤں تک جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

ماہ پارہ کھلکھلا کر ہنس دی۔ یاسمین ان دونوں کو لینے آئی تھی۔ وہ انہیں ساتھ لے کر نیچے سیڑھیوں کی طرف بڑھی۔ حویلی کے وسیع و عریض ہال میں ولیمے کا اہتمام کیا گیا تھا۔ بیشتر مہمان پہلے ہی روانہ ہو چکے تھے۔ اس وقت حویلی میں صرف اینہ، یاسمین، اور وہ دونوں موجود تھیں۔

وہ سب ایک ساتھ گھر سے باہر نکلیں۔ ماہ پارہ نے اپنا بھاری لہنگا بمشکل سنبھال رکھا تھا۔ وہ دل ہی دل میں پچھتا رہی تھی کہ کاش وہ جہانگیر کی بات مان کر کوئی ہلکا لباس پہن لیتی۔

سب لوگ گاڑی میں بیٹھ چکے تھے۔ ماہ پارہ جیسے ہی گاڑی کی طرف بڑھی، کسی نے اس کی کلائی تھام لی۔ اس نے چونک کر دیکھا۔ وہ جہانگیر تھا۔

"میں نے کہا تھا نا، اتنا بھاری لباس مت پہننا؟ مجھے تمہاری فکر رہتی ہے، اسی لیے تمہیں منع کرتا ہوں۔" وہ نرمی سے بولا۔

وہ واقعی اس کے لیے پریشان تھا۔ اس کا لہنگا سنبھالتے ہوئے وہ اسے گاڑی کی طرف لے جا رہا تھا۔

"اب تو ہو گئی نا غلطی؟" ماہ پارہ پشیمانی سے بولی۔

"خوبصورت بھی لگتی ہو، اسی لیے بھی منع کرتا ہوں۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا اور اسے گاڑی میں بٹھایا۔

"آپ فلرٹ کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔" ماہ پارہ نے خفگی سے کہا۔

جہانگیر نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے اسے گھور کر دیکھا۔

"اسے تم فلرٹ کہتی ہو؟ اسے بیوی کی تعریف کرنا کہتے ہیں۔"

"لیکن آپ نے مجھے ان کے ساتھ جانے کیوں نہیں دیا؟" ماہ پارہ نے دوپٹہ درست کرتے ہوئے پوچھا۔

"میرا دل چاہ رہا تھا، بس اسی لیے۔" اس نے ڈھٹائی سے کہا۔

ماہ پارہ مسکرا دی۔ وہ دونوں جلد ہی ہال پہنچ گئے۔ جہانگیر نے احتیاط سے اسے گاڑی سے اتارا اور اس کے ساتھ اندر چلا گیا۔ ہال لوگوں سے کھچا کھچ

بھرا ہوا تھا۔ اینہ نے اپنے تمام رشتہ داروں کے ساتھ اپنے قریبی دوستوں اور جاننے والوں کو بھی دعوت دی تھی۔

جہانگیر نے ماہ پارہ کا ہاتھ مضبوطی سے تھاما اور اسے اسٹیج کی طرف لے گیا، جو انتہائی خوبصورتی سے سجایا گیا تھا۔ انہیں حسن اور حورین کے ساتھ بٹھا دیا گیا۔

سب لوگ باری باری ان سے ملنے آرہے تھے۔

"نکاح مبارک ہو، حسن اور حورین! میں اس دن مبارکباد نہیں دے سکی تھی۔" زائشہ نے خوش اخلاقی سے کہا۔

"شکریہ۔" حسن اور حورین نے بیک وقت جواب دیا۔

پھر زائشہ سیدھا جہانگیر اور ماہ پارہ کی طرف بڑھ آئی۔

جہانگیر جو ماہ پارہ سے باتوں میں مصروف تھا، اسے دیکھ کر بیزاری سے کھڑا ہو گیا۔ زائشہ کندھے اچکا کر اس کی جگہ پر بیٹھ گئی۔

NOVEL HUT

"تم تو بہت خوش ہو رہی ہوگی، ہے نا؟ آخر تمہیں جہانگیر جیسا شوہر جو مل گیا ہے۔" اس نے طنز سے کہا۔

"ہاں، میں بہت خوش ہوں، اور خوش نصیب بھی کہ مجھے جہانگیر جیسا شوہر ملا۔" ماہ پارہ مسکرا کر بولی۔ "دوسروں کے شوہر پر نظر رکھنے سے بہتر ہے کہ اپنے شوہر پر دھیان دو۔ اور ہاں، اس دن جو کچھ تم نے کیا تھا، میں وہ بھولی نہیں ہوں۔"

زائشہ کی آنکھوں میں غصہ ابھر آیا۔ وہ بے عزتی برداشت نہ کر سکی اور مٹھیاں بھینچ کر وہاں سے چلی گئی۔

ماہ پارہ نے گہرا سانس لیا اور دل ہی دل میں سوچا۔ "ہونہہ، اسے معلوم نہیں کہ مجھے اس جہان میں سب سے زیادہ بھروسہ صرف جہانگیر پر ہے۔"

زائشہ کے جانے کے بعد جہانگیر واپس اس کے پاس جانے ہی والا تھا کہ یاسمین اسٹیج پر آگئی اور ماہ پارہ کے قریب بیٹھ گئی۔

"میں تمہارے لیے بے حد خوش ہوں، ماہ پارہ۔ مجھے بہت خوشی ہے کہ تم نے صحیح فیصلہ کیا۔" وہ اس کے گال پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولی۔ "اب بس ایک اچھی بیوی بن کر دکھانا۔"

ماہ پارہ نے خاموشی سے سر ہلا دیا۔

"دیکھو، بیٹا! میں تمہاری بھابھی نہیں، بلکہ ایک دوست بن کر تمہیں یہ سب کہہ رہی ہوں۔ شادی کے بعد ایک لڑکی کے لیے اس کا سسرال ہی سب کچھ ہوتا ہے۔ اگر تم اپنی ازدواجی زندگی کو اپنے پیشے سے زیادہ اہمیت دو گی، تو ہی خوش رہو گی۔ جہانگیر چاہے کتنا ہی اچھا شوہر ہو، لیکن وہ یہ پسند نہیں کرے گا کہ اس کی بیوی ہر وقت اسپتال میں مصروف رہے۔ تم سمجھ رہی ہو نا میری بات؟"

ماہ پارہ بمشکل مسکرائی اور سر جھکا لیا۔ "جی بھابھی، میں سمجھ گئی۔"

یاسمین نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور حسن و حورین کی طرف بڑھ گئی۔

جہانگیر نے ماہ پارہ کے بجھے ہوئے چہرے کو دیکھ کر فوراً اندازہ لگا لیا کہ کچھ غلط ہے۔

"کیا کہہ رہی تھیں بھابھی؟" اس نے پوچھا۔

"کچھ نہیں... بس اِدھر اُدھر کی باتیں ہو رہی تھیں۔"

جہانگیر نے گہری نظروں سے اسے دیکھا۔ "تم خود بتا رہی ہو، یا میں جا کر بھابھی سے پوچھوں؟"

"یہ غلط بات ہے۔ میں ان کی بات آپ کو کیسے بتا سکتی ہوں؟"

"میں تمہارا شوہر ہوں، تم اپنے مسائل مجھ سے شیئر کر سکتی ہو، یہ غلط نہیں ہے۔" جہانگیر نے آس پاس موجود لوگوں کی پروا کیے بغیر اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"وہ... بھابھی کا کہنا ہے کہ..." ماہ پارہ جھجکتے ہوئے بولی۔ "مجھے شادی کے بعد اپنی ازدواجی زندگی کو ترجیح دینی ہوگی۔ شوہر چاہے کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو، اسے یہ پسند نہیں آئے گا کہ اس کی بیوی اپنے پیشے کو زیادہ اہمیت دے۔ تو مجھے ایسا لگا کہ..."

جہانگیر کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ اس نے آج تک ماہ پارہ کو اس بات کا احساس نہیں ہونے دیا، پھر اچانک وہ بدگمان کیوں ہو رہی تھی؟ اس نے ماہ پارہ کے ہاتھ کی گرفت مضبوط کر دی۔

"اگر میں ان شوہروں میں سے ہوتا تو تمہیں پڑھنے کے لیے باہر نہ بھیجتا۔ میں نے تمہیں بیرونِ ملک تعلیم حاصل کرنے کے لیے اسی لیے بھیجا تھا تاکہ تم یہاں کے مسائل سے دور، آرام سے اپنی پڑھائی پر دھیان دے سکو۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ تم فقط بیوی بن کر رہو۔ میں ہمیشہ سے تمہیں آگے بڑھتے ہوئے دیکھنا چاہتا تھا۔ آج تک میں نے تمہیں یہ احساس کب ہونے دیا ہے؟" وہ جیسے بری طرح ہرٹ ہوا تھا۔ ماہ پارہ نے سر جھکا لیا۔

"تم.... تم میرے لیے بہت خاص ہو، ماہ پارہ۔ میں ہمیشہ چاہوں گا کہ میری بیوی مجھ سے زیادہ کامیاب ہو، ہمیشہ مجھ سے ایک قدم آگے رہے۔"

"مجھے بس ایک پل کے لیے ایسا لگا تھا۔" وہ بے حد شرمندہ تھی۔

"ماہ پارہ، میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں۔"

ماہ پارہ نے آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔

"تم نے مجھ پر جادو کیا ہے۔ تم اپنی آنکھوں سے مجھ پر جادو کرتی ہو۔ اس میں میری غلطی نہیں۔ تم نے مجھے اپنے اندر قید کر رکھا ہے، اور مجھے یہ قید منظور ہے۔ میں اس قید سے کبھی باہر نہیں آنا چاہتا۔"

بالآخر آج اس نے اعتراف کر لیا۔ وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کہہ رہا تھا۔

ماہ پارہ حیرانی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ جہانگیر نے اس سے اظہارِ محبت کیا تھا! وہ نہیں جانتی تھی کہ اس کے جواب میں کیا کہے۔

اسے دریا کے کنارے ہونے والی گفتگو یاد آئی، اور بے اختیار جھینپ گئی۔

وہ احمق تب سے یہ سوچ رہی تھی کہ جہانگیر اپنی سابقہ محبت کی بات کر رہا تھا۔

(تو کیا جہانگیر شروع سے صرف مجھ سے محبت کرتا تھا؟)

اسے خاموش دیکھ کر وہ کہنے لگا۔ "میں تم سے اظہارِ محبت کے بدلے میں کچھ نہیں چاہتا۔ میں بس صرف اتنا چاہتا ہوں کہ تم ہمیشہ میرے ساتھ رہو۔ ہر قدم پر۔ مرتے دم تک۔"

حسن اور حورین وہاں سے اٹھ کر جا چکے تھے، مگر پھر بھی وہ دھیمی آواز میں کہہ رہا تھا۔

ماہ پارہ نروس ہونے لگی۔ اس کی ہتھیلیاں پسینے سے نم ہو رہی تھیں۔ اس نے سر جھکا لیا۔ اس کے گال سرخ ہو رہے تھے۔ اس کا ہاتھ ابھی تک جہانگیر کے ہاتھ میں تھا۔

"کھانے کا وقت ہو گیا ہے، آپ کے لیے کچھ لاؤں؟" رامین نے ماہ پارہ سے پوچھا۔

جہانگیر نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

"مجھے... بھوک نہیں ہے۔" ماہ پارہ نے سر جھکائے ہوئے کہا۔

"لیکن آپی..."

"تم جاؤ بچے، ہم آتے ہیں۔" جہانگیر نے مسکرا کر کہا۔ رامین کندھے اچکا کر وہاں سے چلی گئی۔

جہانگیر اس کے چہرے کے بدلتے رنگ کو دیکھ رہا تھا۔ ماہ پارہ کے ہاتھ گود میں جکڑے ہوئے تھے۔ وہ اسے دیکھ رہا تھا، جبکہ ماہ پارہ نے نظریں جھکائی ہوئی تھیں۔ اتنے میں سیف ان کے پاس آیا۔

"بھائی، لوگوں کا خیال تو کر لیا کریں۔ ارد گرد کنوارے لوگ بھی موجود ہیں، اس طرح تو ہمارا دل مت جلائیں۔" اس نے ملامت بھری نظروں سے جہانگیر کو دیکھا۔

"بیٹا، اگر بکواس کی ناں، تو انہیں لوگوں کا خیال کیے بغیر تمہیں بہت ماروں گا۔" جہانگیر نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

"وہ ممی آپ کو اور بھابھی کو بلا رہی تھیں۔" سیف ایسی معصومیت سے بولا کہ جہانگیر مسکرا دیا۔

"تم جاؤ، ہم آتے ہیں۔" سیف وہاں سے چلا گیا۔ جہانگیر نے پھر ماہ پارہ کو دیکھا۔

"اب تم یوں شرماؤ تو مت۔" وہ نرمی سے بولا۔

ماہ پارہ جیسے بضد تھی کہ نہ کچھ بولے گی اور نہ ہی اس کی طرف دیکھے گی۔

جہانگیر بے اختیار دھیرے سے ہنس دیا۔ اسے معلوم تھا کہ اسے اپنے اظہارِ محبت کے بدلے میں فوری جواب نہیں ملے گا، لیکن یہ ناممکن بھی نہیں تھا۔

دور کہیں اسے یہ بھی معلوم تھا کہ ماہ پارہ اس سے محبت کرنے لگی ہے۔ وہ ایک دوسرے کی آنکھیں پڑھ سکتے تھے۔ وہ ایک دوسرے کے دل کی بات جانتے تھے۔ انہیں الفاظ کے سہارے کی ضرورت نہیں تھی۔

ان کی کہانی نے یہاں سے ایک نیا موڑ لے لیا تھا۔

* * * * * *

چند مہینے بعد

وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی تھی۔ آج پہلی بار اس نے جہانگیر کے کہنے پر ساڑھی پہنی تھی۔ گہرے نیلے رنگ کی ساڑھی، جس پر چاندی کی نفیس کڑھائی کی گئی تھی، اس پر بے حد جچ رہی تھی۔ اس کے ریشمی، سیدھے بال آبشار کی طرح کمر پر بکھرے ہوئے تھے۔ ہاتھوں پر گہرے نیلے رنگ کی چوڑیاں پہن رکھی تھیں۔

وہ آنکھوں میں کاجل لگا رہی تھی کہ جہانگیر کمرے میں داخل ہوا۔ وہ سفید شرٹ اور سیاہ رنگ کی پینٹ میں ملبوس تھا۔ شرٹ کے اوپر اس نے سیاہ رنگ کا ویسٹ کوٹ پہن رکھا تھا۔ ماتھے پر ہمیشہ کی طرح بال بکھرے ہوئے تھے، اور چہرے پر سنجیدگی کے تاثرات نمایاں تھے۔ وہ سیدھا بیڈ کی طرف گیا اور سائیڈ ٹیبل کے دراز میں اپنی گھڑی ڈھونڈنے لگا۔

ماہ پارہ کاجل لگا کر مڑی تو اس کی نظر جہانگیر پر پڑی۔ اس نے تعجب سے جہانگیر کو دیکھا، جو اسے مکمل نظر انداز کر کے اپنی گھڑی میں مگن تھا۔ وہ

مسکراتے ہوئے دوبارہ آئینے کی طرف مڑی، بالوں میں ہاتھ پھیرا اور ساڑھی کو درست کیا، پھر گلا کھنکار کر جہانگیر کی توجہ اپنی طرف مبذول کرائی۔

"کیسی لگ رہی ہوں؟" پرجوش لہجے میں پوچھا۔

جہانگیر چونک کر سیدھا ہوا اور پلٹ کر اسے دیکھا۔ اس کا سرتاپیر جائزہ لیا، اور یکدم اس کے چہرے پر مسکراہٹ ابھری۔ سخت تاثرات لمحے بھر میں نرم پڑ گئے۔

"میری لگ رہی ہو۔" وہ آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھا۔

"آپ پھر سے فلرٹ کر رہے ہیں؟" وہ مسکراہٹ دباتے ہوئے پیچھے ہٹی۔

"بیوی ہو میری، فلرٹ بھی کر سکتا ہوں اور محبت بھی۔"

"آپ نے بتایا نہیں، کیسی لگ رہی ہوں؟" وہ اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے دوبارہ بولی۔

جہانگیر مزید قریب آیا۔ ماہ پارہ کی پشت دیوار سے جا لگی۔ جہانگیر نے اس کے دائیں بائیں ہاتھ رکھ دیے، اور اس کی آنکھوں میں جھانکا، جس طرح وہ ہمیشہ دیکھتا آیا تھا۔

"اتنی خوبصورت کہ تمہاری خوبصورتی بیان کرنے کے لیے الفاظ ناکافی ہیں۔"

"آپ... آپ کی وجہ سے دیر ہو رہی ہے!" اس نے گھبرا کر اسے دور دھکیلا۔

"اچھا؟ یہ تو تمہیں اتنا خوبصورت لگنے سے پہلے سوچنا چاہیے تھا۔" وہ اسی انداز میں دیکھتا ہوا بولا۔

"آپ... !" وہ انگلی اٹھا کر کچھ کہنے ہی لگی تھی کہ جہانگیر نے اس کی انگلی تھام لی۔

"اب دیر نہیں ہو رہی؟"

ماہ پارہ نے فوراً اپنی انگلی اس کی گرفت سے نکالی اور مصنوعی خفگی سے بولی۔"بے وقت فلرٹ کرنا تو کوئی آپ سے سیکھے!"

جہانگیر کو اس کی ادا پر بے حد پیار آیا، مگر اس نے کچھ کہا نہیں، بس مسکرا دیا۔

وہ دونوں شادی کے بعد پہلی بار حیدر کے گھر جا رہے تھے۔ جیپ میں بیٹھے، ماہ پارہ سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائے خاموشی سے چاند کو دیکھ رہی تھی۔ وہ کسی گہری سوچ میں گم تھی۔

"کیا سوچ رہی ہو؟" جہانگیر نے اسے خاموش دیکھ کر پوچھا۔

"یہی کہ اگر آپ کی شادی مجھ سے نہ ہوتی تو کس سے ہوتی؟ اور اگر میری شادی آپ سے نہ ہوتی تو کس سے ہوتی؟" وہ بغیر اسے دیکھے بولی۔

جہانگیر اس سوال پر پہلے تو ٹھٹکا، پھر ہنسی روکنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے زور سے قہقہہ لگا دیا۔

ماہ پارہ بھی اپنا سوال سوچ کر خود ہی مسکرا دی۔ چند لمحے خاموشی چھائی رہی۔

"میں ایسا کچھ سوچنا ہی نہیں چاہتا، جہاں مجھے خود کو یا تمہیں کسی اور کے ساتھ تصور کرنا پڑے۔" چند لمحوں بعد جہانگیر نے سنجیدگی سے کہا۔ ماہ پارہ نے اس کی طرف دیکھا۔

"تمہیں میرے لیے بنایا گیا تھا، اور مجھے تمہارے لیے۔"

"میں واقعی شروع سے آپ کے نصیب میں لکھی تھی؟" ماہ پارہ نے دل میں اٹھنے والے خدشے کو زبان دے دی۔

جہانگیر نے ایک نظر اسے دیکھا، پھر شرارت سے مسکراتے ہوئے بولا۔

"ہاں، اگر نہ ہوتی تو اس وقت تمہاری جگہ کوئی اور بیٹھی ہوتی میرے ساتھ!"

ماہ پارہ نے آنکھیں سکیڑ کر اسے گھورا۔ "جی نہیں! فضول باتیں مت کیا کریں!"

جہانگیر نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "تم نے ہی شروع کیا تھا!"

اب کی بار ماہ پارہ ہنسی تھی۔ اور ہنستی ہی گئی۔ جہانگیر اسے خوش دیکھ کر خوش ہوا۔ اور وہ چاہتا بھی یہی تھا۔

******

چھ سال بعد

جولائی کا مہینہ تھا، اور اسکول میں بچوں کی چھٹیاں جاری تھیں۔ دوپہر کا وقت تھا، اور حویلی کو سجانے کا کام عروج پر تھا۔ دیواروں سے لے کر ریلنگ تک ہر جگہ سیاہ اور سرخ غبارے لگے ہوئے تھے۔ لاؤنج کے وسط میں ایک گول میز رکھی تھی، جس کے عین اوپر ایک خوبصورت فانوس جھول رہا تھا۔ اس کی روشنی سے پوری حویلی جگمگا رہی تھی۔ آج کی سالگرہ میں نہ صرف قریبی رشتہ داروں کو بلکہ گاؤں کے تمام بچوں کو بھی مدعو کیا گیا تھا۔ ماہ پارہ کے اس فیصلے پر کسی کو اعتراض نہ تھا۔

چار سالہ شاہ میر اور شاہ ویر لاؤنج میں اِدھر اُدھر بھاگ رہے تھے۔ ماہ پارہ پچھلے پندرہ منٹ سے ان کے پیچھے دوڑ رہی تھی، اور اب وہ تھک چکی تھی۔ وہ

جا کر لاؤنج میں رکھی کرسی پر بیٹھ گئی اور ہانپنے لگی۔ اینہ نے اسے یوں تھکا ہارا دیکھا تو فوراً اس کے پاس آئیں اور ملازمہ کو پانی لانے کا حکم دیا۔

"ماہ پارہ، تم اس حالت میں ایسے کیوں بھاگ رہی ہو؟" انہوں نے فکرمندی سے پوچھا۔

"ممی، دیکھیں نا، یہ دونوں میری بات ہی نہیں سن رہے۔ کب سے کہہ رہی ہوں تیار ہو جاؤ، لیکن مجال ہے جو یہ میری بات مان لیں!" یہ کہتے ہوئے اس نے پانی کا گلاس لبوں سے لگایا۔

"ہزار بار کہا ہے کہ کوئی بھی کام ہو تو ہم سے کہہ دیا کرو۔ لاپرواہی کی بھی حد ہوتی ہے۔ دو بچوں کی ماں ہو، لیکن اب بھی بچوں جیسی حرکتیں کرتی ہو!" انہوں نے تاسف سے سرہلایا۔ ان کے لہجے میں سختی نہیں بلکہ محبت تھی۔

"ممی، آپ بچوں سے کہہ دیں نا کہ وہ تیار ہو جائیں۔" ماہ پارہ نے التجا کی۔

(وہ یہ نہیں بتا سکتی تھی کہ تھوڑی دیر میں اسے اسپتال جانا ہے۔)

"بڑی امی، آپ فکر نہ کریں، میں کہتی ہوں ان سے۔ آپ دیکھیں، وہ میری بات فوراً مان لیں گے۔" پانچ سالہ آئزہ نے مسکرا کر کہا۔ ماہ پارہ اور اینہ نے اس کی طرف دیکھا۔

چاچی کی جان، شکریہ! مجھے جا کر جہانگیر کے کپڑے بھی استری کرنے ہیں۔" وہ اٹھتے ہوئے بولی۔

"کیا اس کے خود کے ہاتھ ٹوٹ گئے ہیں؟ اسے کہو کہ وہ خود کر لے! تم جا کر آرام کرو، میں تمہارے لیے کچھ کھانے کو لاتی ہوں۔" یہ کہہ کر اینہ وہاں سے چلی گئیں۔

"چاچی، میں ممی سے کہہ دوں کہ وہ ویر اور میر کو بھی تیار کر دیں؟"

"جی بڑی امی کی جان، اگر حورین کو کوئی کام نہیں ہے تو اس سے کہو کہ وہ یوسف اور حارث کے ساتھ ان دونوں کو بھی تیار کر لے۔ زینت ذرا کام سے باہر گئی ہے، اس لیے یوسف کی ذمہ داری مجھے دی تھی۔ تم ان سے کہہ دینا،

NOVEL HUT

اوکے؟" آئزہ نے زور و شور سے سرہاں میں ہلایا۔ ماہ پارہ نے محبت سے اس کے گال چومے اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

ماہ پارہ تھکن کے باوجود مسکرا دی۔ وہ اس کے پاس آئی، اسے اپنی طرف موڑا، اور اس کی گردن کے گرد بازو حمائل کر کے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ جہانگیر بھی مسکرا دیا۔ اس نے ماہ پارہ کے گرد بازوؤں کا حصار بنایا۔

"خیریت میڈم، آج اتنا پیار؟" جہانگیر نے مسکراتے ہوئے اس کی ایک لٹ کو پیچھے کیا۔

"یہ پیار پچھلے چھ سالوں سے آپ ہی کے لیے تو ہے۔" وہ مبہوت سی بولی۔ جہانگیر کی مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی۔

"ہمارے بچے کہاں ہیں؟ لگتا ہے ماں سا نے آرام کرنے کے لیے بھیجا ہے آپ کو۔" جہانگیر اسے لے کر بیڈ کی طرف بڑھا، اسے بیڈ پر بٹھایا اور خود گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھ گیا۔

"ممی کا بس چلے تو مجھے بیڈ سے باہر آنے بھی نہ دیں۔"

" صحیح کرتی ہیں، اپنا خیال رکھا کرو۔" اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے وہ بولا۔

"اس گھر میں لڑکوں کی تعداد پہلے ہی بہت زیادہ ہے، مجھے ہالے نور چاہیے۔"

"آپ نے تو نام بھی سوچ لیا؟"

"ظاہر ہے، میں اپنی بیٹی کا نام خود رکھوں گا۔"

"اور اگر ممی نے کوئی اور نام رکھ دیا تو؟"

"میں تو اسے ہالے نور ہی کہوں گا۔" اس کا ہاتھ چوم کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"میں ابھی فیکٹری جا رہا ہوں، شام تک واپس آجاؤں گا۔"

"مجھے ہسپتال چھوڑ دیں، آج مجھے ایک مریض کو دیکھنے جانا ہے۔ میں اپنا پورا خیال رکھوں گی۔"

ماہ پارہ نے ملتجی نظروں سے جہانگیر کو دیکھا۔ جہانگیر نے آنکھیں چھوٹی کر کے اسے دیکھا۔ ماہ پارہ نے پلکیں جھپکائیں تو وہ مسکرا دیا۔

"واپسی میں میرے ساتھ آؤ گی، اوکے؟ کچھ بھی الٹا سیدھا نہیں کھاؤ گی، زیادہ ٹینشن نہیں لو گی، اور۔۔۔ اپنا اور ہالے نور کا خیال رکھنا۔" اس نے انگلی اٹھا کر تنبیہ کی۔

ماہ پارہ فوراً مان گئی اور وہ دونوں شہر روانہ ہو گئے۔

******

دوپہر سے شام ہو چکی تھی۔ داؤد اس وقت اپنے کمرے میں صوفے پر بیٹھے اخبار پڑھ رہے تھے کہ اچانک دروازہ کھلا اور سارے بچے اندر داخل ہو گئے۔ وہ چونک گئے، پھر ایک دم ان کے لب مسکراہٹ میں ڈھل گئے۔ سب بچے ان سے لپٹ گئے۔

"میرے بچے کتنے پیارے لگ رہے ہیں۔" انہوں نے یوسف اور حارث کو گود میں بٹھایا۔

"دادا جان، نیچے چلیں نا، آج میری سالگرہ ہے!" شاہ ویر کے "میری سالگرہ ہے" کہنے پر شاہ میر کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"دادا جان، اسے سمجھائیں کہ آج میری بھی سالگرہ ہے!" شاہ میر نے غصے سے شاہ ویر کو گھورتے ہوئے کہا۔

داؤد حیرت سے دونوں کو دیکھنے لگے۔ ان دونوں کے درمیان ایک بار پھر مقابلہ شروع ہو چکا تھا۔

"دادا جان، اسے بتائیں کہ وہ مجھ سے پانچ منٹ چھوٹا ہے، اس سے پہلے میری سالگرہ ہے!"

شاہ ویر نے ہاتھ کمر پر رکھ کر ناک سکوڑ کر کہا۔

"میر! ویر! دادا جان کو تنگ مت کرو۔" آئزہ ان دونوں کی بحث سے تنگ آ چکی تھی۔ ان بچوں میں صرف وہی سلجھی ہوئی تھی۔

"میرے بچے مجھے تنگ نہیں کرتے۔ انہی کی وجہ سے تو میں جی رہا ہوں۔" انہوں نے حارث اور یوسف کو گود سے اتار کر اٹھ کھڑے ہوئے اور بچوں کے ساتھ نیچے چل دیے۔

حسن اور حورین، ماہ پارہ کے گھر والوں سے باتوں میں مصروف تھے، جبکہ جن کی سالگرہ تھی، ان کے والدین غائب تھے۔

اسی وقت سیف اور زینت بھی گھر میں داخل ہوئے۔ یوسف بھاگ کر اپنے بابا کے پاس گیا، سیف نے اسے گود میں اٹھا لیا۔

"ہیپی برتھ ڈے میر، ویر!" زینت نے دونوں کے گال چومتے ہوئے کہا۔ سیف نے بھی انہیں مبارکباد دی۔

"شکریہ چاچی جان! شکریہ چاچو جان!" دونوں نے ایک ساتھ کہا اور دوسرے بچوں کے ساتھ کھیلنے لگے۔ زینت اور سیف یوسف کے ساتھ آگے بڑھے۔

NOVEL HUT

مصروفیت کے باعث مروا نہ آسکی تھی، جبکہ ہریرہ اور کرامت بچوں کے ساتھ آئے ہوئے تھے۔ نور افزا، اینہ سے باتیں کر رہی تھیں۔ ہریرہ، زینت اور حورین کے ساتھ جا کر بیٹھ گئی جبکہ کرامت، سیف اور حسن کے ساتھ بیٹھ گیا۔

آہستہ آہستہ سب مہمان آ گئے۔ اس وقت بچوں کی تعداد بڑوں سے زیادہ تھی۔

کچھ دیر بعد ماہ پارہ اور جہانگیر بھی پہنچ گئے۔ سب نے ملامت بھری نظروں سے ان کی طرف دیکھا، مگر دونوں نے معذرت کر لی اور اوپر چلے گئے۔ انہیں تیار ہونے میں تقریباً دس منٹ لگے۔

سالگرہ کی تقریب شروع ہو چکی تھی، کیک کاٹ کر سب بچوں کو کھلا دیا گیا تھا، اور کھانے کا وقت ہو چکا تھا۔ ماہ پارہ کوئی بھی کام کرتی تو اینہ فوراً ٹوک دیتیں۔ وہ صوفے پر خاموشی سے بیٹھی رہی۔

"شاہ ویر! تمہاری بہن کو کوئی تنگ کر رہا ہے، وہ وہاں....."

ایک بچہ دوڑتا ہوا آیا اور شاہ ویر کو اطلاع دی۔ شاہ ویر کی آنکھوں میں غصہ در آیا۔ وہ فوراً دوڑتے ہوئے آئزہ کے پاس پہنچا۔

"ویر! دیکھو، اس نے مجھے دھکا دیا!" آئزہ روتے ہوئے بولی۔

"تم نے میری بہن کو دھکا کیوں دیا؟" شاہ ویر نے غصے میں اس بچے کو دھکا دیتے ہوئے کہا۔

"ویر، اسے مارو نہیں، پیار سے سمجھاؤ، سمجھ جائے گا!" شاہ میر نے اسے روکنے کی کوشش کی۔

"حسن بھائی، وہاں بچے آپس میں لڑ رہے ہیں، عائزہ رو رہی ہے!" زینت کے کہنے پر سب نے اس طرف رخ کیا۔

حسن بھاگتا ہوا اس کی طرف گیا۔ وہ اپنی لاڈلی بیٹی کی آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتا تھا۔ جہانگیر بھی اس کے پیچھے چلا گیا۔

ماہ پارہ اٹھنا چاہتی تھی، مگر امینہ نے سر نفی میں ہلا دیا۔

"کیا ہوا میری جان کو؟" حسن نے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر اس کے آنسو پونچھتے ہوئے پوچھا۔

"بابا، میں نے کچھ نہیں کیا، ویر خود اس لڑکے سے لڑ رہا تھا۔" آئزہ روتے ہوئے بولی۔

"شاہ ویر! یہ سب کیا ہے؟" جہانگیر نے غصے سے پوچھا۔

"بابا، وہ ہماری بہن کو تنگ کر رہا تھا، جو کہ غلط بات ہے!" شاہ ویر نے 'ہماری' پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"تو تم اسے اس طرح مارو گے؟"

"سو واٹ؟ کیا فیملی کے لیے اتنا بھی نہیں کر سکتے؟" شاہ ویر کے اس رویے پر جہانگیر چونک گیا، حسن نے بھی حیرت سے اسے دیکھا۔

"بھائی، رہنے دیں، بچوں کا دن ہے، یوں خراب نہ کریں۔" حسن نے آئزہ کو گود میں اٹھاتے ہوئے کہا۔ جہانگیر نے سرہاں میں ہلا دیا۔

******

"جہانگیر، آج آپ نے ویر کا رویہ دیکھا ناں؟ وہ کتنا جذباتی ہو جاتا ہے۔ بالکل آپ پر گیا ہے۔ وہ دل سے سوچتا ہے، دماغ سے نہیں۔" وہ تکیہ درست کرتے ہوئے بولی۔

"اور شاہ میر بالکل تم پر گیا ہے۔ وہ اپنی باتوں سے لوگوں کو قائل کر لیتا ہے۔" جہانگیر بیڈ کے کراؤن سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا، نظریں اس پر مرکوز تھیں، جیسے وہ اس کی ہر ادا کو جذب کر رہا ہو۔

"تو پھر بتائیں، کون سی عادت بہتر ہے؟ اس طرح غصہ کرنا یا نرمی سے سمجھانا؟" وہ لیٹنے ہی والی تھی کہ جہانگیر نے نرمی سے اس کا بازو تھاما، اسے اپنے قریب کیا اور اس کا سر اپنے سینے پر رکھ دیا۔

"دونوں ہی نہیں۔ ہالے نور کی عادتیں سب سے اچھی ہوں گی۔" وہ اس کے نرم بالوں میں انگلیاں چلانے لگا۔

"اور اگر ہالے نور کی جگہ یزدان۔۔۔"

"شش.... اتنا برا مت سوچو۔" جہانگیر نے آنکھیں بند کر لیں۔ ماہ پارہ نے گہری سانس لی، آخر وہ اسے اور کیا کہتی؟

وہ کچھ دیر خاموشی رہیں۔ پھر جہانگیر دھیمے لہجے میں گویا ہوا۔ "میں چاہتا ہوں کہ میرے بچے وہ کریں جو ان کا دل چاہے۔ میں ان پر زبردستی نہیں کرنا

چاہتا۔ مجھے وکالت میں کبھی دلچسپی نہیں تھی، میں تو بس اپنے دادا کی طرح گاؤں والوں کی مدد کرنا چاہتا تھا، وہیں رہنا چاہتا تھا۔ مگر حالات کچھ ایسے بنے کہ مجھے وہی کرنا پڑا جو بابا چاہتے تھے۔"

زرد بلب کی مدھم روشنی میں اس کا چہرہ تھکن سے چور نظر آرہا تھا۔

ماہ پارہ نے اس کا ہاتھ تھام لیا اور آہستہ سے بولی۔ "جہانگیر، میں کتنی خوش نصیب ہوں کہ آپ میری زندگی میں آئے۔ آپ صرف ایک اچھے شوہر ہی نہیں، ایک بہترین باپ بھی ہیں۔" وہ چہرہ اٹھا کر اسے دیکھنے لگی، آنکھوں میں عقیدت تھی۔

"اب لگتا ہے کہ میں آپ کے بغیر ایک لمحہ بھی نہیں رہ سکتی۔ سب کچھ مجھے ایک خواب لگتا ہے، ایک خوبصورت خواب .... اگر میں نے آنکھیں کھولیں تو شاید آپ کھو دوں گی۔" وہ دوبارہ اس کے سینے پر سر رکھ کر آنکھیں موند گئی۔ جہانگیر مسکرا دیا۔

"اسے میں اظہار محبت سمجھوں؟"

"جو مرضی سمجھ لیں۔" وہ مدھم آواز میں بڑبڑاتے ہوئے اس کے سینے میں چہرہ چھپا گئی۔

جہانگیر کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔ ان سالوں میں اسے ماہ پارہ سے صرف ایک بار اظہارِ محبت سننے کو ملا تھا، مگر آج اس کے الفاظ نہیں، جذبات سب کچھ کہہ رہے تھے۔

وہ شہزادہ، جس کا اس نے خواب دیکھا تھا، آج اسی کے پہلو میں تھا۔ ایسا ہمسفر، جو نہ صرف عزت اور محبت دیتا، بلکہ اسے آگے بڑھنے کا موقع بھی فراہم کرتا۔ اس کی ہر خواہش کو پورا کرنا جیسے اس کی زندگی کا مقصد تھا۔

جہانگیر ایسا ہی تھا۔ ہر لڑکی کی خواہش تھی انہیں جہانگیر جیسا ہمسفر ملے۔

کون جانتا تھا کہ ایک عام سی گاؤں کی لڑکی اتنی آگے بڑھ جائے گی؟ کیوں؟ کیونکہ اسے ہمیشہ بہترین کی امید تھی۔

ان چھ سالوں میں گاؤں نے بہت ترقی کی، مگر یہ تبھی ممکن تھا جب لوگ خود آگے بڑھنا چاہتے۔ کسی کو زبردستی نہیں بدلا جا سکتا۔

" لوگوں کو وقت کے ساتھ اپنی سوچ بدلنی چاہیے۔"

❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊

NOVEL HUT

CONTACT THE AUTHOR

.If you want to contact the author we will mention her instagram here

Novel-hut at your service

JazakAllah

NOVEL HUT

writer's instagram : writersaherkhan